تجلیاتِ قدسیہ
ترجمہ
جامع الاحادیث القدسیۃ
جلد سوم
www.besturdubooks.net
ترجمہ مع تشریح
مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی مدظلہ العالی
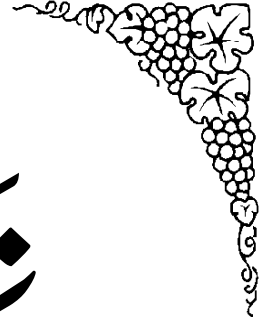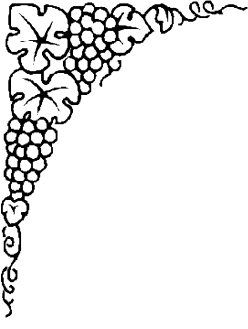
تجلّیاتِ قدسیّہ

ترجمہ

جامع الاحادیث القدسیۃ

جلد سوم

ترجمہ مع تشریح

حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی مدظلہ العالی

خلیفۂ مجاز حضرت حکیم محمد اختر صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ

خلیفۂ مجاز پیرِ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی

خلیفۂ مجاز محبوب العلماء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

باہتمام

مولانا حافظ محمد رزین اشرف ندوی

نام کتاب	:	تجلیاتِ قدسیہ ترجمہ جامع الاحادیث القدسیۃ
جلد سوم	:	حدیث نمبر ۳۴۸ تا ۵۴۲
ترجمہ مع تشریح	:	حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی مدظلہ العالی
ناشر	:	ابراہیم لائبریری، مادھو پور سلطانپور، سیتامڑھی، بہار
باہتمام	:	حافظ محمد رزین اشرف ندوی
سنِ اشاعت اوّل	:	ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ (جنوری ۲۰۱۶ء)
تعدادِ اشاعت		۱۰۰۰
صفحات	:	۴۵۶ (جلد سوم)
قیمت	:	
کمپیوٹر کمپوزنگ وسرورق	:	یسریٰ گرافکس، پونے۔9595031666

❖❖❖ ملنے کے پتے ❖❖❖

- محمد صہیب اشرف بن مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی
  حبتور بلڈنگ، بردبئی۔0097143550426, 00971507157431
- مکتبہ دارالمعارف الٰہ آباد، وصی آباد
- ابراہیم لائبریری مادھو پور، سلطان پور ضلع سیتامڑھی (بہار)
- مولانا محمد امین اشرف قاسمی، موبائل: 9934453995
  ادارۂ دعوۃ الحق، مادھو پور، سلطان پور، پوسٹ ٹھاہر، ضلع سیتامڑھی، بہار
- حافظ محمد رزین اشرف ندوی، موبائل:09370187569
  301، زمزم ٹاور، نزد ڈی ایڈ کالج، میٹھا نگر، کونڈوا، پونہ-۴۸

عرضِ ناشر

نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، سیرت و احوال اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

اور حضرت محمد ﷺ جب اللہ ربّ العزّت سے کوئی روایت جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ الہام یا خواب یا بواسطۂ جبرئیل عطا فرمایا، پھر اسے آپؐ اپنے الفاظ و معانی میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بیچ بیان فرمائیں تو وہ حدیثِ قدسی کہلاتی ہے۔

آپ کے ہاتھوں 'تجلیاتِ قدسیہ' کی چھ جلدوں میں سے یہ تیسری جلد ان ہی مبارک و مسعود حدیثوں کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ جلدِ سوم میں حدیث ۳۴۸ تا ۵۴۲ مع ترجمہ وتشریح پیش ہیں۔

اصل کتاب 'جامع الاحادیث القدسیۃ' تین ضخیم جلدوں میں دار الریان للتراث، قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ ان تین جلدوں میں گیارہ سو پچاس احادیثِ قدسیہ پیش کی گئی ہیں۔ کتاب کے مؤلف اپنے عصر کے بڑے محدث، عالمِ کبیر اور احادیثِ قدسیہ پر دِقتِ نظر کے حامل علامہ ابوعبد الرحمٰن عصام الدین صبابطی مصری ہیں۔

علامہ کی اس کتاب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ابھی تک کی تمام مطبوعہ احادیثِ قدسیہ ان جلدوں میں جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ جامع کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

احادیثِ قدسیہ کا یہ ذخیرہ اب تک عربی زبان میں تھا۔ اُردو کا دامن اس عظیم سرمائے سے خالی تھا یا برائے نام چھوٹی موٹی چند کتابیں تھیں جو خاص خاص موضوع پر جمع کی گئی ہیں۔

برادرِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی حفظہ اللہ جنھیں احادیثِ قدسیہ سے عشق کی حد تک شغف ہے، کی نظرِ انتخاب علامہ صابطی کے اس الجامع پر پڑی اور انھوں نے 'تجلیاتِ قدسیہ' کے نام سے ایسا شستہ شگفتہ ترجمہ اور دل کو چھو جانے والی بلکہ موہ لینے والی تشریح کی ہے کہ پڑھنے والا تجلیاتِ ربانی میں غوطہ زن ہوتا چلا جاتا ہے اور اس پر اسرارِ الٰہیہ کھلتے چلے جاتے ہیں۔ نیز برادرِ محترم کا احادیثِ قدسیہ پر یہ پہلا کام نہیں ہے بلکہ موصوف کی پہلی کتاب 'حق جل مجدہ کی باتیں' کے نام سے ابراہیم لائبریری، مادھو پور، ضلع سیتامڑھی، بہار سے شائع ہوکر مقبولِ خاص و عام ہوچکی ہے۔ یہ ترجمہ و تشریح ہے 'الاتحافات السنیّۃ فی الاحادیث القدسیۃ' کی جو اپنے زمانے کے مشہور محدث علامہ شیخ محمد المدنی کی تالیف ہے، جس میں ۸۶۴/ حدیثیں ہیں۔ احادیثِ قدسیہ پر دوسرا جامع کام 'تجلیاتِ قدسیہ' کے نام سے آپ کے سامنے موجود ہے۔

احادیثِ قدسیہ پر حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ کی تیسری کتاب 'نفحاتِ قدسیہ' جو ترجمہ و تشریح ہے 'الاحادیث القدسیة' کا جو لجنة المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیة مصر کی زیرِ نگرانی بزبانِ عربی متعدد علمائے کرام کی کاوش سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تھی۔ ماشاء اللہ اس کتاب پر کام بڑی تیزی سے جاری ہے۔ اِنشاء اللہ عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہوگی۔

کتابِ ہٰذا کی چھ جلدوں کے تقریباً پونے تین ہزار صفحات کی ضخامت دیکھ کر آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ صاحبِ کتاب نے اس کتاب پر کس قدر دماغ سوزی اور محنتِ شاقہ کی ہوگی۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ جو کام آج کل ایک اکیڈمی اور ادارہ کرتا ہے وہ کام صرف ایک شخص نے کیا۔ یہ اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے ہی ممکن ہوا۔

’تجلیاتِ قدسیہ‘ کی کتابت، پروف ریڈنگ اور اس کو ظاہری و معنوی طور پر شایانِ شان بنانے کا کام پونے میں بندۂ ناچیز کے زیرِ اہتمام ہوا۔ اگرچہ کچھ ابتدائی مرحلے کا کام دہلی میں ہوا تھا۔ کتاب معیاری کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط جلد کے ساتھ چھپ کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے۔

ملک و بیرون کی نامور دینی، دعوتی، اصلاحی اور روحانی شخصیات نے کتاب اور صاحبِ کتاب پر اپنے تاثرات سے جو کچھ لکھا ہے آپ اندرونی صفحات پر اس کا مطالعہ کریں۔ طوالت کے خوف سے ان تاثرات کو ہم نے صرف پہلی جلد میں شامل رکھا ہے۔ نیز بندہ کی قارئین سے گزارش ہے کہ عرضِ مترجم جو ہر جلد میں شامل ہے اسے بھی ضرور پڑھیں۔

قارئین سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی کہ عاشقِ احادیثِ قدسیہ کی پہلی بھی کئی مفید کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں جن میں ’وصایا انبیاء و اولیاء انسائیکلو پیڈیا‘ کی چار جلدیں، ’احکام و مسائل‘، ’علاماتِ ایمان‘ اور ’قرآن و حدیث میں جن پر لعنت کی گئی ہے‘ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور اس بددینی اور بے دینی خاص طور سے اباحیت کے زمانے میں اصلاحِ حال کے لیے ان کتابوں کی طرف متوجہ ہوا جائے۔ وما توفیقی اِلا باللہ!

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرتِ شارح حفظہ اللہ تعالیٰ کی عمر میں برکت، عافیت و رحمت نازل فرمائے۔ تمام معاونین و مساعدین بالخصوص مولوی سیّد آصف نثار جنھوں نے بڑے شوق و ذوق سے کتاب کی تزئین و آرائش میں بندے کا ساتھ دیا، کو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین!

(مولانا حافظ) محمد رزین اشرف ندوی
خادمِ قرآن و سنت، دار العلوم نظامیہ صوفیہ، پونے

بروز پیر، ۱۷/اگست ۲۰۱۵ء
۳۰۱/زمزم ٹاور، کونڈوا، پونہ

فہرست

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

عرض مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ، وَ اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِيْ ، وَ يَسِّرْ لِي اَمْرِيْ ، وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي، يَفْقَهُوا قَولِي. يَا رَبِّ زِدْنِىْ عِلْماً. سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنَجِّيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ وَ الْآفَاتِ، وَ تَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ، وَ تُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ، وَ تَرْفَعُ لَنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلٰى الدَّرَجَاتِ، وَ تُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيَاةِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ، إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهِ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، رب تبارک وتعالیٰ قادر مطلق علی الاطلاق جو چاہتا ہے بلاریب اپنی کمالِ قدرت اور عظیم حکمت سے اپنے ارادہ کو وجود بخشتا ہے، اور اپنے امر کو عملی غلبہ عطا کرتا ہے، وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ۔ کائناتِ عالم کا ذرّہ ذرّہ اسی کے خلق وامر کی شہادت دے رہا ہے۔ اسی لیے ابتداء میں بھی وہ حمد کا مستحق ہے اور ہر عمل کے انتہا و آخر میں بھی اسی کی حمد ہے۔ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاَوَّلٰى وَ الآخِرَةِ۔ اسی کے چاہنے سے بندہ کا

عملی قدم اُٹھتا ہے اور وہی خیر و بھلائی کی طرف اپنے بندہ کو لے جاتا ہے، وَ مَا تَشَاءُ وْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ۔ ورنہ عاجز و ناتواں بندہ جس کا اپنے وجود میں کچھ بھی اپنا نہیں، سب کچھ تو انہی کا عطیہ ہے، کر کیا سکتا ہے۔ کرنا کرانا تو بہت دور ہے، سوچ اور تصوّر بھی خیر و بھلائی کا نہیں کرسکتا جب تک وہ ارحم الراحمین محض اپنے فضل وکرم سے رشد و ہدایت کی طرف طبیعت کو مائل نہ کرے۔ آخر خاتم الرسل ﷺ نے ہر نماز کے بعد حضرت انسؓ کو اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِی رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِی پڑھنے کی ہدایت کیوں فرمائی تھی۔ رشد و ہدایت کا الہام ہی بالآخر بندہ کو راشدین و صادقین کے مقام تک کشاں کشاں لے جاتا ہے۔ وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔ بلقیس کو کفر و شرک سے نکالنے کے لیے ہدہد کو ذریعہ بناتا ہے۔ گمراہی وضلالت سے نکال کر دارِ رحمت و مغفرت میں لانے کے لیے پرندہ کو یمن صنعاء بھیج دیتا ہے۔ سلیمان بن داوٗدؑ تَفَقُّدْ کرتے ہیں ہدہد پرندہ کا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فیصلہ کرتے ہیں بلقیس کی ہدات کا۔ سبحانہ! سبحانہ!! بندہ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب تک میرا مولیٰ نہ چاہے۔ پھر ایک ایسا عاجز و ناتواں اور بے بضاعت، جس کو نہ رنگ وڈھنگ، نہ سلیقہ وطریقہ، نہ علم وحلم، نہ ذوق وشوق، نہ فہم وفراست، نہ زبان وقلم، نہ کبھی یہ ذہن میں خیال وتصور آیا نہ کبھی سوچ سکتا تھا کہ حق جل مجدہ کے کلامِ قدسیہ (جس کو محدثین کی اصطلاح میں حدیثِ قدسی سے تعبیر کیا جاتا ہے) کے ترجمہ کی ہمت ہو سکے گی۔ جس کی کچھ تفصیل **حق جل مجدہ کی باتیں** میں آ گئی ہیں۔ جو فضلِ ذوالفضل العظیم سے چھپی اور پھر ایک ہزار کتاب بلا معاوضہ ہند و بیرونِ ہند علماء وفضلاء، مشائخ و مدارس میں تقسیم ہوئیں۔ بعض مساجد میں پوری کتاب کا علماء واہلِ دروس نے درس دیا۔

فجزاء ھم اللّٰہ خیراً و الحمد للّٰہ اولاً و آخراً.

جب کتاب چھپ کر اس عاجز کو ملی تو سب سے پہلے حضرت مولانا شمس الہدیٰ خاندان آبروئے نقشبند کو گھر پر ہدیہ میں پیش کی۔ بات چل پڑی کہ حق تعالیٰ شرف وقبولیت سے نوازے۔ حضرت دامت برکاتہم نے اخلاص کی نصیحت فرمائی اور تاکید کی کہ کام

اخلاص سے ہوتو بارگاہِ بے نیاز میں شرفِ قبولیت کا مقام حاصل کرتا ہے۔عاجز وآثم پر اس کا بہت ہی گہرا اثر ہوا،خوب استغفار اور برأتِ ریا وشرک کی ادعیہ ماثورہ کے ذریعہ حق جل مجدہ کے حضور میں التجاء وابتہال کے ساتھ توبہ واستغفار کرنے لگا،کیونکہ آئندہ اسی کتاب کے ترجمہ کا داعیہ وارادہ منجانب اللہ ہو چکا تھا۔اسی شش و پنج میں تھا کہ اگر اخلاص نہ ہوا تو وبالِ جان ہی بنے گا،تو پھر اس کام کو کروں یا نہ کروں۔اسی غم میں تھا کہ ایک روز خواب میں فضل رحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کو دیکھا جو کہ شاہ آفاقؒ کے خلیفہ تھے۔صبح کا وقت ہے،زمین پر ہریالی ہے اور غیر مرئی گھاس جو دنیا میں نہیں دیکھی اُگی ہوئی ہے،اور بارش نہیں بلکہ بارش نما پھوار ہے۔درخت بہت ہی بلند وخوبصورت ہیں۔رحمتوں نے پورے باغ کو سایہ کیا ہوا ہے۔حضرتؒ آگے آگے ہیں اور یہ عاجز وآثم حضرتؒ کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔حضرتؒ نے کچھ فرمایا جو یاد نہیں رہا۔صبح جب بیدار ہوا تو ارادہ میں پختگی تھی۔دل میں ایک گونہ سکون تھا۔ردوکد کی کیفیت ختم ہو چکی تھی اور تذبذب قرار واطمینان میں بدل چکا تھا کہ اب ترجمہ کا کام شروع کر دینا چاہیے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کے بھروسہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ کو کام شروع کر دیا۔حق جل مجدہ نے خوب مدد کی۔پہلی تو یہی کہ حضرت فضل رحمٰن علیہ الرحمہ کو سنا ہے حدیثِ رسول ﷺ سے خوب شغف تھا اور قرآن تو ان کی جان تھا۔خواب کی تعبیر عاجز وآثم نے یہ لی کہ اس خیال میں کہ اخلاص ہو نہ ہو کام کو چھوڑ دینا شیطانی وسوسہ ہے۔اوّل نیت درست کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے ہر لمحہ بہ لمحہ توفیق طلب کی جائے اور جو کام ہو جائے اس کے فضل پر منسوب کیا جائے۔

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہوئے ربّ العزت کی تحمید و تقدیس کا صمیمِ قلب سے حضورِ حق میں تحفہ پیش کرتا جائے۔ہر قدم پر ڈرتا جائے اور آگے کی طرف چلتا جائے۔اس طرح منزل کی طرف بڑھتا جائے۔اسی درمیان حضرت تھانویؒ کی تحریر نظر سے گذری ریاء

کے خوف سے کام وعمل کو نہ چھوڑنا چاہیے اوراللہ کی طرف متوجہ ہوکر عمل شروع کر دینا چاہیے۔ اس طرح کام شروع کر دیا جبکہ درمیان میں بڑی سخت آزمائش کی گھڑی آئی اور ذہنی طور پر مفلوج ہوگیا۔ ازحد انتشار کا حملہ ہوا۔ زندگی بجھ سی گئی۔ تصور و خیال میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس طرح کے غم و پریشانی میں بھی کبھی آ سکتا ہوں۔ احباب سوءِ تدبیر کو تقدیر کا نام دے کر اس عاجز و آثم کو آگ کی بھٹی میں جھونک سکتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے دست گیری فرمائی اور اس حادثۂ فاجعہ کو بھی ہلکا کرنے کا ذریعہ اسی کتاب کے ترجمہ کو بنایا۔ وقتی طور پر چونکہ میں بہت چھوٹے دل کا انسان ہوں گھبرا سا گیا۔ مگر تقدیر کو تو نہیں ٹال سکتا تو کیوں نہ راضی برضاءِ رب رہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر وحمد کرتا رہوں کہ اس نے جامع الاحادیث القدسیہ کا ترجمہ مکمل کر کے مداوا کر دیا اور علاجِ غم ہوگیا۔ دوگانہ ادا کیا اور بارگاہِ ربّ العزت میں عرض کیا: ربّا! موت سے قبل رذائل وخبائث سے دیدۂ باطن کو پاک و صاف کر کے نور ورشد وہدایت سے نواز کر رضاء کا مقام عطا فرمادے، آمین۔ خاتم المرسلین ﷺ نے دعا فرمائی ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ خَلِیْلٍ مَاکِرٍ عَیْنَاہُ یَرْعَانِی اِنْ رَأَی حَسَنَۃً دَفَنَھَا وَ اِنْ رَأَی سَیِّئَۃً اَذَاعَھَا ۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جس میں خوبیاں ہوں۔ عاجز تو علی الاعلان خامیوں کا مجموعہ ہے۔ بس حق جل مجدہ ستاری وغفاری کا معاملہ فرمائے، آمین۔ یہ کہاں سے درمیان میں بات آ گئی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک موقع پر فرمایا تھا مسلمانوں کا یہ شعار ہوگیا ہے کہ برائیاں عقاب کی آنکھ سے چنتا اور صبا کی رفتار سے پکڑتا ہے۔ کبھی کبھی نیکیوں پر بھی نگاہ کر لیا کرو۔ تمہاری فطرتیں اس سے خوبصورت ہوتی چلی جائیں گی۔ ابوالکلام آزاد نے فرمایا وہ الفاظ جن پر کھردراپن ہو، اور مقصود کسی کی اہانت یا تضحیک ہو ان سے طبیعت کی نفاست مجروح ہوتی ہے اور سماعت کا حسن مغموم ہوتا ہے۔ حق جل مجدہ موت سے قبل عیوب و نقائص کو محاسن سے اور ذنوب و سیئات کو حسنات سے مبدّل فرمائے، آمین۔ الغرض حق جل مجدہ نے محض اپنے فضل سے تین جلدوں کا ترجمہ مکمل کرا دیا۔ ذی علم علماء و راسخین عرفاء شیخ طریقت مرشدی حضرت

مولانا قمرالزماں دامت برکاتہم اور محبوب العلماء والصُّلَحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی اَطَـالَ اللّٰـهُ بَقَاءَ هُمَا کو دکھلایا۔ دونوں حضرات نے ترجمہ کو پسند فرمایا۔ ان حضرات نے ہمت دلائی اور پسند فرمایا تو مزید حوصلہ ہوا کہ کتابت و طباعت کا کام شروع کیا جائے۔

مخلص کرم فرما مولانا ثناء الہدیٰ، نائب ناظم امارتِ شرعیہ کو کتاب سپرد کیا کہ وہ پوری کتاب پر اگر نظر ثانی فرمادیں تو ترجمہ کی صحت کا یک گونہ بھروسہ ہو جائے گا۔ مولانا نے کتنا دیکھا یہ تو ان کی تحریر میں آپ پڑھیں گے تاہم انھوں نے پوری کتاب کی نظر ثانی کا کام مولانا سراج الہدیٰ ندوی ازہری، مدرّس دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد کو سپرد کردیا۔ موصوف نے نظر ثانی ہی نہیں بلکہ تصحیح و ترتیب پر کام کیا ہے اور عربی اعراب و پروف کا بہ نظر غائر کام کیا۔ کتابت کی ذمہ داری بھی نائب ناظم کے توسط سے طے ہوئی۔

اعترافِ تقصیر اور کچھ کتاب کے سلسلہ میں

اس سے قبل 'حق جل مجدہ کی باتیں'، کتاب الاتحافات السنیہ فی الاحادیث القدسیہ کا ترجمہ 'حق جل مجدہ کی باتیں' کے نام سے اللہ تعالیٰ نے طبع کرائی اور اب اس وقت جامع الاحادیث القدسیہ کا ترجمہ 'تجلیاتِ قدسیہ' آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ شروع میں صرف ترجمہ کا ہی قصد و ارادہ تھا، پھر اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے توفیق بخشی تو بعض احادیث کے فائدہ کی سعادت میسر ہوئی۔ اس راہ میں اس بے بضاعت کی حق تعالیٰ نے غیر معمولی مدد فرمائی۔ جن کتابوں کی احادیث ہیں ان کی شرح کہیں نہیں ملتی بلکہ اصل کتاب بھی حقیر کو دستیاب نہ ہوسکی۔ کبھی کبھی بہت مشکلات کا سامنا ہوا۔ جن لوگوں کی طرف رجوع کیا وہاں بھی عدیم الفرصتی کا عذر یا اعراض کے سوا کچھ طمانیت کا سامان نہ ملا۔ احادیث کے فوائد جو آپ کے سامنے موجود ہیں وہ عوامی و عمومی فائدہ کی غرض سے لکھے گئے ہیں اور محض فضلِ الٰہی ہے۔ وَ مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ کے قبیل سے ہے اور جہاں کہیں خامیاں و نقص نظر آئے وہ اس آثم کے عیوب و ذنوب کا عکس و نقص ہے۔

اس وقت جوتحریر آپ کے سامنے جامع الاحادیث القدسیہ کا ترجمہ 'تجلیاتِ قدسیہ' کی شکل میں موجود ہے، وہ تمام کی تمام کلامِ قدسی، یعنی حق سبحانہ وقدوس کے کلام کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کے مؤلف جناب عصام الدین الصبابطی مصری ہیں (اللہ تعالیٰ مؤلف اور مترجم دونوں کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے، آمین) کتاب تین جلدوں میں دارالحدیث قاہرہ سے طبع ہوئی ہے۔تین جلدوں میں کل احادیث کی تعداد ۱۱۵۰ ہے۔

جلد اوّل میں تین سوسینتالیس (۳۴۷) احادیثِ قدسیہ ہیں۔

جلد ثانی میں ۳۴۸ سے ۷۸۵ تک

جلد ثالث میں ۷۸۶ سے ۱۱۵۰ تک

اس وقت آپ کے سامنے ۲۳۱ /احادیثِ قدسیہ کا ترجمہ اور بہت ہی ضروری حاشیہ و فائدہ، 'تجلیات قدسیہ' کے نام سے موجود ہے۔ترجمہ میں آسان وسہل زبان استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔تاہم یہ دعویٰ تو بالکل ہی غلط اور چھوٹی منہ بڑی بات کے مترادف ہوگا کہ بہت ہی اچھا ترجمہ وتشریح ہے۔ایک ناتواں و بے بضاعت بندہ جو پیش کرسکتا تھا، وہ آپ کے سامنے ہے۔محض اس ارادے سے کہ خیر کا جوبھی قطرہ و بوند دامن میں سمیٹا جاسکتا تھا سمیٹ لیا جائے۔شاید یہی نجات ومغفرت کا وسیلہ و ذریعہ بن جائے۔ اور انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام شمار ہوجائے۔یا خریدارانِ یوسفؑ میں نام آجائے۔قبول کرنے والا، اپنے ایک عاجز و ناتواں، بے مایہ و بے بضاعت بندہ کوتوفیق دے کر بابِ رحمت پر لایا ہے، وہ خوب ہی ضمائر وسرائر کا واقف و باخبر ہے۔انہی کی توفیق اس عاجز کی طرف متوجہ ہوئی اور سعادت کا سایہ فگن ہوا تو سبوح وقدوس کے کلامِ قدسیہ کی خدمت کا شرف نصیب میں آیا۔اخوانِ یوسفؑ نے عرض کیا تھا عزیز مصر (یوسف علیہ السلام) سے:

جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا......الخ

یہ حقیر ربّ العٰلمین سے عرض کرتا ہے جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

تاہم یہ کام اگر کسی اہل علم کے قلم سے ہوتا تو زیادہ خوبیوں کا مجموعہ ہوتا۔ کتاب میں ہر طرح کی احادیث صحیح وضعیف بھی ہیں، جو عربی متن کے بعد نقل بھی کردی گئی ہیں۔ ہر حدیث کی تخریج بھی اصل کتاب میں کی گئی ہے۔ اُردو میں اس کو نقل کرنے کا التزام نہیں کیا گیا کہ عوام کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اہلِ علم اصل کتاب کی طرف رجوع کرلیں۔ اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ بعض روایات ضعیف ہیں مگر عوامی فائدہ کے تحت کچھ لکھا گیا ہے۔ فضائل کے باب میں تمام محدثین نے ضعیف روایتوں کو ذکر کیا ہے۔ اگر اعمال کا داعیہ و رسوخ اور استقامت علی الطاعات کسی کی نصیحت وترغیب سے پیدا ہو جائے تو یہ کوئی معیوب وقبیح نہیں، چہ جائیکہ ضعیف حدیث تو ہر حال میں عامۃ الناس کے اقوال ونصائح کے مقابلہ میں درجہ ورتبہ کے اعتبار سے ہزار درجہ فوقیت رکھتی ہیں۔ ہاں احکام وعقائد کے باب میں خوب ناپ تول کر روایتوں کا علماءِ راسخین نے التزام کیا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر تمام محدثین نے ضعیف سے ضعیف تر روایت کو بھی نہیں چھوڑا اور علم روایت ودرایت کے رسوخ کے باوجود اپنی اپنی کتابوں میں ضعیف روایت نقل کی ہے، اور اس سے امت میں کوئی بدعقیدگی یا برائی وخرابی کو پیدا نہیں کیا گیا بلکہ رجوع الی اللہ اور انابت واطاعت کا جذبہ و شوق جو اُمت میں تھا اس کو اور تیز سے تیز تر کیا گیا۔ عملی قوت کو اُبھارا گیا، قدم کو جمایا گیا۔ عجیب بات ہے کہ ایک گروہ و جماعت ان روایات پر اپنے صبح وشام، رات ودن کو لایعنی حرکتوں سے بچا کر فضائل کی احادیث کو سامنے رکھ کر، ولایت وصدیقت کے مقام پر پہنچ گئی اور دوسرے بحث وتکرار اور فضول ولایعنی حرکتوں میں مشغول ہو کر کمال ایمان کو کھو چکی۔ حقیر کہا کرتا ہے ضعیف حدیث پر عمل کرنے والے مضبوط وقوی ایمان والے بن گئے۔ اور صحیح و قوی روایت ڈھونڈنے اور جستجو میں رہنے والے ضعیف الایمان واعمال بن گئے۔

امام بخاریؒ کے متعلق بہت ہی مشہور ہے کہ اپنی جامع الصحیح میں روایت درج کرنے کے لیے غسل اور دو رکعت نفل کا اہتمام فرماتے تھے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی جامع میں جب بھی کوئی روایت درج کرتے تو طہارت جسمانی اور طہارت روحانی دونوں کا التزام

فرماتے۔ غسل سے طہارت جسمانی اور نماز نفل سے طہارت روحانی حاصل کرکے پھر بخاری میں روایت درج کرتے تھے، آج کچھ لوگوں کو زبان زد ہے کہ یہ روایت بخاری میں ہے؟ میں انہی سے پوچھتا ہوں کہ امام بخاری کا یہ عمل کہ ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے غسل و دو رکعت کا التزام، یہ ان کا التزام کس حکم میں ہے۔ کیا یہ التزام مالا یلزم نہیں؟ یا اس التزام کی کون سی حدیث انھوں نے بخاری میں نقل کی ہے۔ ہمارے نزدیک تو بہت ہی آسان جواب ہے کہ تقرب وتعبد بندہ جس قدر اختیار کرے کم ہے مگر جن کو ہر بات پر بخاری کی حدیث درکار رہے میں ان سے بہت ہی ادب واحترام کے ساتھ پوچھتا ہوں کہ امام بخاری کا یہ عمل کس حدیث صحیح کی بنیاد پر التزام مالا یلزم تھا؟ کیا ہمارے ان بھائیوں کے نزدیک امام بخاریؒ نے بدعت کیا یا کیا وہ بدعتی تھے؟ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ. لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ شیطان گمراہی کا راستہ بہت ہی خوبصورت بنا رہا ہے۔

میرا ذاتی مشاہدہ وتجربہ

ہمارے دعوت کے ساتھیوں نے میخانہ و جام و مینا سے، بازاری واوباش لوگوں پر قبر وحشر، موت وفکرِ آخرت کے احوال سنا کر مسجدوں کو آباد کیا۔ شرابی نے شراب سے توبہ کی، زانی نے بدکاری سے، جوا و قمار کے رسیلے مسجد میں صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوگئے۔ داڑھی سنت کے مطابق نورانی شکل وصورت، اشراق و اوابین، چاشت وتہجد کا پابند بنایا۔ اب دوسروں کو کھجلی ہوئی خارش ہوئی ان ساتھیوں کو کہا پتہ ہے کہ یہ سب روایت ضعیف ہے اور تم لوگ کس ضعیف روایت کے چکر میں پھنس گئے۔ ابلیس لعین کو موقع ملا۔ اب اعمال میں خلل آیا، داڑھی کٹی، نہ چاشت نہ اوابین نہ تہجد، پھر سنن مؤکدہ چھوٹی کہ بھائی فرض ہی پوری ہوجائے تو غنیمت۔ پھر نماز فرض چھوٹنے لگی اور پھر اب وہی جام و مینا۔ میں ذاتی طور پر ایسے لوگوں کو جانتا ہوں۔ گویا کہ دعوت کے ہمارے ساتھی باہر سے مسجد میں لاتے ہیں اور یہ لوگ مسجد سے میخانہ لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا محافظ ہے۔ یہ ساری بدینی

حدیث کے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کر کے ہو رہی ہے۔ شیطان بہت ہی عیار و مکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین!

اس کا یہ مطلب بالکل ہی نہیں کہ ضعیف ہی روایت کو عمل کا مدار بنایا جائے یا دارومدار ہمارا صرف ضعیف روایتوں پر ہی ہو، مقصد صرف یہ ہے کہ شدت ونفرت کو ختم کر کے محدثین کے اصول کو قبول کیا جائے کہ فضائل کے باب میں کسی ضعیف حدیث کی روشنی میں اگر کوئی عملی قدم اٹھا رہا ہو تو اس کو روکا نہ جائے، اور بس۔ ہاں آپ اگر عمل نہ کرنا چاہیں نہ کریں مگر دوسروں کے حق میں مناع للخیر نہ بنیں۔ راہ اعتدال پر رہیں اور شدت ونفرت سے دور رہیں۔ الغرض اس طرح حق جل مجدہ کے فضل وکرم سے جو ہوا وہ ہوا۔ عین ممکن ہے کہ اسلوب وتعبیرات، ترجمہ وترجمانی، حسن وخوبی، کمال و جمال، تفہیم و تسہیل میں وہ بات پیدا نہ ہو جو ہونی چاہیے۔ اس کو اس حقیر کا نقص سمجھا جائے اور اگر کہیں ترجمہ میں غلطی نظر آئے تو خلوص وللہیت کے جذبہ کے تحت مطلع کیا جائے۔

میں ان تمام احباب کا ممنون ومشکور ہوں جنھوں نے اس کارِ خیر میں کسی بھی طرح کا تعاون کیا۔ اور خاص کر مولانا سراج الہدیٰ ندوی ازہری کا جنھوں نے پوری کتاب کی نظر ثانی اور تصحیح میں حقیر کا تعاون کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولیٰ اس کتاب کی برکت سے سبھی لوگوں کی زندگیوں میں برکت ڈال دے اور کلام قدسی کے تقدس وطہارت سے دیدۂ باطن کو تزکیہ اور طہارت قلب نصیب فرمائے اور ہم کو دنیوی واخروی تمام راحت وعافیت عطا فرمائے اور سبوح وقدوس اپنی جناب میں اس کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے خلائق کے لیے نفع عام وتام بنائے اور اس حقیر کے لیے صدقہ جاریہ کے طور پر اپنی رضاء کے لیے قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

احادیثِ قدسیہ سے حقیر کی مناسبت کا سبب

آج سے تقریباً ۲۸ سال قبل کی بات ہے جبکہ عاجز وآثم عمان میں بغرض ملازمت مقیم تھا، ملاعلی قاری کی ایک کتاب اربعین احادیث قدسیہ ایک مکتبہ میں ملی۔ کتاب پڑھی، احادیث کا مطالعہ کیا، تو ایسا محسوس ہوا کہ آج پہلی بار ہم نے اپنے رب کو شعوری طور پر پایاہے اور وجدان میں حق جل مجدہ کی محبت کی کشش جاگ اٹھی ہے۔ پھر حق تعالیٰ کی بندوں سے محبت اور بندوں کا حق تعالیٰ سے ربط وتعلق اور محبتِ خالق کا عظیم سرمایہ جس سے بندگی کا لطف وسرور آتا ہے اور بندہ اپنے معبود حقیقی ومسجود حقیقی، مقصود حقیقی، مطلوب حقیقی سے محبت کر کے حقیقت ایمان وایقان کی شعوری ووجدانی کیفیت کو عبادات وطاعات میں حلاوت وشرحِ صدر کی کیفیات کے ساتھ ذوقی طور پر محسوس کرتا ہے یہ وہ مایہ وعطاء ربانی ہے جس کو الفاظ میں پرویا نہیں جاسکتا، ہاں ذوقی طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ خالق کی عبادت محبت کے ساتھ کرنے کا مزہ ولطف ہی اور ہے۔ حق جل مجدہ کے کلام قدسی کی حلاوت وطراوٹ، ذوق ومٹھاس ہمارے وہم وگمان سے بہت ہی وراء ثم وراء الوراء ہے۔ تاہم جب میرے جیسا سیہ کار وخطا کار پڑھتا ہے یَا عِبَادِیْ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ، یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُ . یَاعَبْدِیْ اُدْخُلْ عَلَی یَمِیْنِکَ الْجَنَّةَ وَ غَیْرَ ذَلِکَ۔ تو ایسا محسوس ہوتا ہے آج تک بحرظلمات میں تھا، اب کوئی میرا رب ہے جو شعور و وجدان اور دیدۂ باطن میں نورِ عرفان کی شمع روشن کررہا ہے۔ اور اپنی ذات رحیم وکریم سے قریب سے اقرب ترین کررہا ہے، اس سے پہلے الاتحافات السنیہ فی الاحادیث القدسیہ کا ترجمہ حق جل مجدہ کی باتیں کے نام سے طبع ہوئی، الحمدللہ علی ہذا۔ پھر الاحادیث القدسیہ کا ترجمہ وشرح 'نفحاتِ قدسیہ' کے نام سے زیرِ طبع ہے۔ الحمدللہ۔ اب اس وقت 'تجلیاتِ قدسیہ' ترجمہ وشرح عوامی آپ کے سامنے ہے۔ احادیث قدسیہ کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گم شدہ نورِ ہدایت، نورِ عرفان، نورِ حق کا خزانہ مل گیا۔ احادیثِ قدسیہ پڑھتے ہی حق جل مجدہ سے باتیں ہونے لگتی ہیں۔ ہر ہر کلام قدسی سے حضورِ حق کی

حضوری، حق آ گاہی کا لطف و سرور، عبد و معبود اور ربِ ودود و شکور، عفو و غفور کی رحمتِ عام و تام کا سایہ محسوس ہونے لگا تو الجامع الاحادیث القدسیہ کا ترجمہ 'تجلیاتِ قدسیہ' کے نام سے شروع کیا۔ اُردو داں عوام تک حق تعالیٰ کے پیغام کو عام کرنے کی ضرورت تھی، تاکہ حق جل مجدہ کے کلام قدسی سے ہر شخص اپنے باطن کو منور کرلے اور اس طرح حق تعالیٰ کا پیغامِ عرفان عام ہوجائے۔ یہی سبب بنا اس فضلِ حق کے ظہور کا۔ وَ مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ، وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّين مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ۔

حدیثِ قدسی محدثین کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ قدوس کے معنی پاکیزہ اور طاہر کے ہیں۔ اسی معنی میں ارضِ مقدسہ اور بیت المقدس بھی بولا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے يَا قَوْمِ اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ حق جل مجدہ کی ذات تمام عیوب سے پاک اور تمام نقائص سے مبرا اور منزہ ہے۔ اس لیے اس کے ناموں میں سے ایک نام قدوس بھی ہے اور احادیث کو قدس کی طرف منسوب کرنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اسی لیے احادیثِ قدسی کو احادیثِ الٰہی اور آثارِ الٰہی بھی کہا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ حدیثِ قدسی کو جب بیان فرماتے تھے تو کبھی بواسطہ جبرئیلؑ بیان فرماتے تھے، اور کبھی براہِ راست حق جل مجدہ سے روایت کرتے تھے، یعنی کبھی یوں فرماتے تھے کہ جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا، اور جبرئیلؑ سے حق جل مجدہ نے فرمایا اور کبھی یوں ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

حدیثِ قدسی کی تعریف

اس لیے حدیثِ قدسی کی تعریف یہ ہے کہ حدیثِ قدسی وہ حدیث ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو الہام یا خواب کے ذریعہ اطلاع دی ہو یا جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے اطلاع دی ہو اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی عبارت اور اپنے الفاظ میں بیان کیا ہو۔

حدیثِ قدسی محدثِ اعظم ملا علی قاریؒ کے نزدیک

حدیثِ قدسی وہ ہے جس کو راویوں کے سردار اور ثقہ لوگوں کے چراغ نبی کریم ﷺ حق تعالیٰ سے روایت کریں، کبھی بواسطہ جبرئیل اور کبھی بطریق الہام و وحی اور کبھی بذریعہ خواب۔ اوراس کے بیان کرنے میں آپ ﷺ مختار ہوں کہ جن الفاظ اور عبارت کے ساتھ چاہیں بیان کریں۔

حدیثِ قدسی اور قرآن مجید میں فرق

قرآنِ مجید اور حدیثِ قدسی میں بڑا فرق ہے۔

(۱) قرآنِ مجید و فرقانِ حمید کا نزول صرف جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے ہے جبکہ حدیثِ قدسی کا معاملہ ایسا نہیں۔

(۲) قرآنِ مجید لوحِ محفوظ کے الفاظ کے ساتھ مقید و متعین ہے جبکہ حدیثِ قدسی میں ایسا نہیں ہے۔

(۳) قرآنِ مجید ہر وقت ہر زمانے میں ہر طبقہ میں 'تواترِ طبقات' کے ساتھ منقول ہوتا رہا ہے جبکہ حدیثِ قدسی خبرآحاد ہے۔

(۵) قرآنِ مجید کو بغیر طہارتِ کاملہ کے ہاتھ لگانا درست نہیں جبکہ حدیثِ قدسی کا یہ حکم نہیں ہے۔ حدیثِ قدسی کو بغیر طہارتِ کاملہ کے ہاتھ لگانا اور پڑھنا جائز ہے۔

(۶) قرآنِ مجید کی ایک آیت کا انکار کفر کو لازم کردیتا ہے جبکہ حدیثِ قدسی کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

(۷) قرآن حکیم سورتوں اور آیتوں میں تقسیم ہے اوراس کے پڑھنے والے کو ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ ہر قسم کے تغیر و تبدل سے حق جل مجدہ نے حفاظت کا اعلان کیا ہے جبکہ حدیثِ قدسی کے لیے ایسا کوئی حکم ثابت نہیں ہے۔

حدیثِ قدسی اور حدیث میں فرق

حدیثِ قدسی اور حدیثِ نبوی میں ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ حدیثِ قدسی کی نسبت حق جل مجدہ کی جانب ہوتی ہے یعنی جس حدیث کی سند اللہ جل مجدہ پر ختم ہو وہ حدیثِ قدسی ہے۔

اور حدیثِ نبوی ﷺ وہ ہے جس کی سند جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو۔

حدیثِ قدسی کے شروع میں یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضور ﷺ حق جل مجدہ سے روایت کرتے ہیں۔ یا پھر براہِ راست کہا جاتا ہے کہ حق جل مجدہ ارشاد فرماتا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے روایت کیا ہے۔

احادیثِ قدسیہ کی تعریف میں متقدمین اور متاخرین کا فرق

احادیثِ قدسیہ ان احادیث کو کہا جاتا ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے حق تعالیٰ کی جانب منسوب کیا اور حق تعالیٰ سے روایت کیا ہو اس لیے متقدمین کے نزدیک احادیثِ قدسیہ کی تعداد کم ہیں جبکہ متاخرین نے اس میں وسعت سے کام لیا اور توسیع کی ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں حق تعالیٰ کا قول مذکور و منقول ہو اس کو بھی حدیثِ قدسی کہیں گے۔

قارئین سے التجا و دعا

ہمارے قارئین علماء، ادباء، خطباء، محققین، مفسرین و محدثین سبھی ہوں گے۔ اس عاجز و تہی دامن کو اعترافِ تقصیر ہے کہ حق تعالیٰ کے کلام کی ترجمانی کا حق ادا نہ ہوا۔ خوبصورت تعبیرات، حسین اسلوب، ترجمہ میں روانی و رعنائی پیدا نہ کر سکا۔ تاہم حسنِ نیت اور نفعِ عام کے سبب کوشش کی گئی ہے کہ آسان اور عام فہم زبان استعمال کی جائے تا کہ ہر شخص حق تعالیٰ کی بات کو آسانی سے سمجھ لے، دعویٔ علم تو مجھ جیسے کم مایہ کے لیے جہل ہی ہے۔ اپنے قارئین سے درخواست ہے کہ اگر کہیں ترجمہ و ترجمانی میں فاش غلطی ہوگئی ہو یا سہو و نسیان سے تقدیم و تاخیر ہوگئی ہو تو خلوصِ نیت کے ساتھ مطلع کر دیں۔ انشاء اللہ اس کی

تصحیح ہو جائے گی اور آئندہ اس کی تلافی بھی کر دے جائے گی۔

آخر میں ربِ سبوح وقدوس سے استغفار وندامت کے ساتھ قبولیت کی درخواست ہے۔ میرا رب جس نے عاجز وآثم کو توفیق بخشی اپنی جناب میں اپنے کلام قدسی کو قبول کرکے اس بندۂ عاجز وآثم کو مرحوم ومغفور بنا کر رحمتِ واسعہ کے سایہ میں لے لے۔ وَ هُوَ عَلٰی مَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ وَ اِنَّهُ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۔ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ، وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ ، سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا إِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ، وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا یَبْقَی مِنْ صَلَاتِکَ شَیْءٌ. اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا یَبْقَی مِنْ سَلَامِکَ شَیْءٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا یَبْقَی مِنْ بَرَکَاتِکَ شَیْءٌ.

خاکپائے اولیاءِ نقشبند

العبد محمد ثمین اشرف ابن الحاج محمد ابراہیم نقشبندیؒ

کان اللّٰه لهما و غفر والِدَیه

متوطن مادھوپور، سلطان پور

ضلع سیتامڑھی، بہار

حال مقیم دبئی

المرقوم: یوم الاحد،

قبل صلاۃ الظهر

فی مصلی الحبتور، دبی

۱۴۳۲/۸/۹ھ

۲۰۱۱/۸/۸ء

كِتَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے اہلِ ذِکر کو ڈھونڈتے ہیں

باب: إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُوْنَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ أَهْلَ الذِّكْرِ...

(٣٤٨) عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

''إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُوْنَ فِی الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ أَهْلَ الذِّكْرِ فَإِذَا وَجَدُوْا قَوْماً يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا: هَلِمُّوْا إِلَى حَاجَتِكُمْ. قَالَ: فَيَحُفُّوْنَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَ هُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ: مَا يَقُوْلُ عِبَادِیْ؟ قَالُوْا: يَقُوْلُوْنَ: يُسَبِّحُوْنَكَ وَ يُكَبِّرُوْنَكَ وَ يَحْمَدُوْنَكَ وَ يُمَجِّدُوْنَكَ. قَالَ: فَيَقُوْلُ: هَلْ رَأَوْنِیْ؟ قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ: لَا وَاللّٰهِ مَا رَأَوْكَ. قَالَ: فَيَقُوْلُ وَ كَيْفَ لَوْ رَأَوْنِیْ؟ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوْا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَ أَشَدَّ لَكَ تَمْجِيْداً وَ أَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيْحًا. قَالَ: يَقُوْلُ: فَمَا يَسْأَلُوْنِیْ؟ قَالَ: يَسْأَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ. قَالَ: يَقُوْلُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: لَا وَ اللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا. قَالَ: يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوْا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَ أَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَ أَعْظَمَ فِيْهَا رَغْبَةً. قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُوْنَ؟ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: مِنَ النَّارِ. قَالَ: يَقُوْلُ: وَ هَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: لَا وَ اللّٰهِ مَا رَأَوْهَا. قَالَ: يَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوْا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَ أَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً، قَالَ: فَيَقُوْلُ: فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ. قَالَ: يَقُوْلُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ: فِيْهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ. قَالَ: هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ.'' [صحيح] (أخرجه البخاری ج٨ ص١٠٧)

ذاکرین کے بارے میں اللہ کا فرشتوں سے سوال

(۳۴۸) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ حق جل مجدہ کے کچھ فرشتے زمین میں اہل ذکر کی جستجو میں گشت کرتے رہتے ہیں۔ جب کسی جماعت کو ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو آواز دے کر دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں: آجاؤ، آجاؤ، تمہاری حاجت ومقصد یہاں پوری ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرشتے اِن ذاکرین کو اپنے بازوؤں سے ڈھانپ لیتے ہیں، آسمانِ دنیا تک۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں پھر بھی سوال کرتے ہیں: میرے بندے کیا کررہے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ آپ کی تسبیح اور کبریائی بیان کررہے ہیں اور آپ کی تحمید وتقدیس میں مصروف ہیں۔ حق جل مجدہ فرشتوں سے پوچھتے ہیں: کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں دیکھا، تیرے جاہ وجلال کی قسم! حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر وہ دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کا شوقِ عبادت اور بڑھ جاتا اور آپ کی تسبیح و تقدیس میں اور زیادہ منہمک ہوجاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حق جل مجدہ فرماتے ہیں: وہ کیا مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ جنت کا سوال کررہے تھے۔ حق جل مجدہ فرماتے ہیں: کیا انھوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: تیری قسم نہیں دیکھی۔ حق جل مجدہ فرماتے ہیں: اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ربّ العزت! اگر دیکھ لیتے تو ان میں جنت کی طلب وجستجو کی حرص اور بڑھ جاتی اور ان کا دل ہر وقت جنت کا مشتاق بنا رہتا۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہوتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتے عرض کرتے ہیں: جہنم سے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انھوں نے جہنم دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ربّ العزت نہیں دیکھا۔ ارشاد ہوتا ہے: اگر دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر دیکھ لیتے تو جہنم کے کام سے بہت بھاگتے اور بہت زیادہ ڈرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق

تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: فرشتو! میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان سب کی مغفرت کردی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ ان میں ایک شخص ذاکرین میں سے نہیں؛ بلکہ وہ محض اپنی حاجت کے لیے آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے: یہ ایسی مقدس باعثِ مغفرت جماعت ہے کہ ان کا ہم نشین بھی محروم نہ رہے گا۔ (بخاری ۸/ ۱۰۷)

مجالسِ ذاکرین کی فضیلت

(۳۴۹) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ أَوْعَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ ﷺ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ”إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِکَةً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ فَضْلًا عَنْ کُتَّابِ النَّاسِ، فَإِذَا وَجَدُوْا أَقْوَاماً یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا: هَلِمُّوْا إِلَی بُغْیَتِکُمْ، فَیَجِیْئُوْنَ فَیَحُفُّوْنَهُمْ إِلَی سَمَاءِ الدُّنْیَا، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ : عَلٰی أَیِّ شَیْیءٍ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ یَصْنَعُوْنَ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: تَرَکْنَاهُمْ یَحْمِدُوْنَکَ وَ یُمَجِّدُوْنَکَ وَ یَذْکُرُوْنَکَ.

”قَالَ : فَیَقُوْلُ : فَهَلْ رَأَوْنِیْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: لَا. قَالَ: فَیَقُوْلُ: فَکَیْفَ لَوْ رَأَوْنِیْ؟ قَالَ: فَیَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْکَ لَکَانُوْا أَشَدَّ تَحْمِیْدًا وَ أَشَدَّ تَمْجِیْدًا وَ أَشَدَّ لَکَ ذِکْرًا. قَالَ: فَیَقُوْلُ: وَ أَیُّ شَیْیءٍ یَطْلُبُوْنَ؟ قَالَ: فَیَقُوْلُوْنَ : یَطْلُبُوْنَ الْجَنَّةَ . قَالَ: فَیَقُوْلُ: وَ هَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: فَیَقُوْلُوْنَ: لَا . فَیَقُوْلُ: فَکَیْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: فَیَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْهَا کَانُوْا لَهَا أَشَدَّ طَلَبًا وَ أَشَدَّ عَلَیْهَا حِرْصًا. قَالَ: فَیَقُوْلُ: مِنْ أَیِّ شَیْیءٍ یَتَعَوَّذُوْنَ؟ قَالُوْا: یَتَعَوَّذُوْنَ مِنَ النَّارِ. قَالَ: فَیَقُوْلُ: وَ هَلْ رَأَوْهَا؟ فَیَقُوْلُوْنَ: لَا . فَیَقُوْلُ: فَکَیْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ فَیَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْهَا کَانُوْا مِنْهَا أَشَدَّ هَرْبًا وَ أَشَدَّ مِنْهَا خَوْفًا وَ أَشَدَّ مِنْهَا تَعَوُّذًا. قَالَ : فَیَقُوْلُ فَإِنِّیْ أُشْهِدُکُمْ أَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، فَیَقُوْلُوْنَ: إِنَّ فِیْهِمْ فَلَانًا الْخَطَّاءَ لَمْ یُرِدْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَ هُمْ لِحَاجَةٍ. فَیَقُوْلُ: هُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقَی لَهُمْ جَلِیْسٌ.“

[صحیح] (أخرجه الترمذی ج٥ / ٣٦٠٠)

(۳۴۹) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان دونوں نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: حق جل مجدہ کے کچھ فرشتے زمین میں گشت کرتے ہیں، جو نامہ اعمال کے لکھنے والے فرشتے کے علاوہ ہیں، (راستوں میں گھومتے ہیں ذاکرین کی تلاش وجستجو میں) جب کسی قوم کو اللہ پاک کے ذکر میں پاتے ہیں تو آواز لگاتے ہیں، ان فرشتوں کو جو ذکر کرنے والوں کی تلاش میں ہوتے ہیں، آؤ آؤ تمہارا مقصود و مطلوب یہاں ہے، وہ تمام فرشتے ذاکرین کو اپنے بازوؤں سے ڈھانپ لیتے ہیں، آسمانِ دنیا تک (یعنی نورانی فرشتے آپس میں آسمان تک ان ذاکرین کو ڈھانپ لیتے ہیں؛ کیونکہ ذِکر کی نورانیت آسمان تک جاتی ہے اور فرشتوں کی غذا یہ انوار، ذکر ہی تو ہیں۔) ان فرشتوں سے حق جل مجدہ تمام باتوں کو جاننے کے باوجود معلوم کرتے ہیں، میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں، ربّ العالمین! آپ کی تسبیح وتکبیر، تحمید وتمجید گا رہے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: کیا انھوں نے مجھ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: تیری ذات کی قسم! نہیں دیکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر دیکھ لیتے تو اور بھی عبادت واطاعت میں مصروف ہوجاتے اور بھی محوِ تمجید وتکبیر ہوجاتے (یعنی بہت ہی زیادہ عبادت وتسبیح وتحمید، تکبیر وتمجید اور شانِ عبودیت کا حق ادا کرنے میں مشغول ہوجاتے۔) ارشاد ہوتا ہے: وہ مجھ سے کیا سوال کرتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: جنت مانگ رہے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: کیا انھوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ربّ العالمین تیری قسم! جنت تو نہیں دیکھی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو؟ ربّ العزت! اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو بہت ہی زیادہ جنت کی تمنا وحرص کرتے اور ہمہ وقت اس کی طلب میں منہمک ہوجاتے اور اس کی رغبت بہت زیادہ بڑھ جاتی۔ ارشاد ہوتا ہے: وہ کن چیزوں سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نارِ دوزخ سے۔ ارشاد ہوتا ہے: کیا انھوں نے نارِ دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ربّ العالمین تیری قسم! انھوں نے نارِ دوزخ کو نہیں دیکھا۔ ارشاد ہوتا ہے: اگر دیکھ لیتے تو؟ فرشتے عرض کرتے

ہیں: اگر دیکھ لیتے تو نارِ جہنم سے بچنے کے لیے بہت ہی زیادہ کوشش کرتے اور نارِ جہنم سے اس قدر ڈرتے کہ بستروں پر نیند حرام کردیتے۔ ارشاد ہوتا ہے: میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان تمام ذاکرین کے مجمع کی مغفرت کردی۔ تو وہ کہتے ہیں: یارب! اس میں ایک بندہ ایسا بھی ہے جس کا مقصد ذکر نہیں تھا، وہ اپنی ضرورت سے آیا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے: یہ ایسی قوم و جماعت ہے کہ جس کے ساتھ بیٹھنے والا بھی رحمتِ الٰہی سے محروم نہیں رہ سکتا۔

فرشتوں کی تلاش و جستجو

(۳۵۰) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ:

" إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی مَلَائِکَةً سَیَّارَةً فُضُلًا یَبْتَغُوْنَ مَجَالِسَ الذِّکْرِ، فَإِذَا وَجَدُوْا مَجْلِسًا فِیْهِ ذِکْرٌ قَعَدُوْا مَعَهُمْ وَ حَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِأَجْنِحَتِهِمْ حَتّٰی یَمْلَأُوْا مَا بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ السَّمَاءِ الدُّنْیَا، فَإِذَا تَفَرَّقُوْا عَرَجُوْا وَ صَعِدُوْا إِلَی السَّمَاءِ. قَالَ: فَیَسْأَلُهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ – وَ هُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ –: مِنْ أَیْنَ جِئْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادٍ لَکَ فِی الْأَرْضِ. یُسَبِّحُوْنَکَ وَ یُکَبِّرُوْنَکَ وَ یُهَلِّلُوْنَکَ وَ یَحْمِدُوْنَکَ وَ یَسْأَلُوْنَکَ. قَالَ: وَ مَاذَا یَسْأَلُوْنِیْ؟ قَالُوْا: یَسْأَلُوْنَکَ جَنَّتَکَ. قَالَ: وَ هَلْ رَأَوْا جَنَّتِیْ؟ قَالُوْا: لَا. أَیْ رَبِّ! قَالَ: فَکَیْفَ لَوْ رَأَوْا جَنَّتِیْ؟ قَالُوْا: وَ یَسْتَجِیْرُوْنَکَ. قَالَ: وَ مِمَّ یَسْتَجِیْرُوْنَنِیْ؟ قَالُوْا: مِنْ نَارِکَ یَا رَبِّ! قَالَ: وَ هَلْ رَأَوْا نَارِیْ؟ قَالُوْا: لَا. قَالَ: فَکَیْفَ لَوْ رَأَوْا نَارِیْ؟ قَالُوْا: وَ یَسْتَغْفِرُوْنَکَ. قَالَ: فَیَقُوْلُ: قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَأَعْطَیْتُهُمْ مَا سَأَلُوْا وَ أَجَرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوْا. قَالَ: فَیَقُوْلُوْنَ: رَبِّ فِیْهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ. إِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ. قَالَ: فَیَقُوْلُ: وَ لَهُ غَفَرْتُ. هُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقٰی بِهِمْ جَلِیْسُهُمْ."

[صحيح] (أخرجه مسلم ج٤ ص٢٠٦٩)

(۳۵۰) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: حق تعالیٰ کے کچھ فرشتے متعین ہیں، جن کا کام ذکر کی مجلس کو تلاش کرنا ہے، جب وہ

ایسی مجلس پا جاتے ہیں جہاں ذکر کا حلقہ لگا ہو تو وہاں بیٹھ جاتے ہیں اور فرشتے تمام ذکر کرنے والوں کو اپنے بازوؤں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر نیچے بازوؤں کو رکھ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ آسمانِ دنیا تک یہ سماں ہوتا ہے، جب وہ لوگ بارگاہِ ربّ العزت میں حاضر ہوتے ہیں، تو حق جل مجدہ ان سے سوال کرتے ہیں؛ حالانکہ وہ سب کچھ جانتے ہیں-تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہم لوگ آپ کے بندے جو زمین میں آباد ہیں ان کے پاس سے آئے ہیں، جو آپ کی تسبیح و تکبیر اور تہلیل و تحمید میں مشغول تھے۔ اور آپ سے سوال کرتے ہیں۔ حق جل مجدہ پوچھتے ہیں: وہ کیا سوال کر رہے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: جنت کا۔ حق جل مجدہ پوچھتے ہیں: کیا انھوں نے میری جنت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں دیکھی۔ حق جل مجدہ پوچھتے ہیں: ان کا کیا حال ہوتا اگر وہ جنت دیکھ لیں؟ (یعنی بغیر دیکھے ہوئے اس قدر طلب وشوق ہے، اگر دیکھ لیتے تو پھر یہ شوق وطلب کس قدر بڑھ جاتا)۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ربّ العزت! وہ آپ کی سزا، عذاب وعقاب سے پناہ چاہ رہے تھے۔ حق جل مجدہ پوچھتے ہیں: وہ اور کس چیز سے پناہ چاہ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ربّ العزت! نارِ جہنم سے پناہ چاہ رہے تھے۔ حق جل مجدہ پوچھتے ہیں: کیا انھوں نے آتش جہنم دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں دیکھی۔ حق جل مجدہ پوچھتے ہیں: اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ربّ العزت! وہ آپ سے مغفرت ومعافی مانگ رہے تھے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہوتا ہے: میں نے ان کو معاف بھی کر دیا اور وہ جو کچھ مانگ رہے ہیں انھیں عطا بھی کر دیا۔ اور جس چیز سے پناہ چاہ رہے ہیں اس سے پناہ بھی دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرشتے عرض کرتے ہیں ربّ العالمین! اس جماعت میں فلاں شخص بڑا ہی خطا کار و گنہگار ہے، وہ ان لوگوں کے پاس سے گزر رہا تھا تو ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ارشادِ ربّ العزت ہوتا ہے: میں نے اس کی بھی مغفرت کر دی، یہ وہ جماعتِ خیر وبرکت ہے کہ ان کا ہم نشین بھی رحمتِ عام سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

ان کا ہم نشین بھی محروم نہیں رہ سکتا

(۳۵۱) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم :

”إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّارَةً فُضُلاً يَلْتَمِسُوْنَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ ، فَإِذَا أَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ جَلَسُوْا فَأَظَلُّوْهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ مَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَإِذَا قَامُوْا عَرَجُوْا إِلَى رَبِّهِمْ، فَيَقُوْلُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى – وَ هُوَ أَعْلَمُ – مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادٍ لَكَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَ يُمَجِّدُوْنَكَ وَ يَحْمَدُوْنَكَ وَ يُهَلِّلُوْنَكَ وَ يُكَبِّرُوْنَكَ وَ يَسْتَجِيْرُوْنَكَ مِنْ عَذَابِكَ وَ يَسْأَلُوْنَكَ جَنَّتَكَ فَيَقُوْلُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى: وَ هَلْ رَأَوْا جَنَّتِيْ وَ نَارِيْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا. فَيَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهُمَا؟ قَالَ: فَيَقُوْلُ: أُشْهِدُكُمْ فَقَدْ أُجِرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوْا وَ أَعْطَيْتُهُمْ مَا سَأَلُوْا. فَيُقَالُ: إِنَّ فِيْهِمْ رَجُلاً مَرَّ بِهِمْ فَقَعَدَ مَعَهُمْ فَيَقُوْلُ: وَ لَهُ قَدْ غَفَرْتُ إِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ.“

[صحيح] (أخرجه الطيالسي في مسنده/٢٤٣٤)

(۳۵۱) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حق جل مجدہ کے کچھ فرشتے گشت کرتے رہتے ہیں ذکر کی مجلس کے تلاش میں، جب کسی قوم کے پاس آتے ہیں جو ذکر میں مشغول ہوتی ہے، تو اس جماعت کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور ان ذاکرین پر اپنے بازوؤں سے سایہ کرلیتے ہیں یعنی بازوؤں سے ڈھانپ لیتے ہیں، آسمانِ دنیا تک۔ جب ذاکرین ذِکر سے اُٹھ جاتے ہیں، تو فرشتے ربّ العزت کے پاس چلے جاتے ہیں۔

تو حق جل مجدہ سب کچھ جاننے کے باوجود فرشتوں سے پوچھتا ہے: تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہم آپ کے ایسے بندوں کے پاس سے آرہے ہیں، جو آپ کی تسبیح، تمجید، تحمید، تہلیل، تکبیر میں مشغول تھے اور آپ کے عقاب وعذاب سے پناہ چاہ رہے تھے اور جنت کا سوال کررہے تھے۔ حق جل مجدہ فرماتا ہے: کیا انھوں نے میری

جنت وجہنم دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں دیکھی۔ حق جل مجدہ فرماتا ہے: اگر دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ فرماتا ہے فرشتو تم گواہ رہو میں نے ان کو جس چیز سے پناہ چاہتے تھے، نجات دے دی، (یعنی نارِ جہنم سے) اور جس چیز کی طلب وتمنّا رکھتے تھے، عطا کردی۔ (یعنی جنت دے دی) فرشتے عرض کرتے ہیں: اس میں ایک شخص وہاں سے گزر رہا تھا، تو بیٹھ گیا (یعنی جس کا مقصد ذکر نہ تھا) حق تعالیٰ فرماتا ہے: ان کی بھی مغفرت ہوگئی یہ ایسے مبارک لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بھی رحمت وجنت سے محروم نہیں رہ سکتا۔ (اخرجہ الطیالسی فی مسندہ صفحہ ۲۴۳۴)

نیک لوگوں پر نازل ہونے والی رحمت سے گنہگار بھی محروم نہیں رہتا

(۳۵۲) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:

"إِنَّ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مَلَائِكَةً فُضُلًا يَتَّبِعُوْنَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ يَجْتَمِعُوْنَ عِنْدَ الذِّكْرِ، فَإِذَا مَرُّوْا بِمَجْلِسٍ عَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ حَتّٰى يَبْلُغُوا الْعَرْشَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ - وَ هُوَ أَعْلَمُ - : مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: مِنْ عِنْدِ عُبَيْدٍ لَكَ يَسْأَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ وَ يَتَعَوَّذُوْنَ بِكَ مِنَ النَّارِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَكَ. فَيَقُوْلُ: يَسْأَلُوْنِي جَنَّتِيْ هَلْ رَأَوْهَا؟ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟. وَ يَتَعَوَّذُوْنَ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ فَإِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ. فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا إِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ الْخَطَّاءَ فَلَانًا مَرَّ بِهِمْ لِحَاجَةٍ لَهُ فَجَلَسَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أُولٰئِكَ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ." [صحيح] (أخرجه أحمد ج ١٦/٨٦٨٩)

(۳۵۲) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حق جل مجدہ کچھ فرشتوں کو ذکر کی مجلسوں کی تلاش میں چھوڑے ہوئے ہیں، جب کسی ذکر کی مجلس کے پاس سے گزرتے ہیں تو ذاکرین کے پاس جمع ہوجاتے ہیں، بعض بعض پر اس طرح بیٹھتے ہیں کہ آسمان تک ذاکر کو ڈھانپ لیتے ہیں، اور عرشِ اعظم تک یہ سلسلہ قائم ہوجاتا ہے۔ حق جل مجدہ سوال کرتے ہیں جبکہ حق سبحانہ فرشتوں سے

زیادہ ان مجالس کو جانتے ہیں، تم کہاں سے آرہے ہو؟ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں: آپ کے کچھ بندوں کے پاس سے جو جنت کا سوال کر رہے تھے اور جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے، اور آپ سے مغفرت مانگ رہے تھے، ارشاد ہوتا ہے: وہ مجھ سے جنت مانگ رہے تھے، ان کا کیا حال ہوگا جب جنت دیکھ لیں گے اور جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے، ان کا کیا حال ہو جب دیکھ لیں گے؟ دیکھو! میں نے ان کی مغفرت کردی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہمارے رب! ان میں ایک شخص بڑا گنہگار ہے جو محض اپنی ذاتی ضرورت وحاجت کے لیے آیا ہے اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: یہ ایسے ہم نشین ہیں جن میں کا ایک بھی محروم نہیں کیا جاسکتا۔

جنت کا سوال

(۳۵۳) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:

”إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّارَةً وَ فُضُلًا يَلْتَمِسُوْنَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ فِي الْأَرْضِ، فَإِذَا أَتَوْا عَلَى مَجْلِسِ ذِكْرٍ حَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى: مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ؟ — وَ هُوَ أَعْلَمُ — فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادِكَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَ يُكَبِّرُوْنَكَ وَ يَحْمَدُوْنَكَ وَ يُهَلِّلُوْنَكَ وَ يَسْأَلُوْنَكَ وَ يَسْتَجِيْرُوْنَكَ فَيَقُوْلُ: مَا يَسْأَلُوْنَنِيْ ؟ — وَ هُوَ أَعْلَمُ — فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا يَسْأَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ. فَيَقُوْلُ: وَ هَلْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا يَا رَبِّ. فَيَقُوْلُ: كَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُوْلُ: وَ مِمَّ يَسْتَجِيْرُوْنَنِيْ ؟ — وَ هُوَ أَعْلَمُ — فَيَقُوْلُوْنَ: مِنَ النَّارِ. فَيَقُوْلُ: هَلْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا . فَيَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ ثُمَّ يَقُوْلُ: اِشْهَدُوْا أَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ. وَ أَعْطَيْتُهُمْ مَا سَأَلُوْنِيْ وَ أَجَرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوْنِيْ. فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا إِنَّ فِيْهِمْ عَبْدًا خَطَّاءً جَلَسَ إِلَيْهِمْ وَ لَيْسَ مَعَهُمْ. فَيَقُوْلُ: وَ هُوَ أَيْضًا قَدْ غَفَرْتُ لَهُ، هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ . [صحيح] (أخرجه الحاكم فى المستدرك ج ١ ص٤٩٥)

(۳۵۳) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
حق جل مجدہ کے کچھ فرشتے گشت کرتے رہتے ہیں، زمین میں ذکر کی مجلس کی تلاش میں۔ جب ذکر کی مجلس میں آتے ہیں تو بعض بعض کو یعنی ایک کے اوپر ایک کو اپنی رحمت کے بازوؤں سے ڈھانپ لیتے ہیں آسمانِ دنیا تک۔ حق جل مجدہ ان سے پوچھتا ہے: تم کہاں سے آرہے ہو؟ جبکہ حق تعالیٰ کو سب سے زیادہ معلوم ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہمارے رب ہم لوگ آپ کے ایسے بندوں کے پاس سے آرہے ہیں جو آپ کی تسبیح، تکبیر، تحمید، تہلیل میں مشغول تھے۔ وہ آپ سے کچھ سوال کررہے تھے اور کچھ چیزوں سے پناہ مانگ رہے تھے۔ حق جل مجدہ فرماتا ہے: وہ کیا مانگ رہے تھے، جبکہ حق جل مجدہ کو خوب معلوم ہے وہ کیا مانگ رہے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ جنت کا سوال کررہے تھے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا انھوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں یارب! حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اچھا اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ حق جل مجدہ فرماتا ہے: اچھا وہ کس چیز سے پناہ چاہ رہے تھے؟ جبکہ حق تعالیٰ کو خوب معلوم ہے، فرشتے عرض کرتے ہیں: دوزخ سے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا انھوں نے دوزخ دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں دیکھی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اچھا اگر جہنم دیکھ لیتے تو کیا بنتا؟ پھر حق جل مجدہ فرماتے ہیں: تم سب گواہ رہو میں نے ان سب کی مغفرت کردی اور جس چیز کا سوال کررہے تھے عطا کردیا اور جس چیز سے پناہ چاہ رہے تھے پناہ دے دی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ربّ العزت! اس میں ایک بندہ بڑا گنہگار ہے جو ذاکر نہیں ہے؛ بلکہ محض ان کے ساتھ بیٹھ گیا ہے۔ حق جل مجدہ فرماتے ہیں: اس کی بھی مغفرت ہوگئ؛ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بھی رحمتِ واسعہ سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

(صحیح ۔اخرجه الحاكم جلد١ /ص٤٩٥)

جہنم سے نجات

(٣٥٤) وَلِابْنِ شَاهِيْنَ فِي التَّرْغِيْبِ فِي الذِّكْرِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ:

"إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً فُضُلًا يَبْتَغُوْنَ الذِّكْرَ يَجْتَمِعُوْنَ عِنْدَ الذِّكْرِ فَإِذَا مَرُّوْا بِمَجْلِسٍ عَلَا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ حَتّٰى يَبْلُغُوا الْعَرْشَ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُمْ - وَ هُوَ أَعْلَمُ - مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: مِنْ عِنْدِ عَبِيْدٍ لَكَ يَسْأَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ، وَ يَتَعَوَّذُوْنَ بِكَ مِنَ النَّارِ، وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ. فَيَقُوْلُ: يَسْأَلُوْنِيْ جَنَّتِيْ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ وَ يَتَعَوَّذُوْنَ مِنْ نَارِيْ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ فَإِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا إِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ الْخَطَّاءَ فَلَانًا مَرَّ بِهِمْ لِحَاجَةٍ فَجَلَسَ إِلَيْهِمْ . قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: أُولٰئِكَ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ."

[حسن] (كما في كنز العمال ج ١/١٨٧٨، والإتحافات ٥٠٣)

(۳۵۴) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق تعالیٰ کچھ فرشتوں کو ذکر کی مجلسوں کی تلاش میں چھوڑے ہوئے ہیں، جب کسی ذکر کی مجلس کے پاس سے گزرتے ہیں تو ذاکرین کے پاس جمع ہوجاتے ہیں، بعض بعض پر اس طرح بیٹھتے ہیں کہ آسمان تک ذاکرین کو ڈھانپ لیتے ہیں اور عرشِ اعظم تک یہ سلسلہ قائم ہوجاتا ہے۔ حق جل مجدہ سوال کرتے ہیں؛ جبکہ حق سبحانہ وتعالیٰ فرشتوں سے زیادہ ان مجالس کو جانتا ہے، تم کہاں سے آرہے ہو؟ عرض کرتے ہیں: آپ کے کچھ بندوں کے پاس سے جو جنت کا سوال کررہے تھے اور جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے اور آپ سے مغفرت مانگ رہے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: وہ مجھ سے جنت مانگ رہے تھے، ان کا کیا حال ہوگا جب جنت دیکھ لیں گے اور جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے، ان کا کیا حال ہوگا جب جہنم دیکھ لیں گے؟ دیکھو! میں نے ان کی مغفرت کردی، فرشتے عرض کرتے ہیں: ہمارے رب! ان میں ایک شخص بڑا گنہگار ہے، جو محض اپنی ذاتی ضرورت وحاجت کے لیے آیا ہے اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: یہ ایسے ہم نشین ہیں جن کا کوئی ہم نشین وہم مجلس محروم نہیں کیا جاسکتا۔

بندوں کی دعاؤں پر ملائکہ کی آمین

(۳۵۵) وَ لِابْنِ النَّجَّارِ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ:

"إِنَّ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ سَیَّارَةً مِنَ الْمَلَائِكَةِ یَبْتَغُوْنَ حِلَقَ الذِّكْرِ، فَإِذَا مَرُّوْا بِحَلْقِ الذِّكْرِ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اِقْعُدُوْا فَإِذَا دَعَا الْقَوْمُ أَمَّنُوْا عَلَی دُعَائِهِمْ فَإِذَا صَلُّوا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ صَلُّوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَفْرَغُوْا ثُمَّ یَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: طُوْبٰی لَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ إِلَّا مَغْفُوْرًا لَهُمْ."

[ضعیف] (کما فی کنز العمال ج ۱/۱۸۷٦)

(۳۵۵) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ کی جانب سے فرشتوں کی ایک جماعت گشت کرتی ہے ذکر کی مجلس کی تلاش وجستجو میں۔ جب کسی ذکر کے حلقے سے گزر ہوتا ہے تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ جب وہ لوگ دعا مانگتے ہیں یہ فرشتے ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں اور جب رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں تو یہ فرشتے بھی درود پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ یہ لوگ ذکر، دعا، درود سے فارغ ہوجائیں۔ تو یہ فرشتے ایک دوسرے کو کہتے ہیں: بڑی خوش نصیبی وخوش بختی، کامیابی وکامرانی ہے ان لوگوں کے لیے، یہ سب کے سب مغفور واپس ہوں گے (ان سب کی واپسی بحالتِ مغفرت ہوگی)۔ (کنز العمال ۱/۱۸۷٦)

میرے بندوں کو رحمت میں چھپالو

(۳۵٦) لِلْبَزَّارِ مِنْ طَرِیْقِ زَائِدَه بْنِ أَبِی الرَّقَادِ عَنْ زِیَادَ النَّمِیْرِی عَنْهُ: عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ:

"إِنَّ لِلّٰهِ سَیَّارَةً مِنَ الْمَلَائِكَةِ یَطْلُبُوْنَ حِلَقَ الذِّكْرِ، فَإِذَا حَفُّوْا عَلَیْهِمْ وَ أَتَوا بِهِمْ ثُمَّ بَعَثُوْا رَائِدَهُمْ إِلَی السَّمَاءِ إِلَی رَبِّ الْعِزَّةِ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی. فَیَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا أَتَیْنَا عَلٰی عِبَادٍ مِنْ عِبَادِکَ یُعَظِّمُوْنَ آلَائَکَ وَ یَتْلُوْنَ کِتَابَکَ وَ یُصَلُّوْنَ عَلٰی نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ یَسْأَلُوْنَکَ

لِآخِرَتِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ. فَيَقُوْلُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى غَشُّوْهُمْ رَحْمَتِيْ فَيَقُوْلُوْنَ : يَارَبِّ إِنَّ فِيْهِمْ فَـلَا نًـا الْـخَـطَّـاءُ، إِنَّـمَـا اِعْتَـنَـقَهُمْ اِعْتِنَاقًا، فَيَقُوْلُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى غَشُّوْهُمْ رَحْمَتِيْ فَهُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ.“

[ضعيف] (كما في مجمع الزوائد للهيثمي ج ١٠ ص٧٧)

(٣٥٦) ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ کی جانب سے فرشتوں کی ایک جماعت ذکر کے حلقے کی جستجو وطلب میں گشت کرتی رہتی ہے (جب ذاکرین کی جماعت مل جاتی ہے) تو ان کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتی ہے۔ جب وہاں سے آتی ہے تو ایک جماعت کو آسمان پر ربّ العزت کے پاس بھیج دیتی ہے، وہ جماعت عرض کرتی ہے: ہمارے رب! ہم لوگ آپ کے کچھ ایسے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو آپ کی وحدت وعظمت کی نشانیاں بیان کررہے تھے اور کتاب اللہ کی تلاوت کررہے تھے، اور اپنے نبی محمد ﷺ پر درود شریف پڑھ رہے تھے اور آپ سے دنیا وآخرت کی بھلائی کا سوال کررہے تھے، تو حق تبارک وتعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے ان کو میری رحمت میں چھپالو، ڈھانپ لو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ربّ العزت! اس میں ایک شخص گنہگار بھی ہے جو اپنی ضرورت سے آکر مل بیٹھا ہے۔ حق جل مجدہ فرماتے ہیں: اس کو بھی میری رحمت میں چھپالو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بھی محروم نہیں رہ سکتا۔ (مجمع الزوائد للهيثمی ١٠/٧٧)

تمہاری تعداد کے بقدر فرشتے تمہارے ہم نشین ہیں

(٣٥٧) عن ابن عباس رضي الله عنه قال: مر النبی ﷺ بعبدالله ابن رواحة الأنصاری رضي الله عنه وهو يذكر أصحابه فقال رسول الله ﷺ:

” أَمَا إِنَّكُمُ الْمَـلَأُ الَّذِيْنَ أَمَرَنِي اللّٰهُ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَكُمْ ثُمَّ تَـلَا هٰذِهِ الْآيَةَ:

﴿ وَ اصْبِـرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَـهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ. ﴾

إِلَى قَوْلِهِ:

﴿ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطاً﴾ (الكهف : ٢٨)

أَمَا إِنَّهُ مَا جَلَسَ عِدَّتُكُمْ إِلَّا جَلَسَ مَعَهُمْ عِدَّتُهُمْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، إِنْ سَبَّحُوا اللّٰهَ سَبَّحُوْهُ، وَ إِنْ حَمِدُوْا اللّٰهَ حَمِدُوْهُ، وَ إِنْ كَبَّرُوْا اللّٰهَ كَبَّرُوْهُ ثُمَّ يَصْعَدُوْنَ إِلَى الرَّبِّ – وَ هُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ – فَيَقُوْلُوْنَ: يَا رَبَّنَا عِبَادَكَ سَبَّحُوكَ فَسَبَّحْنَا وَ كَبَّرُوْكَ فَكَبَّرْنَا وَ حَمِدُوْاكَ فَحَمِدْنَا. فَيَقُوْلُ رَبُّنَا: يَا مَلَائِكَتِيْ أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ. فَيَقُوْلُوْنَ: فِيْهِمْ فَلَانٌ وَ فَلَانٌ الْخَطَّاءُ. فَيَقُوْلُ: هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ.“

[ضعيف] (أخرجه الطبرانی فی الصغير ج٢ ص ١٠٩)

(٣٥٧) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ ابن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ لوگوں کوفکرِ آخرت کی نصیحت کر رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! تم لوگوں کی جماعت ایسی مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کے پاس بیٹھوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ وَ لَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوَاهُ، وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطاً.﴾

اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجیے جو صبح و شام یعنی علی الدوام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں یعنی توجہات ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا یہ حال حد سے گزر گیا ہے۔ (سورہ کہف:٢٨)

سنو! تم لوگ جتنی تعداد میں بیٹھتے ہو اتنی ہی تعداد میں تمہارے ساتھ فرشتوں کی جماعت بیٹھتی ہے (یعنی ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ بیٹھتا ہے، اللہ اکبر! کتنی سعادت کی بات ہے) اگر تم تسبیح کرتے ہو تو وہ فرشتے بھی تسبیح کرتے ہیں۔ اگر تم لوگ حمد کرتے ہو تو فرشتے بھی حمد کرتے ہیں۔ اگر تکبیر بلند کرتے ہو تو فرشتے بھی تکبیر بلند کرتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور حق تعالیٰ فرشتوں سے زیادہ جانتا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہمارے رب آپ کے بندوں نے تسبیح کی تو ہم نے بھی آپ کی تسبیح کی اور انھوں نے آپ کی کبریائی بیان کی تو ہم نے بھی آپ کی کبریائی بیان کی۔ انھوں نے آپ کی حمد کی تو ہم نے بھی حمد بیان کی۔ ہمارا رب فرماتا ہے: اے فرشتوں کی جماعت! میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت کردی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ربّ العزت! اس میں فلاں فلاں گنہگار بھی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہ وہ مقدس لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین و ہم جلیس بھی محروم نہیں رہ سکتا، بد بخت نہیں ہوسکتا۔

(اخرجه طبرانی فی الصغیر ۲/۱۰۹)

عظمتِ وجودِ انسانی

اس حدیث سے چند امور کی طرف رہنمائی ہوتی ہے:

(۱) حق جل مجدہ عالم الغیب و الشہادۃ ہونے کے باوجود اپنے بندوں کی صفاتِ ملکوتی مخلوق سے معلوم کرتی ہے جو درحقیقت ملائکہ کا بشریت کی عظمت کا اعتراف ہے اور ماضی کے اعتراض کا اقرار و جواب بھی اور قصورِ علم کا اعلان جس کی طرف اشارہ حق جل مجدہ نے کیا تھا ﴿اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

(۲) ذکرِ حق، یا ذاکرِ رب کی جستجو میں ہمہ وقت حضرت حق جل مجدہ کی ملکوتی و نورانی مخلوق پھرتی رہتی ہے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو یادِ حق سے سرشار ہیں کہ جن کی تلاش ملاءِ اعلیٰ کی مخلوق کو ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ، آمین۔

انسان ایمان بالغیب میں ممتاز ہے

(۳) ذکر وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جو خاکی مخلوق کی عظمت کو نمایاں کرتی ہے اور فرشی ہونے کے باوجود عرشی بھی مزید شوق میں جھوم جاتے ہیں۔ اور مزید برآں بندوں کی تسبیح وتحمید اور تکبیر وتمجید کی قبولیت کا یہ عالم کہ خالق جل جلالہ کا یہ سوال کرنا کہ آیا ان کا اس قدر محوِ عبادت ہونا کیوں؟ کیا انھوں نے میرے جاہ وجلال کو دیکھا ہے؟ کیا انھوں نے میری تجلی وتدلّی کا عکس اپنے دیدۂ باطن میں محسوس کیا ہے؟ فرشتوں کا جواب ربّ کریم! بن دیکھے، یہاں یہی بشریت کا تفوق نمایاں ہے کیونکہ ملکوتی مخلوق کو ایمان بالغیب نہیں، گویا ان کی تمام تر عبادتیں عالمِ مشاہدہ میں ہیں اور یہاں تمام کی تمام غیب ہی غیب میں ہورہی ہیں۔ سبحان اللہ! غیب کا حجاب ڈال کر جو نعمت عطا کی گئی ہے وہ عالمِ ملکوت کے مکین کو بھی حاصل نہیں۔

مقامِ رضا پر فرشتوں کی شہادت

باری تعالیٰ! اگر ان کو مشاہدۂ کبریائی ہوجائے تو ان کی عبادت حد شمار میں نہ آئے۔ اس جملہ پر ذاتِ صمدیت جل شانہ اپنے بندوں کو انعام دینا چاہتی ہے اور فرشتوں سے پوچھتی ہے آخر خالق مطلق علی الاطلاق سے کیا چاہتے ہیں؟ معصومین بارگاہ میں عرض کرتے ہیں: باری تعالیٰ! مقامِ رضا، مشاہدۂ کبریائی کی جگہ جنت۔

ممیّزاتِ انسانی

ذاتِ فردیت: کیا انھوں نے مشاہدۂ کبریائی کی جگہ دیکھی ہے؟ نہیں، ربّ العزت تیری ذات کی قسم نہیں دیکھی۔ ذات احدیت: اچھا اگر خلدِ بریں دیکھ لیں تو؟ حق تعالیٰ پھر تو ہمہ وقت یہی ان کا محورِ فکر بن جائے اور دن رات جملہ اشیائے مطلوبہ پر سکینِ ابراہیم علیہ السلام ڈال کر مشاہدۂ کبریائی ان کا مطلوب بن جائے۔ اور ساتھ ہی ان کی زبان پر سوائے تیری ذات وصفات کی تسبیح وتحمید، تکبیر وتہلیل کے دوسرے کا نام ہی نہ آئے۔ گویا کہ قدرت کے باوجود غیروں سے مفلوج بن گئی ہو، ذاتِ ارحم الراحمین اپنے بندوں کو کس قدر تحفظ عطا

کرنا چاہتی ہے اور کس قدر پوچھ کر دیتی ہے یہ بھی اس کے جود و عطا کی فرد یت ہے، وہ اپنی جملہ صفات میں فرید و وحید ہے۔

رحمٰن کا فیضِ عام

حق جل مجدہ فرشتوں سے سوال کرتے ہیں، اچھا وہ کن مہلکات سے پناہ چاہتے ہیں؟ فرشتوں کا جواب: اے رحمٰن ورحیم! مقامِ قہر وغضب سے۔ کیا کہا؟ کیا انھوں نے ٹھکانۂ فرعونیت دیکھا ہے؟ ربِ کریم، غفورورحیم؛ نہیں دیکھا! اچھا اگر دیکھ لیں تو؟ ربّ العزت! پھر تو وہ بھاگتے ہی رہیں (کبھی بھول سے بھی منہیات کا ارتکاب نہ کریں) اور ان کے خوف وخشیت کا یہ عالم ہو کہ ان کے ہوش ہر دم اُڑے رہیں، اپنے عاجز و بے کس مخلوق کی اس قدر فریاد کو آخر ارحم الراحمین، خیر الغافرین کب برداشت کریں گے۔ اگر وہ نہ سنیں پھر سمیع اس کا نام کیوں ہوگا۔ اگر وہ رحم نہ کریں تو رحمٰن کون ہوگا۔

صحبتِ صالحین

حکم ہوتا ہے معصومو! تم گواہ رہو ہم نے ان کی مغفرت کردی۔ یعنی مقامِ غضب سے نجات دیتا ہوں اور مقامِ مشاہدہ میں ان کی ضیافت کا حکم، اور خلدِ بریں کا پروانہ عام عطا کرتا ہوں۔ جملہ ذاکرین کے ہم نشیں کی مغفرت کا پروانۂ عام سن کر ایک نوری عرض کرتا ہے: احکم الحاکمین! ایک تو محض اپنی ضرورت سے آیا تھا، کیا ان کی بھی مغفرت ہوگئی؟ ارحم الراحمین کا حکم عام ہوتا ہے کیوں کہ رحمٰن ہوتا وہی ہے جس کی رحمت عام ہو۔ قید وشرط مخلوق کی پیداوار ہے، خالق کی نہیں۔ یہ مجلس ایسی مجھے پسند ہے کہ جو اِن ذاکرین کی ایک دن بھی صحبت پائے گا، میں اس کو بھی بخش دوں گا۔ اور میری رحمت کی ہوا عام ہوتی ہے جو تمام ہی کو پہنچتی ہے، کسی کو اصالۃً، کسی کو بالواسطہ، اللہ والوں کی معیت وصحبت، مغفرت کا سبب بن جاتی ہے اور آخرت کا ابدی سرمایۂ رحمت ونعمت کا ذریعہ بن کر شقی کو سعید کردیتی ہے۔ بداں را بہ نیکاں بجشند کریم۔

صادقین وصدیقین

ربّ العلمین خود وحی ربّانی میں فرماتے ہیں ﴿یاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ﴾(سورة التوبة) جملہ اہل ایمان سے مطالبہ ہے کہ حق جل مجدہ کی ذات سے ڈرو یعنی محرمات ومنہیات کا ارتکاب مت کرو اور امتثالِ اوامر بجالاؤ اور صادقین کے ساتھ رہو۔ یہ خاص مقامِ صدق کا حصول اور صدیقین کی فہرست میں آنا انہی خوش نصیب بندوں کا حصہ ہے جو دوام ذکر کی لازوال نعمت سے مستفید ہیں۔ مسلم شریف کی روایت سے بھی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے، مزید نعمتِ باری کے اضافہ کے ساتھ جہاں ان ذاکرین بارگاہ کی مجلس کو فرشتے دیکھ لیتے ہیں ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور فرشتے بعض بعض کو نیچے اوپر ڈھانپ لیتے ہیں، یہاں تک کہ آسمان تک ان کی نورانی قطاریں بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ نور ہی نور بھر جاتا ہے۔

انسان کو ذکر اللہ میں ملائکہ پر فضیلت ہے

ایک بات یاد رکھیں ہر مخلوق کی کچھ خاص صفات ہیں اور ان کا خاص مقصد بھی اور خواص بھی اسی ترتیب سے متصف ہوتی ہیں۔ ذکر الٰہی ایک نور ہے جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے اور ملائکۃ اللہ بھی نورانی مخلوق ہیں اور یہ قاعدہ اربابِ اصول کا متفق علیہ ہے کہ ہر جنس کو اس کے اپنے ہم جنس سے غیر معمولی مناسبت ہوا کرتی ہے۔

فرشتوں کی صفت رب العالمین نے بیان کی ہے ﴿لا یَعْصُوْنَ لِأَمْرِ اللّٰهِ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ لا یعصون لامر اللّٰه تو فرشتوں کی صفت ہے اور یفعلون مایومرون ان کی تخلیق کا مقصد ہے۔ اب ان دونوں جملوں سے جو بات قدرے مشترک معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ عدمِ عصیان مع دوامِ ذکر ہر فرشتے کی صفت ہے، جبکہ یہ بھی امرِ مسلم ہے کہ مادۂ فساد ملائکۃ اللہ میں کلیتًا معدوم ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ دوامِ ذکر بغیر کسی مانع خلقی وفطری، ملائکۃ اللہ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اب انسان کو دیکھئے کہ مجموعۂ

ضدین ہے۔یعنی مادّۂ شروفساد بھی اور خیر وتقویٰ بھی۔لہٰذا جب بھی بشریت اپنے مادّہ شرو فساد کو دبا کر صفاتِ ملکوتی ونوری میں منہمک ہوتی ہے تو از خود فرشتوں کو بطور کشش کے اس نور سے مناسبت پیدا ہوتی ہے جو ذکر سے عیاں ہوتا ہے، اب نورانی مخلوق اپنے اس خاص مقصد کے تحت جو ان کا تھا بشریت سے سننے آجاتی ہے اور یہ سماں، سماعِ ذکر الٰہی کیلئے اس کثرت سے ہوتا ہے کہ بعض بعض پر اس ذاکر کو ڈھانپ لیتے ہیں۔

ابنِ آدم کے ذکر کا نور، فرشتوں کے ذکر کے نور سے ممتاز ہے

اور اگر ذرا اس کی تہہ میں اُتریں تو واضح ہوتا ہے کہ ذاکر کے ذکر سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ زمین سے آسمان کی طرف صعود کرتا ہے اور کیفیت اس کی نورانی ہوتی ہے۔ہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ابنِ آدم کے ذکر کا نور فرشتوں کے نور سے مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ ملائکۃ اللہ کے ذکر کا نور، مثبت نور ہے اس لیے کہ مادۂ عصیان سرے سے معدوم ہے۔اور ابنِ آدم کا نور منفی ومثبت دونوں کے امتزاج سے پیدا ہوا ہے۔تو درحقیقت ملائکہ بشریت کے ذکر سے مستفاد ہونے والے نور سے خود کو مستنیر ومنوّر اور مستفید کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا نعمت ہے جو حق جل مجدہ نے ذاکرین ابن آدم کو عطا کی ہے کہ ملائکہ اس نور سے لطف وسرور اُٹھانے کیلئے ایک دوسرے کو اوپر نیچے ڈھانپ کر اس کیفیت سے محظوظ ہوتے ہیں۔اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو اپنی یاد کے بعد غافل نہ کر اور ہمیں اپنی معیتِ تام وخاص عطا فرما کہ تو وہّاب ہے۔آمین!

ذِکر کی قسمیں

ذِکرِ لسانی اور ذکرِ خفی وقلبی، ذکرِ لسانی کی دو صورتیں ہیں؛ ایک بلند آواز سے جیسے اذان واقامت، حج میں بآوازِ بلند لبیک، جہری نماز میں قرآن کریم کی تلاوت یا امام کا با آواز بلند تکبیراتِ نماز، ایامِ تشریق میں نماز کے بعد تکبیر، یعنی تکبیرِ تشریق یا بعض سلاسل اولیاء کا مبتدی کو ذِکر بالجہر کی تلقین کرنا تا کہ مبتدی کو جمعیتِ خاطر، یکسوئی ودلجمعی حاصل

ہو، یا شیطانی اوہام و وساوس وخطرات سے دل پریشان نہ ہو اور ذِکر بالجہر کے ذریعہ مذکور کا دھیان و دُھن نصیب ہو۔ اور دل میں حرارتِ ذکر سے آتشِ محبتِ باری تیز ہو، غفلت دور رہو، نسیان کو زائل کرتا ہو۔ ان تمام مقاصد کیلئے بعض مشائخ مبتدی کو ذِکر بالجہر کی تلقین کرتے ہیں۔

آہستہ ذِکر کی فضیلت

دوسری قسم ہے زبان سے چپکے چپکے ذِکر کرنا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ہمیشہ اللہ کے ذِکر سے تیری زبان تر وتازہ رہے۔ (ترمذی)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: سب سے بڑھیا عمل کون سا ہے؟ یعنی سب سے افضل عمل۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ دنیا چھوڑتے وقت تمہاری زبان اللہ کے ذِکر سے تر وتازہ ہو۔ (ترمذی)

حضرت سعد بن وقاصؓ کی راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین ذِکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدرِ کفاف ہو۔ (احمد)

تم کسی بہرے اور غیر حاضر کو نہیں پکار رہے ہو

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی طرف جہاد کیا تو راستہ میں صحابہؓ ایک وادی سے گزرے اور انھوں نے چلاّ کر، با آواز بلند تکبیریں کہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے لیے سکون اختیار کرو، تم کسی بہرے یا غیر حاضر کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا ہے اور قریب ہے۔ (رواہ البغوی)

ذِکرِ خفی ستّر ہزار درجے فضیلت رکھتا ہے

تیسری قسم بغیر زبان کے صرف قلبی، روحی اور نفسی ذِکر کرنا ہے۔ اسی کو ذِکرِ خفی کہتے ہیں جس کو اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سن پاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ذِکرِ خفی جس کو اعمال ناموں کے لکھنے والے فرشتے

بھی نہیں سن پاتے، ستر ہزار درجے فضیلت رکھتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ حساب کیلئے سب لوگوں کو جمع کرے گا، اور فرشتے اعمال نامے اور تمسکات لے کر حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا دیکھو، اس بندہ کی کوئی چیز رہ تو نہیں گئی فرشتے عرض کریں گے ہم کو جو کچھ معلوم ہوا اور ہماری نگرانی میں جو کچھ ہوا ہم نے سب کا احاطہ کر لیا اور لکھ لیا کوئی بات نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کی ایک نیکی ایسی ہے جس کا تم کو علم نہیں، میں تم کو بتاتا ہوں وہ نیکی ذکرِ خفی ہے۔ (ابویعلی، گلدستہ۵۰۹۲)

ذِکر اللہ ہر حال میں جائز ہے

اللہ ربّ العزت کا ذِکر کرنے کیلئے کوئی وقت مخصوص نہیں، نہ کوئی خاص حالت یا کیفیت مطلوب ہے۔ علماءِ اہلسنّت کا اجماع ہے کہ ذِکر خواہ لسانی ہو یا قلبی و روحی، وضو غیر وضو، جنبی، حائضہ، حالتِ نفاس، ہر حال میں جائز ہے۔ ذِکر تسبیح سُبحَانَ اللّٰہِ، تحمید اَلْحَمْدُلِلّٰہِ، تہلیل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، تکبیر اَللّٰہُ اَکْبَرُ، یا صلاۃ وسلام ہو یا مناجات ودعا ہو مگر یاد رہے کہ یہ بحث جواز اور عدم جواز میں نہیں بلکہ افضل اور غیر افضل میں ہے۔ افضل تو یہی ہے کہ کامل واکمل طہارت میں ربّ العالمین کا ذکر کیا جائے۔

قرآنِ حکیم نے ذِکرِ کثیر پر مغفرت و اجرِ عظیم کا وعدہ کیا

حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

﴿وَ الذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ ، اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (احزاب:۳۵)

ترجمہ: اور بکثرت اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتوں، ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

ایمان والوں کو قرآنِ حکیم نے ذِکر کثیر کا حکم دیا ہے:

﴿یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا﴾ (احزاب: ۴۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔

قرآن حکیم میں بے شمار مواقع پر حق جل مجدہ نے ایمان والوں سے مطالبہ کیا ہے کہ خوب کثرت سے ''اللہ اللہ'' کیا کرو، کیونکہ اصلی زندگی وہی ہے جو یادِ حق میں مصروف ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مفردون، سبقت لے گئے، صحابہؓ نے سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ مفردون کون لوگ ہیں؟

آپ ﷺ نے جواب دیا: اَلذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَ الذَّاكِرَاتُ (مسلم)۔ خوب کثرت سے اللہ پاک کو یاد کرنے والے مرد و عورت۔ اتنی بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حق جل مجدہ کی یاد اللہ جل مجدہ کا مطالبہ ہے۔ اور وہ بھی خوب کثرت سے مگر کثرت کی مقدار متعین نہیں کی گئی کہ کتنی کثرت ہو جو ذکر کثیر میں داخل ہو جائے، یا اس پر ذکرِ کثیر کا حکم لگ جائے اور ہم حکمِ الٰہی کے پورا کرنے والے بن جائیں۔

ذکرِ کثیر سے کیا مراد ہے؟

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُوْلِی الْاَلْبَابِ، الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران: ۱۹۱)

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لیے جن کی یہ حالت ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے پر غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا۔ ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں سو ہم کو عذابِ دوزخ سے بچا لیجیے۔

قرآن حکیم کی مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ ہر حال میں ذکر اللہ، اللہ کی یاد ہونی چاہیے، انسان کی حالت بھی تین ہے، کھڑا ہوگا، یا بیٹھا ہوگا، یا لیٹا ہوگا، حق جل مجدہ نے واضح کر دیا کہ تینوں حالتیں ذِکر اللہ سے معمور ہوں اور غفلت بالکل ہی نہ ہو۔ جب یہ تینوں حالتیں ذکر اللہ سے معمور ہوں گی تو ذکرِ کثیر شمار ہوگا۔ بعض مفسرین کی یہی رائے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانچوں نمازوں کے بعد اور صبح و شام اور ہر نشست و برخواست اور آرام گاہیں جب ذکر اللہ سے معمور ہوں تو ذکرِ کثیر شمار ہوگا۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ بیٹھ کر، کھڑے ہوکر، لیٹ کر ہر حال میں ذِکر کرنا ذکرِ کثیر ہے۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں جو پانچ نمازوں کو اس کے حقوق، فرائض و واجبات سنن ومستحبات کی رعایت کے ساتھ ادا کرتا ہے، وہ ذکرِ کثیر میں داخل ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب آدمی اپنے گھر والوں کو رات میں جگاتا ہے اور دونوں یا خود دو رکعت نماز پڑھ لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ذکرِ کثیر کرنے والے میں لکھ لیتے ہیں۔

امام ابوعمر بن الصلاحؒ سے ذکرِ کثیر کی مقدار کے متعلق جب سوال کیا گیا کہ اس کی کیا مقدار ہے تو فرمایا: جب انسان وہ تمام اذکار جو جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، صبح و شام، نشست و برخواست، بازار و مسجد، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے میں، ان کی مواظبت کرتا ہے تو پھر ذکرِ کثیر میں شمار ہو جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ وہ تمام دعائیں جو جس موقع و محل میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں ان کی پابندی و استمرار ذکرِ کثیر ہے۔ واللہ اعلم

علماءِ اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ ذکرِ قلبی اور لسانی دونوں جائز ہیں۔ پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ ہر حال میں درست ہے تاہم افضل یہ ہے کہ سکون و راحت کے اوقات ہوں، شور و شغب سے خالی مکان و مقام ہو، باوضو و قبلہ رو ہو، خشوع و خضوع کی کیفیت ہو، سکینہ و وقار ہو، اِنابت و تذلیل کی کیفیت ہو، نہ خالی البطن ہو کہ بھوک و پیاس کی طلب ہو نہ ہی خوب

سیر شکم ہو کہ بیٹھنے میں گرانی اور غلبۂ نوم ہو۔ اس امر کا استحضار ہو کہ فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ جس کا نام لے رہا ہے وہ تمام عالم کا خبیر و بصیر ہے۔

ذکر کبھی بھی نہ چھوڑے نہ ناغہ کرے

اگر مذکورہ صفات کے ساتھ ذکر کا موقع میسر نہ ہو سکے تو بھی ذکر نہ چھوڑے اور اگر کبھی ناغہ ہو جائے تو اس کی قضا کر لے۔

صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ اَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَأَهُ مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَ صَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهُ كَاَنَّمَا قَرَأَ مِنَ اللَّيْلِ. (مسلم، الاذکار :ص:۱۹)

جب کسی کے اوراد و وظائف چھوٹ جائیں تو اس کو چاہیے کہ نمازِ فجر و ظہر کے درمیان اس کو پورا کر لے۔ اس کو ایسا ہی اجر ملے گا، گویا اس نے ان کو رات میں ہی ادا کر لیا ہو، لفظ حزب فرما کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قلوب کو شفا بخش دیا۔

وہ تمام اوراد و وظائف جو مشائخ اپنے سالکین کو بتاتے ہیں وہ حزب ہی تو ہیں۔ پھر نہ معلوم آج لوگ اس حقیقت کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

حق جل مجدہ کا نام ہر حال میں نفع بخش و سودمند ہے۔ ہاں اللہ کا نام لینے کا طریقہ کسی اللہ والے سے سیکھ لیا جائے تو پھر نورٌ علیٰ نور ہے اور پھر جس پر اللہ، یعنی ذکر اللہ کی کثرت سے وصول الی اللہ ہو گیا ہو تو اس کی مجلس حصولِ نسبت الی اللہ کے لیے ازحد مفید ہو گی۔ یہ بات حاصل بھی اسی وقت ہو گی جب کسی اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھ جائے پھر مشاہدہ کر لے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَ الْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَ مَالِيْ وَ أَهْلِيْ وَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ. آمین!

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی رائے

کثرتِ ذکر کے دو طریقے ہیں: ایک وہ جو مشائخ کا معمول ہے مثلاً ذکرِ نفی واثبات اور ذکرِ اسمِ ذات وغیرہ۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو دعائیں جناب رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات اور مختلف حالات کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں ان پر مواظبت کی جائے، میرے نزدیک ان دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ (وصایا)

علامہ کشمیریؒ: تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے

تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہے گی عالم قائم رہے گا، جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کا وقت آ گیا۔ **لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض اللّٰہ، اللّٰہ**۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا، تو قیامت قائم ہو جائے گی کیونکہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں۔ اسے گرا دیا جائے گا۔ معلوم ہوا سارے عالم کی روح اللہ کا ذِکر ہے۔ مقصودِ اصل ذکرِ الٰہی ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے ذاکر کے لیے موت نہیں اور غافل کے لیے حیات نہیں، کیونکہ اصلی زندگی یادِ الٰہی ہے۔ اعمالِ صالحہ دراصل زندگی کے کام ہیں، اسی واسطے حدیث میں آیا ہے: **اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ**، انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، یعنی زندگی والے کام کرتے ہیں، ان کی قبور والی زندگی بھی اعمال صالحہ سے معطل نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں، اس حدیث کو بیہقی نے اور فتح الباری نے صحیح کہا ہے۔ (محدث کشمیری، ص ۳۱۵، وصایا)

عزیز و دوستو! ذکر اللہ، یادِ حق کرنے کی چیز ہے، پڑھنے اور لکھنے کی نہیں۔ پڑھنا لکھنا اور ہے اور ذکر اللہ تو ایک عمل ہے۔ جس کو کرنے کی ضرورت ہے، دل تو ذکر اللہ کے عمل سے روشن ہوگا، حیاتِ قلب و جان ذکر اللہ سے باقی رہے گا اور ذکر اللہ کے ذریعہ اللہ کا قرب نصیب ہوگا ذِکر کے ذریعہ مذکور تک رسائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے ذکرِ کثیر کی

توفیق دے۔آمین!

آیت کا مفہوم و معنی مولانا عثمانیؒ

ان غریب شکستہ حال مخلصین کو چھوڑ کر موٹے موٹے متکبر دنیاداروں کی طرف اس غرض سے نظر نہ اٹھایئے کہ ان کے مسلمان ہوجانے سے دین اسلام کو بڑی رونق ہوگی، اسلام کی اصلی عزت و رونق مادّی خوشحالی اور چاندی سونے کے سکوں سے نہیں، مضبوط ایمان وتقویٰ اور اعلیٰ درجہ کی خوش اخلاقی سے ہے۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ محض فانی اور سایہ کی طرح ڈھلنے والی ہے۔ حقیقی دولت تقویٰ اور تعلق مع اللہ کی ہے جسے نہ شکست ہے نہ زوال، چنانچہ اصحابِ کہف کے واقعہ میں اللہ کو یاد کرنے والوں اور دنیا کے طالبوں کا انجام معلوم ہوچکا۔

جن کے دل دنیا کے نشہ میں مست ہوکر اللہ کی یاد سے غافل اور ہر وقت نفس کی خوشی اور خواہش کی پیروی میں مشغول رہتے ہیں، اللہ کی اطاعت سے ہٹنے اور ہوا پرستی میں آگے رہنا ان کا شیوہ ہے۔ ایسے بدمست غافلوں کی بات پر آپ کان نہ دھریں، خواہ وہ بظاہر کیسے ہی دولت مند اور جاہ وثروت والے ہوں۔ روایات میں ہے کہ بعض صنادیدِ قریش نے آپ ﷺ سے کہا کہ ان رذیلوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیجیے تاکہ سردار آپ کے پاس بیٹھ سکیں۔ رذیل کہا غریب مسلمانوں کو اور سردار دولت مند کافروں کو، ممکن ہے آپ ﷺ کے قلب مبارک میں یہ خیال گزرا ہو کہ ان غرباء کو تھوڑی دیر علیحدہ کردینے میں کیا مضائقہ ہے، وہ تو پکے مسلمان ہیں، مصلحت پر نظر کرکے رنجیدہ نہ ہوں گے اور یہ دولت مند اس صورت میں اسلام قبول کرلیں گے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ آپ ہرگز ان متکبرین کا کہنا نہ مانیے کیونکہ یہ بیہودہ فرمائش ہی ظاہر کرتی ہے کہ ان میں حقیقی ایمان کا رنگ قبول کرنے کی استعداد نہیں۔ پھر محض موہوم فائدہ کی خاطر مخلصین کا احترام کیوں نظرانداز کیا جائے۔ نیز امیروں اور غریبوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنے سے احتمال ہے کہ عام لوگوں کے قلوب میں پیغمبر کی طرف سے معاذ اللہ نفرت اور بدگمانی پیدا

ہوجائے جس کا ضرر اس ضرر سے کہیں زائد ہوگا جو اِن چند متکبرین کے اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں تصور کیا جاسکتا ہے۔ (فوائد عثمانی سورۃ کہف آیت ۲۸)

باب : أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا

باب: جس نے ایک دن بھی مجھ کو یاد کیا ہو

(۳۵۸) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:

"يَقُوْلُ اللّٰهُ: أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا أَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ."

[حسن] (أخرجه الترمذي ج ٤/٢٥٩٤)

ایک گھڑی کا ذکر بھی باعثِ نجات ہوگا

(۳۵۸) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حق تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے: فرشتو! جہنم سے ہر اس شخص کو نکالو جس نے ایک دن بھی مجھ کو یاد کیا ہو، یا کسی مقام پر مجھ سے ڈر گیا ہو۔

فائدہ: حق جل مجدہ کی یاد اور خوف عظیم ترین نعمت ہے، اگر دوامِ ذکر کی دولت نصیب ہو تو پھر پوچھنا ہی کیا، تاہم کسی نے تھوڑی دیر بھی کیا ہو یا کسی بھی مقام پر رغبت و رہبت کے ساتھ ڈر گیا ہو تو قیامت میں اس کا بدلہ یہ ہوگا کہ اللہ پاک ہمیشہ ہمیش کے لیے نارِ جہنم سے آزاد کر دیں گے۔ نامِ حق کی بڑی قیمت وقدر ہے، اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

باب: مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِيْ عَنْ مَسْأَلَتِيْ......

باب: جس کو ذکر اللہ کی مشغولیت کی بناء پر دعاء کی فرصت نہ ملی ہو

(۳۵۹) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِيْ عَنْ مَسْأَلَتِيْ أَعْطَيْتُهُ قَبْلَ أَنْ يَسْأَلَنِيْ.

قَالَ: وَ فِيْ قَوْلِهٖ:

﴿وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا﴾ (القصص:٤٦)

قَالَ: نُوْدُوْا يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا دَعَوْتُمُوْنَا إِذَا اسْتَجَبْنَا لَكُمْ، وَ لَا سَأَلْتُمُوْنَا إِذَا اَعْطَيْنَا كُمْ!!'' [ضعيف] (أخرجه أبونعيم فى الحلية ج٧ ص٣١٣)

ذاکر کو اللہ ربّ العزت دعاء مانگنے والوں سے زیادہ دیتے ہیں

(۳۵۹) ترجمہ: حق جل مجدہ نے فرمایا: جس شخص کو میری یاد و ذکر میں انہماک کی وجہ سے دعاء مانگنے کی فرصت نہ ملی، اس بندۂ ذاکر کے سوال کرنے سے پہلے ہی اس کے سوال کو پورا کردوں گا۔

اور ارشاد فرمایا: اس قول میں: ''وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا.'' کہا: اے امتِ محمدیہ! پکارو، تم جو چیز مانگو گے میں اسے قبول کروں گا اور تم ہم سے جس چیز کا سوال کرو گے ہم تم کو عطا کریں گے۔

ذاکرین کے اشتہاء وتمنا کو سوال کرنے سے پہلے پورا کیا جاتا ہے

اللہ اکبر! عند اللہ ذاکرین کا کس قدر رتبہ ہے کہ ابھی مانگا نہیں، دستِ سوال پیش نہیں کیا اور علیم بذات الصدور نے، اس کی مرادوں کو پورا کردیا اور حاجتوں کو رفع فرمادیا:

دراصل بندہ جب علائق سے دل پاک کرکے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہوجاتا ہے تو وہ اس کی دست گیری فرماتا ہے کہ اگر یہ بندہ ذکر سے رہ گیا تو اس کی وابستگی میں فرق آئے گا۔ یہاں بھی ''وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ'' کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے: ''مَا عَمِلَ آدْمِي عَمَلاً أَنْجٰى لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى'' یعنی عذابِ الٰہی کو دفع کرنے میں کوئی عمل ذکر اللہ سے زیادہ سودمند نہیں۔ ایک حدیث میں ہے: ''لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْباً مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' یعنی ہمیشہ تیری زبان ذکر اللہ سے تر رہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''أَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللّٰهِ حَتّٰى يَقُوْلُوْا اِنَّهُ مَجْنُوْنٌ''۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تم کو مجنون کہنے لگیں۔ یعنی ذکر الٰہی

میں اس درجہ منہمک ہوجاؤ کہ ذاتِ حق کے سوا کسی کی فکر ہی باقی نہ رہے۔ نہ کھانے کا غم، نہ پینے کی فکر، اور نہ ہی دنیاوی حالات کی اُلجھن... بس نام اسی کا لیا کرو! اللہ اللہ کیا کرو! پھر دیکھو کہ کائنات کی تمام مخلوقات تمہاری غلامی کرنے میں کس طرح فخر محسوس کرتی ہیں اور تمہارا ہر حکم بجالانے کو سعادت جانتی ہیں۔

تمنا ہے کہ اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یادِ اُن کی دل نشیں ہوتی

"اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ" آمین!

ذاکرین کو تمام سوال کرنے والوں سے زیادہ دوں گا

(۳۶۰) لِلْبُخَارِيِّ فی خلق أفعال العباد، وابن شاهين في الترغيب في الذكر، وأبي نعيم في المعرفة، والبيهقي في شعب الإيمان عن ابن عمر وعبدالرزاق في الجامع عن جابر ص:

"يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِيْ عَنْ مَسْأَلَتِيْ أَعْطَيْتُهُ فَوْقَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ." [حسن] (كما في كنز العمال ج ١/١٨٧٤، الإتحافات ٢٢٦)

(۳۶۰) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ فرماتے ہیں: جس شخص کو میری یاد نے دعا مانگنے سے غافل رکھا تو میں اس کو تمام سائلوں سے بڑھ کر عطا کروں گا۔

باب: مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ

باب: جس نے دل ہی دل میں مجھ کو یاد کیا

(٣٦١) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْمَا يَحْكِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ أَنَّهُ قَالَ:

"مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ، وَ مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَأٍ مِنَ النَّاسِ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ أَطْيَبَ."

[صحيح] (أخرجه أحمد ج ١٦/٨٦٣٥)

ذکر اللہ کا ثمرہ

(۳۶۱) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: جو میرا نام دل میں لیتا ہے، میں اس کا نام دل میں لیتا ہوں اور جو میرا نام لوگوں کے مجمع میں لیتا ہے، میں اس کا نام ایسے مجمع میں لیتا ہوں، جو اس کے مجمع سے بڑا اور اچھا مجمع ہوتا ہے۔

میں بھی تجھے تنہائی میں یاد کرتا ہوں

(٣٦٢) للبيهقي في شعب الإيمان من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ:

”قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: عَبْدِيْ إِذَا ذَكَرْتَنِيْ خَالِيًا ذَكَرْتُكَ خَالِيًا، وَ إِنْ ذَكَرْتَنِيْ فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُكَ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَأَكْثَرَ.“

[صحيح](كما في كنزالعمال ج ١/ ١٧٩٧)

(۳۶۲) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حق جل مجدہ نے فرمایا: میرے بندے! جب تو مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے، تو میں بھی تجھے تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جب تو مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں بھی تجھے تیری جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں اور میں بڑی شان والا ہوں۔

ذکر کی برکت سے حق و باطل کی تمیز پیدا ہوتی ہے

ماقبل میں اس قسم کی حدیث پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے کہ ذِکر وہ عظیم ترین نعمت ہے، جس سے بندے کو حق جل مجدہ کی ہم نشینی نصیب ہوتی ہے؛ غفلت دور ہوتی ہے؛ آخرت کی فکر بڑھتی ہے؛ شیطانی فریب کے تانے بانے زائل ہوتے ہیں اور انسان کو حق جل مجدہ کی معرفت کا فرق اور سنت و بدعت کی شناخت منکشف ہوتی ہے۔

غرض ذکر ہی کے ذریعے بندہ وصول الی اللہ کی منزلیں طے کرسکتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الذَّاكِرِيْنَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَكَ. آمین!

تنہائی و مجمع میں ذکر کی فضیلت

(٣٦٣) و للبزاز عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أیضاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

"یَا ابْنَ آدَمَ إِذَا ذَکَرْتَنِیْ خَالِیًا ذَکَرْتُکَ خَالِیًا، وَ إِذَا ذَکَرْتَنِیْ فِیْ مَلَأٍ ذَکَرْتُکَ فِیْ مَلَأٍ خَیْرٍ مِنَ الَّذِیْنَ ذَکَرْتَنِیْ فِیْهِمْ."

[صحیح] (کما فی مجمع الزوائد ج ١٠ ص٧٨)

(٣٦٣) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حق جل مجدہ نے فرمایا: جب میرا بندہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں، اور جب وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں جس میں اس نے مجھ کو یاد کیا تھا؛ یعنی فرشتوں کی جماعت میں۔

فائدہ: یادِ الٰہی یا ذکر اللہ بہت ہی عظیم نعمت اور عطیہ ہے۔ اسی فضیلت کا ذکر حدیث پاک میں کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ﴾ (ترجمہ) تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔

ایک حدیث میں آیا ہے: "اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ" ترجمہ: "میں ذاکر کا ہم نشین ہوں" اس لیے ذاکر کا تذکرہ حق تعالیٰ فرشتوں کی جماعت میں کرتے ہیں۔

بندے کو اللہ کا قرب، ذکر اللہ سے حاصل ہوتا ہے

(٣٦٤) للطبرانی عن معاذ ابن أنس رضی اللہ عنہ:

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: لَا یَذْکُرُنِیْ عَبْدٌ فِیْ نَفْسِهٖ إِلَّا ذَکَرْتُهُ فِیْ مَلَأٍ مِنْ مَلَائِکَتِیْ وَ لَا یَذْکُرُنِیْ فِیْ مَلَأٍ إِلَّا ذَکَرْتُهُ فِی الرَّفِیْقِ الْأَعْلٰی."

[حسن] (کما فی کنزالعمال ج ١/ ١٧٩٦)

(٣٦٤) ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ نے فرمایا: جب کوئی بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اس کا ذکر فرشتوں کی مجلس میں ضرور کرتا ہوں اور جب وہ مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو 'رفیقِ اعلیٰ' میں ضرور

یاد کرتا ہوں۔

باب: أَنَا مَعَ عَبْدِیْ إِذَا هُوَ ذَكَرَنِیْ

باب: بندہ جب مجھ کو یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں

(٣٦٥) عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال:

"إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ: أَنَا مَعَ عَبْدِیْ إِذَا هُوَ ذَكَرَنِیْ وَ تَحَرَّكَتْ شَفَتَاهُ." [صحيح] (أخرجه أحمد ج٢ ص ٥٤٠)

ذاکر کو اللہ پاک کی معیت حاصل ہوتی ہے

(٣٦٥) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حق جل مجدہ فرماتے ہیں: میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اپنے ہونٹوں کو میرے نام کے ساتھ حرکت دیتا ہے۔

حق تعالیٰ بندہ کے ساتھ ہوتا ہے جب تک ہونٹ ذکر اللہ سے ہلتے رہتے ہیں

(٣٦٦) حدثنا أبو هريرة رضی الله عنه و نحن فی بيت هذه - يعنی أُمِّ الدَّرْدَاءِ -أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم يَأْثُرُ عَنْ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ أَنَّهُ قَالَ:

" أَنَا مَعَ عَبْدِیْ مَا ذَكَرَنِیْ وَ تَحَرَّكَتْ بِیْ شَفَتَاهُ."

[صحيح] (أخرجه أحمد ج ٢ ص ٥٤٠)

(٣٦٦) ترجمہ: (کریمہ بنت خشخاش مزنیہ سے روایت ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہم سے بیان کیا اور ہم لوگ حضرت امّ درداء کے گھر میں تھے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب سے بیان کرتے ہوئے سنا، حق جل مجدہ ارشاد فرماتے ہیں: میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے نام کے ساتھ ہونٹ کو حرکت دیتا رہتا ہے۔

میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں

(۳٦٧) عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول:

"إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ أَنَا مَعَ عَبْدِیْ إِذَا هُوَ ذَكَرَنِیْ وَ تَحَرَّكَتْ بِی شَفَتَاهُ."

[صحیح] (أخرجه الحاكم فی المستدرك ج ۱ ص۴۹۶)

(۳٦٧) ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا،حق تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ میرے ذکر سے اپنے ہونٹوں کو ہلاتا رہتا ہے۔

باب : اِبْنَ آدَمَ اُذْكُرْنِیْ بَعْدَ الْفَجْرِ وَ بَعْدَ الْعَصْرِ

باب: آدم کے بیٹے فجر وعصر بعد مجھے یاد کرلیا کرو

(۳٦٨) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ فيما يذكر عن ربه عزّوجلّ:

"اِبْنَ آدَمَ اُذْكُرْنِیْ بَعْدَ الْفَجْرِ وَ بَعْدَ الْعَصْرِ سَاعَةً أَكْفِكَ مَا بَيْنَهُمَا."

[ضعيف] (أخرجه عبدالله فی زوائد الزهد لأحمد ص۳۷)

فجر وعصر کے بعد تھوڑی دیر ذکر اللہ سے تمام امور آسان ہوجاتے ہیں

(۳٦٨) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے آدم کی اولاد! تو مجھے فجر وعصر کے بعد تھوڑی دیر یاد کرلیا کر میں درمیان میں تیری کفایت کروں گا۔

ذاکرین کی کفالت اللہ تعالیٰ کرتے ہیں

ان دونوں نمازوں کے بعد تھوڑی دیر ذکر کرنے والوں کی حق جل مجدہ کفالت فرماتے ہیں۔یعنی جملہ امور کی حق جل مجدہ اپنے ذمے کفالت لیتے ہیں اوراس کا کام اپنی نگرانی اور ذمہ داری میں کراتے ہیں۔کس قدر حق تعالیٰ نے اپنے بندے کی کفالت کا غیبی اعمال پر ذمہ لیا ہے! اگر ہم اپنے امور کی گتھی اسی طرح سلجھایا کریں تو ہماری دنیا وآخرت

دنوں میں بن جایا کرے، مگر آج اس حدیث پاک پر عمل کرنے والے معدودے چند ہی ہوں گے۔ اللہ ہمیں اس بشارت سے لطف اندوز ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین!

باب: سَيَعْلَمُ أَهْلُ الْجَمْعِ مَنْ أَهْلُ الْكَرَمِ......

باب: آج مجمع والے جان لیں گے کہ مکرّم وباعزّت کون لوگ ہیں

(۳۶۹) عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰہ ﷺ أنه قال:

"يَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ: سَيَعْلَمُ أَهْلُ الْجَمْعِ الْيَوْمَ مَنْ أَهْلُ الْكَرَمِ؟ فَقِيْلَ: وَ مَنْ أَهْلُ الْكَرَمِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: أَهْلُ الذِّكْرِ فِي الْمَسَاجِدِ."

[ضعیف] (أخرجه أحمد فی مسنده ج ۳ ص ۷۵)

بروز قیامت باعزت لوگ کون ہوں گے؟

(۳۶۹) ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ: حق جل مجدہ قیامت کے دن فرمائیں گے: عنقریب ہی آج مجمع والے جان لیں گے کہ مکرم وباعزت کون لوگ ہوں گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اہل کرم کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مساجد میں ذکر کا حلقہ لگانے والے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ يَا كَرِيْمُ۔ آمین!

فائدہ: ذکر ایک عام لفظ ہے؛ جس میں قرآن پاک کی تعلیم جو محض لوجہ اللہ ہو، علم دین کا سیکھنا سکھانا، اصلاحِ نفس کی مجلس یا صوفیاء کرام کی مجالس، یہ سب شامل ہیں۔ محض سیاسی پارٹی کے نام پر نہ ہو۔ آج اس دور میں لوگ اللہ پاک کے نام پر جمع نہیں ہوتے؛ بلکہ محض اپنی پارٹیوں کے نعرے پر جمع ہوتے ہیں (اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھاوے، آمین) اور اس گندے مقصد کے لیے پاک ومقدس مساجد کو استعمال کیا جاتا ہے۔ الامان والحفیظ۔

بَابٌ فِی فَضْلِ الذِّکْرِ

باب: ذکر اللہ کی فضیلت

(۳۷۰) لِابْنِ شَاهِیْنَ فی الترغیب فی الذکر عن جابر رضی اللہ عنہ:

" أَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى إِلٰى مُوْسٰى أَتُحِبُّ أَنْ أَسْكُنَ مَعَكَ بَيْتَكَ فَخَرَّ لِلّٰهِ سَاجِدًا ثُمَّ قَالَ: فَكَيْفَ يَا رَبِّ تَسْكُنُ مَعِيْ فِيْ بَيْتِيْ؟ فَقَالَ : يَا مُوْسٰى أَمَا عَلِمْتَ أَنِّيْ جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ، وَ حَيْثُمَا الْتَمَسَنِيْ عَبْدِيْ وَجَدَنِيْ۔"

[ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ۱/ ۱۸۶۵)

اللہ پاک ذاکر کا ہم نشین ہے

(۳۷۰) ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ پاک نے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل فرمائی: اے موسیٰؑ! کیا تو اس کو پسند کرے گا کہ میں تیرے ساتھ تیرے مکان میں رہائش پذیر ہو جاؤں، موسیٰؑ سنتے ہی سجدہ ریز ہو گئے، عرض کیا: میرے رب! آپ کس طرح میرے مکان میں میرے ساتھ رہائش پذیر ہو سکتے ہیں؟ ارشاد ہوا: اے موسیٰؑ! کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں کہ میں اس شخص کا ہم نشین وہم جلیس ہوں جو میرا نام لیتا ہے (یعنی ذکر کرتا ہے) اور بندہ مجھ کو جہاں بھی تلاشے وہیں پائے گا (میں ہر جگہ موجود ہوں کیونکہ ساری کائنات عالم کا معبود ہوں)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے کیا خوب کہا ہے:

بگزار از یاد گل و گلبن ہیچم یاد نیست
در زمین و آسماں جز ذکر حق آباد نیست

رشک کرتا ہے فلک ایسی زمیں پر اسعؔد
جہاں دو چار گھڑی ذکر خدا ہوتا ہے

سبحان اللہ

(۳۷۱) و للدیلمی عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ:

”إِذَا قَالَ الْعَبْدُ : سُبْحَانَ اللّٰهِ، قَالَ اللّٰهُ : صَدَقَ عَبْدِیْ سُبْحَانِی وَ بِحَمْدِی لَا یَنْبَغِی التَّسْبِیْحُ إِلَّا لِی.“[ضعیف] (کما فی کنز العمال ج ۱/ ۲۰۲۹)

(۳۷۱) ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب بندہ کہتا ہے: سبحان اللہ! تو اللہ پاک فرماتا ہے: میرے بندہ نے سچ کہا، سبحانی و بحمدی، میری پاکی اور حمد کی تسبیح کسی غیر کے لیے مناسب نہیں۔

یا اللہ! آہٹ سنتا ہوں، مگر دیکھتا نہیں ہوں کہ آپ کہاں ہیں؟

(۳۷۲) وللدیلمی عن ثوبان رضی اللہ عنہ:

”قَالَ مُوْسٰی: یَا رَبِّ أَقَرِیْبٌ أَنْتَ فَأُنَاجِیْکَ؟ أَمْ بَعِیْدٌ فَأُنَادِیْکَ فَإِنِّیْ أُحِسُّ حِسَّ صَوْتِکَ وَ لَا أَرَاکَ فَأَیْنَ أَنْتَ؟ فَقَالَ اللّٰهُ أَنَا خَلْفَکَ وَ أَمَامَکَ وَ عَنْ یَمِیْنِکَ وَ عَنْ شِمَالِکَ. یَا مُوْسٰی! أَنَا جَلِیْسُ عَبْدِیْ حِیْنَ یَذْکُرُنِیْ وَ أَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِی.“[ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ۱/ ۱۸۷۱)

(۳۷۲) ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یا رب! کیا آپ قریب ہیں کہ آپ سے سرگوشی کروں یا بعید ہیں کہ پکاروں، یا اللہ! آہٹ سنتا ہوں؛ مگر آپ کو دیکھتا نہیں ہوں کہ آپ کہاں ہیں؟ حق جل مجدہ نے فرمایا: میں تیرے آگے پیچھے دائیں بائیں ہوں۔ اے موسیٰ! میں ہم نشیں ہوں اپنے بندے کا جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھ کو پکارتا ہے۔

تمہاری سیئات حسنات سے بدل دی گئیں

(۳۷۳) و للعسکری فی الصحابة و أبی موسی عن حنظلة العبشمی رضی اللہ عنہ:

”مَا مِنْ قَوْمٍ جَلَسُوْا مَجْلِسًا یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ

قُوْمُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَ بَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ.''

[ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ۱/ ۱۸۹۲)

(۳۷۳) ترجمہ: حنظلہ عبشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ پاک کا ذکر کرتی ہے، تو آسمان سے ایک آواز دینے والا کہتا ہے کہ: تمہاری مغفرت کردی گئی اور تمہارے سیئات کو حسنات میں بدل دیا گیا۔

جب تم ماں کے پیٹ میں جنین تھے تو تم کو غذا کس نے پہنچائی؟

(۳۷٤) و لأبی نصر ربیعة بن علی العجلی فی کتاب (هدم الاعتزال) و الرافعی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ:

''قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ ذَكَرْتَنِيْ ذَكَرْتُكَ، وَ إِنْ نَسِيْتَنِيْ ذَكَرْتُكَ، وَ إِذَا أَطَعْتَنِيْ فَاذْهَبْ حَيْثُ شِئْتَ مُخَلًّى، تُوَالِيْنِيْ وَ أُوَلِيْكَ، وَ تُصَافِيْنِيْ وَ أُصَافِيْكَ، وَ تُعْرِضُ عَنِّيْ وَ أَنَا مُقْبِلٌ عَلَيْكَ، مَنْ أَوْصَلَ إِلَيْكَ الْغِذَاءَ وَ أَنْتَ جَنِيْنٌ فِيْ بَطْنِ أُمِّكَ، لَمْ أَزَلْ أُدَبِّرُ فِيْكَ تَدْبِيْرًا حَتّٰى أَنْفَذْتُ إِرَادَتِيْ فِيْكَ، فَلَمَّا أَخْرَجْتُكَ إِلَى الدُّنْيَا أَكْثَرْتَ مَعَاصِيَّ، مَا هٰكَذَا جَزَاءُ مَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ.'' [ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ۱۵/ ۴۳۶۰۹)

(۳۷۴) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اے ابن آدم! اگر تو مجھ کو یاد کرتا ہے، تو میں تم کو یاد کرتا ہی ہوں اور جب تو مجھ کو فراموش کرتا ہے، پھر بھی میں تم کو یاد رکھتا ہوں اور جب تو میری اطاعت کرتا رہتا ہے تو جہاں چاہے جا! میری حفاظت وحراست میں رہے گا اور میں تیرے امور کی نگرانی وکفالت کرتا رہوں گا۔ تو اپنا معاملہ میرے ساتھ عبادت واطاعت کے ذریعہ رکھتا ہے اور میں تیرے باطن کی اصلاح کرتا رہتا ہوں اور تو مجھ سے اعراض کرتا ہے اور میں تیری طرف (اپنی رحمتوں سے) متوجہ رہتا ہوں، اچھا یہ بتا کہ جب تو اپنی ماں کے پیٹ میں جنین تھا، تو غذا کس نے پہنچائی؟ میں مسلسل تیری ذات کے حسن تخلیق وتدبیر میں لگا ہوا تھا، یہاں تک کہ میں نے اپنے ارادے کے

تحت جو چاہا تیری ذات میں نافذ کردیا، اور جب تم کو مکمل ایک حسین وخوبصورت انسان کی شکل میں دنیا میں لایا، تو پھر تو نے معصیت وسرکشی کی کوئی حد نہ چھوڑی، سب کو عبور کرگیا (یعنی تارکِ نماز بنا، تارکِ سنتِ رسولؐ بنا، تارکِ قرآن بنا، فحاشی وبے حیائی کی راہ تو نے اختیار کی۔ شراب تو نے پی، زنا تو نے کیا، سود و رشوت تو نے لی، قتل وغارت تو نے کی الغرض حدود کو تو نے توڑ دیا اور یہ نہ سوچا کہ) کیا یہی بدلہ و جزا ہے اس ذاتِ حق ربِ ذوالجلال والاکرام کا، جس نے تیرے ساتھ بھلائی وخیر خواہی کا معاملہ کیا۔

(سبحان اللّٰه و بحمده سبحان اللّٰه العظيم)

کیا اللہ پاک کے احسان کا بدلہ یہ ہے کہ تم معصیت کرو؟

اللہ اکبر! وہ خالقِ کائنات کس قدر کریم ورحیم ہے، جو بندے کو ہر حال میں یاد رکھتا ہے، خواہ بندہ اس کو یاد رکھے یا نہ رکھے۔ عبادت واطاعت سے بندہ جب اللہ جل مجدہ کی یاد کو باقی رکھتا ہے، تو اس پر انعامات تو ملتے ہی ہیں لیکن بندہ جب حق جل مجدہ کی عبادت کے بجائے سرکشی اور اطاعت کے بجائے نافرمانی کرتا ہے، پھر بھی حق جل مجدہ اپنی نعمتوں اور رحمتوں کے ذریعہ بندہ کو بھولتا نہیں، ورنہ ایک سانس بھی لینی مشکل ہو جائے۔ کائناتِ عالم میں کتنے انسان ہیں جو منہیات کے مرتکب ہیں، مامورات کے تارک ہیں، انسان جب نافرمانی کرتا ہے تو توفیقِ عبادت سلب ہو جاتی ہے؛ قلب و دماغ میں فساد عن الحق پیدا ہوتا ہے؛ خالق کی قدرتِ صناعت میں شکوک وشبہات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور معاً اس کے بعد ذکرِ الٰہی سے غفلت ہونی شروع ہو جاتی ہے؛ اوقات یونہی ضائع ہوتے ہیں؛ مخلوقاتِ الٰہیہ سے نفرت ہوتی ہے؛ بندہ اور رب کے مابین جو تعلق ہے اس تعلق کو بحال کرنے سے وحشت پیدا ہوتی ہے۔ ایسے شخص کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ قلب میں فسادات پیدا ہوتے ہیں؛ رزق سے برکت اُٹھ جاتی ہے؛ ایسے کی عمر سے برکت بھی اُٹھ جاتی ہے اور زندگی کا کوئی رخ بھی صحیح نہیں ہو پاتا؛ علم ومعرفت سے محروم کردیا جاتا ہے؛ ایسے پر ذلت ورسوائی کی دبیز چادر چڑھ جاتی ہے؛ دشمن اہانت و بغاوت پر آمادہ ہوجاتے

ہیں؛ سینہ تنگ کر دیا جاتا ہے؛ برے ہم نشین کے ساتھ اس کو مقید کر دیا جاتا ہے، جو ہمہ وقت اس کے باطن کے فساد کا ذریعہ بنتے چلے جاتے ہیں؛ پریشانی و الجھن کی وادی میں اُتار دیا جاتا ہے؛ رزق، بقدرِ گزران بھی تنگ کر دیا جاتا ہے؛ الغرض بے شمار قسم کے آفات و بلیات، جانی و مالی نقصانات کا محض نافرمانی کی وجہ سے انسان شکار ہوتا ہے، برخلاف اطاعت و عبادت کے؛ کیوں کہ اس کے ذریعے ان تمام بیماریوں کی اضداد، صفاتِ نورانی وملکوتی پیدا ہوتی ہیں۔

حق جل مجدہ نے فہم سے قریب تر ایک مثال دی کہ: دیکھو! جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں، اولاً منی کے قطرہ تھے تو تم سے باپ، ماں، دونوں ہی نفرت کرتے تھے، پھر میں نے اپنی کمالِ قدرت سے ''نطفہ'' بنایا پھر ''مضغہ'' پھر ''علقہ''۔ تم بتاؤ کہ اس وقت تم کتنے عاجز اور بے بس تھے کہ اپنے وجود میں میرے محتاج تھے، پھر جب تم بچے تھے تو اپنے نفع و نقصان کو نہ تو حاصل کر سکتے تھے اور نہ دفع کر سکتے تھے۔ یہ سب تدبیریں میں ''خالق'' کر رہا تھا اور اب تم کو تھوڑی مدت کے لیے میں نے بااختیار بنایا، تو سرکشی کرتے ہو، دیکھو! پہلے وجود میں تم کچھ نہ تھے اور بااختیار بھی نہ تھے اور آخر میں تم انسانِ مجسم ہوگئے مگر یہ عارضی اختیار، میں پھر تم سے چھین لوں گا اور تم دوبارہ محتاج و بے اختیار ہو جاؤ گے؛ اس لیے سوچ لو! کیا کر رہے ہو؟ تم اپنے عارضی اختیار سے مجھ کو چیلنج تو نہیں دے رہے ہو؟ دیکھو! اپنے محسن کو پہچانو اور صفتِ احسان پیدا کرو! اور یہی میرا شکرِ حقیقی ہے۔ حق جل مجدہ ہمیں اپنی عبادت کی حسنِ توفیق محض اپنے فضل وکرم سے نوازے۔ (آمین)

ذاکرین اور مجالسِ ذکر کی فضیلت

(۳۷۵) و لابن شاهين في (الترغيب في الذكر) عن أنس رضی اللہ عنہ:

''مَا مِنْ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ إِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ، قُوْمُوْا مَغْفُوْرًا لَكُمْ وَ قَدْ بَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ.''

(كما في كنز العمال ج ۱/ ۱۸۹۱)

(۳۷۵) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب کوئی قوم و جماعت جمع ہوکر اللہ پاک کا ذکر کرتی ہے محض اللہ پاک کی خوشنودی و رضا کے لیے تو آسمان سے ایک پکارنے والا بآوازِ بلند کہتا ہے کہ: تم لوگ اس حال میں یہاں سے اُٹھو کہ اللہ پاک نے تمہاری مغفرت کردی اور تمہاری بدی وسیئات کو حسنات میں بدل دیا۔

جاؤ تمہاری مغفرت کردی گئی

(۳۷٦) و للبیهقی فی (شعب الإیمان) عن عبدالله بن مغفل رضی اللہ عنہ:

"مَا مِنْ قَوْمٍ اجْتَمَعُوْا یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی إِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ قُوْمُوْا مَغْفُوْرًا لَکُمْ قَدْ بَدَّلْتُ سَیِّئَاتِکُمْ حَسَنَاتٍ." (کما فی کنزالعمال ج ۱/ ۱۸۸۹)

(۳۷٦) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفّل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب کوئی قوم و جماعت جمع ہوکر اللہ پاک کا ذکر کرتی ہے تو ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ تم اس حال میں جاؤ کہ تمہاری مغفرت کردی گئی، اور تمہاری بدی وسیئات کو نیکی وحسنات میں بدل دیا گیا۔

بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے یا مبغوض، اس کی علامت و پہچان

(۳۷۷) و للدارقطنی فی الأفراد و ابن عساکر عن عمر رضی اللہ عنہ:

"قَالَ مُوْسٰی یَا رَبِّ وَدِدْتُ أَنْ أَعْلَمَ مَنْ تُحِبُّ مِنْ عِبَادِکَ فَأُحِبُّهُ. قَالَ: إِذَا رَأَیْتَ عَبْدِیْ یُکْثِرُ ذِکْرِیْ فَأَنَا أَذِنْتُ لَهُ فِیْ ذٰلِکَ وَ أَنا أُحِبُّهُ، وَ إِذَا رَأَیْتَ عَبْدِیْ لَا یَذْکُرُنِیْ فَأَنَا حَجَبْتُهُ عَنْ ذٰلِکَ وَ أَنَا أُبْغِضُهُ."

[ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ۱/ ۱۸۷۰)

(۳۷۷) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے رب! میں چاہتا ہوں کہ اس شخص کو جان جاؤں جس سے آپ محبت کرتے ہیں تاکہ میں بھی اس سے محبت کروں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: جب تو میرے بندہ کو کثرت سے میرا نام لیتے دیکھ تو سمجھ جا کہ میں نے اس کو اپنے ذکر کی اجازت دی ہے اور میں اس سے محبت کرتا

ہوں اور جب تو دیکھ کہ بندہ ذکر سے غافل ہے، میرا نام نہیں لیتا، تو سمجھ جا کہ میں نے اس پر غفلت کا حجاب ڈال دیا ہے اور میں اس سے ناراض ہوں اور اس کو مبغوض رکھتا ہوں۔

اللہ کی گہری یاد دلیلِ محبت ہے

یاد و ذکر کو حق جل مجدہ نے اپنی محبت وعنایت کی علامت اور غفلت ونسیان کو غیظ و غضب کی علامت بتلایا۔ جب کسی سے تعلق ومحبت ہوتی ہے تو اس کا نام ورد زبان بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام دل وزبان پر اسی وقت آتا ہے جبکہ ذاتِ حق سے ربط وتعلق ہو اور اسی ربط وتعلق کو حدیث میں محبت کی علامت بتلایا گیا ہے۔ تمام تر منزلیں اسی محبت کی بنیاد پر طے ہوتی ہیں۔ جب محبت کی آگ لگے گی ذکر بھی آسان بن جائے گا اور جس قدر ذکر کی کثرت ہوگی، اسی قدر رشتۂ محبت مستحکم اور استوار ہوتے ہوئے نظر آئیں گے اور جب کمال محبت پیدا ہوجائے گی تو پھر انسان اپنے ارادے کو مالک ومولیٰ کے اشارے پر فنا کردیتا ہے، جب جاکر لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی حقیقی چاشنی محسوس ہوگی۔ واللہ اعلم!

حق جل مجدہ کی محبت بندوں کے دلوں میں جاگزیں کرنا

(٣٧٨) و ذكر الغزالي في الإحياء لم يعزه:

وَ فِي الْخَبَرِ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَوْحٰى إِلَى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:

"أَحِبَّنِيْ وَ أَحِبَّ مَنْ يُحِبُّنِيْ، وَ حَبِّبْنِيْ إِلَى خَلْقِيْ فَقَالَ: يَا رَبِّ! كَيْفَ أُحَبِّبُكَ إِلَى خَلْقِكَ؟ قَالَ: اُذْكُرْنِيْ بِالْحُسْنِ الْجَمِيْلِ، وَ اذْكُرْ آلَائِيْ وَ إِحْسَانِيْ، وَ ذَكِّرْهُمْ ذٰلِكَ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْرِفُوْنَ مِنِّيْ إِلَّا الْجَمِيْلَ."

[ضعيف جداً] (كما في الإحياء للغزالي ج٤ ص١٤٢)

(٣٧٨) ترجمہ: امام غزالیؒ نے 'احیاء العلوم' میں ذکر کیا اور اس کو کسی جانب منسوب نہیں کیا، روایت میں ہے کہ حق جل مجدہ نے داؤد علیہ السلام پر وحی نازل کی۔

مجھ سے محبت رکھو اور میرے دوستوں سے بھی محبت رکھو اور میری محبت میری مخلوق

کے دل میں جاگزیں کرو۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: ربّ العزت! آپ کی محبت آپ کی مخلوق کے دل میں کس طرح پیدا کروں؟ حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا: میرا ذکر و تذکرہ میری صفاتِ حسن، صفاتِ حمیدہ، صفاتِ جمیل کے ساتھ بندوں کے درمیان کیا کرو (یعنی بندہ خواہ کتنا ہی گندا ہو میں نے اپنی نعمتوں میں کمی نہیں کی۔ کتنا ہی سنگین جرم کرے میں پردہ پوشی کرتا ہوں۔ لوگوں کے درمیان رسوائی سے بچاتا ہوں۔ جن اعضا سے گناہ کرتا ہے اس کی طاقت سلب نہیں کرتا، انہی چیزوں کا بندوں میں تذکرہ کرو؛ تاکہ ان کے دل میں لیلیٰ کی جگہ مولیٰ کی محبت پیدا ہو) اور میری کائنات عالم میں تخلیقی نشانیوں کو بتلاؤ، بار باران کا تذکرہ کرو اور میرے بندوں پر کتنے عظیم احسانات ہیں ان کا بھی تذکرہ کرو۔ (یہ کوئی کم احسان ہے کہ میں نے انسان بنایا، حیوان اور درندہ نہ بنایا تو انسانی صفات کے ساتھ رہیں، اپنے رب کو فراموش نہ کریں) اور ان کو تذکیر و نصیحت کرتے رہو کہ وہ مجھ کو نہیں جانتے مگر بھلائی کے ساتھ (نعمتوں کا شکر، خالق کی معرفت، خالق کا حقِ عبودیت، نعمتوں کا صحیح استعمال، کفر و شرک سے اجتناب، معاصی و منکرات سے علیحدگی، یہ سب چیزیں بندہ کو بندہ بنادیتی ہیں۔) (احیاء العلوم غزالی ۴/۱۴۲)

حضرت داؤد علیہ السلام کا بارگاہِ ربّ العزت میں سوال

(۳۷۹) و للبیهقی فی شعب الإیمان و ابن عساكر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ:

"قَالَ دَاوٗدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْمَا يُخَاطِبُ رَبَّهٗ: يَا رَبِّ! أَيُّ عِبَادِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ أُحِبُّهٗ بِحُبِّكَ؟ قَالَ: يَا دَاوٗدُ أَحَبُّ عِبَادِيْ إِلَيَّ نَقِيُّ الْقَلْبِ وَ نَقِيُّ الْكَفَّيْنِ، لَا يَأْتِي إِلَى أَحَدٍ سُوْءًا وَ لَا يَمْشِي بِالنَّمِيْمَةِ تَزُوْلُ الْجِبَالُ وَ لَا يَزُوْلُ أَحَبَّنِيْ وَ أَحَبَّ مَنْ يُحِبُّنِيْ وَ حَبَّبَنِيْ إِلَى عِبَادِيْ. قَالَ: يَا رَبِّ! إِنَّكَ لَتَعْلَمُ أَنِّيْ أُحِبُّكَ وَ أُحِبُّ مَنْ يُحِبُّكَ فَكَيْفَ أُحَبِّبُكَ إِلَى عِبَادِكَ؟ قَالَ: ذَكِّرْهُمْ بِآلَائِيْ وَ بَلَائِيْ وَ نَعْمَائِيْ يَا دَاوٗدُ إِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُعِيْنُ مَظْلُوْمًا أَوْ

يَمْشِي مَعَهُ فِي مُظْلِمَتِهٖ إِلَّا أَثْبَتَ قَدَمَيْهِ يَوْمَ تَزُوْلُ الْأَقْدَامُ.“

[ضعيف جداً] (كما في كنزالعمال ج ١٥/ ٤٣٤٦٧)

(٣٧٩) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے ربّ العالمین سے خطاب میں فرمایا: ربّ العالمین! آپ کے تمام بندوں میں آپ کو سب سے زیادہ پسندیدہ بندہ کون ہے؟ تاکہ آپ کی محبت کی وجہ سے میں اس سے محبت کروں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے داؤدؑ! مجھ کو تمام بندوں میں وہ شخص پسند ہے جو پاک دل، صاف ہاتھ، جو کسی کے ساتھ برائی نہ کرے، نہ ہی کسی کی غیبت وچغل خوری کرے، اتنا ثابت قدم ہو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے؛ مگر اس کا قدم شریعت مطہرہ کے احکام سے نہ ٹل سکے، مجھ کو دوست رکھے اور اس کو بھی جو مجھ کو دوست رکھتا ہو اور میری محبت میرے بندوں کے دلوں میں پیوست کرتا ہو، داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: رب العالمین! آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کو دوست رکھتا ہوں، اور اس شخص کو بھی جو آپ کو دوست رکھتا ہے، لیکن آپ کے بندوں کے دلوں میں آپ کی محبت کیسے پیدا کروں اور یہ کیسے ممکن ہے؟ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: میرے بندوں کو میرے وجود کی، توحید کی، مستحق عبادت ہونے کی دلیل کائنات عالم میں میری قدرت ونشانی کے ذریعہ قائل کراؤ اور جو عبادت و اطاعت سے منہ موڑے اس کو میری زبردست وسخت پکڑ سے ڈراؤ، اور مطیع وفرماں بردار شخص کے لیے میری نعمتوں کو یاد دلاؤ (جو اس دنیا میں مل رہی ہیں اور آخرت میں بھی ملیں گی، ورنہ ادنیٰ درجہ ہے کہ موجودہ نعمتوں کو ہی دیکھ کر مطیع وفرماں بردار بن جائے) اے داؤد! وہ بندہ جو کسی مظلوم کی اعانت و مدد کرتا ہے یا مظلوم کی نصرت کے لیے چند قدم چلتا ہے، میں اس کے قدم کو پل صراط پر مضبوط ومستحکم کردوں گا جب کہ عام لوگوں کے قدم اُکھڑ جائیں گے۔

حق جل مجدہ کی محبت خاصانِ حق کی علامت ہے

حق جل مجدہ کی ذات سے محبت کمال ایمان اور خاصان حق میں ہونے کی دلیل

ہے۔قرآن مجید نے اس عظیم نعمت کے حصول کا بہت ہی اہم اور آسان نسخہ تجویز کیا ہے۔

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾

کہہ دیجیے اے محمد ﷺ! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ کی محبت کا نسخہ اعظم بتلایا گیا ہے اتباعِ رسولِ اعظم ﷺ، ہماری کیا مجال و بساط کہ ہم حق جل مجدہ سے محبت کریں اور محبت کا دعویٰ کریں، ہاں! رسول اللہ ﷺ پر فدا ہو جائیں، جتنی فدائیت ہوگی اتنی حق تعالیٰ سے قربت و محبت ہوگی اور اسی کے بقدر اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

حضرت حسن بصریؒ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! ہمیں اپنے رب سے شدید محبت ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی علامت کے طور پر اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ نازل فرمائی کہ دعویٔ محبت کو اس کسوٹی پر پرکھ لو۔ دیکھ لو رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں خاص برکت کا راز یہ ہے کہ جو شخص آپ کی ہیئت بناتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کو محبت اور پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا ہم شکل ہے۔ یہ وصول الی اللہ کا سب سے اقرب ترین طریقہ ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ فکر و نظر کو اتباعِ رسول ﷺ کے تابع کر دے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک موقع پر فرمایا:

جو شخص جتنا سنت کا اہتمام کرے گا اتنا ہی اسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا چلا جائے گا۔

قرآن حکیم میں حضرت حق جل مجدہ نے ایمان والوں کے لیے خبر دی ہے کہ ﴿وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے۔

ایمان والوں کو پوری کائنات عالم میں ہر فانی کے مقابلہ میں باقی سے اور آفاق و

انفس کی ہر شئے سے بالاتر حق جل مجدہ سے محبت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی أَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ یُحِبُّکَ وَ الْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِی حُبَّکَ. اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ إِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَ مَالِیْ وَ أَھْلِیْ وَ مِنَ الْمَاءِ البَارِدِ.

اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور ان خاصانِ حق کی محبت کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں۔ اور ایسے عمل کی توفیق دیجیے جو آپ کی محبت تک ہم کو پہنچادے۔ یا اللہ! آپ اپنی محبت غالب کردیجیے میری جان، میرے مال، اور اہل و اولاد پر اور سخت پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی کی طلب سے زیادہ آپ کی محبت کی طلب و جستجو ہو۔

اہل اللہ یا خاصانِ حق آخر حضورِ حق میں مقبول و محبوب کیوں ہوتے ہیں؟ آخر کون سی خوبی، کون سی ادا ان میں ہوتی ہے جو ان کو حق آگاہ بنادیتی ہے۔ جبکہ وہ بھی تو ہماری طرح ایک بشر ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ان کے سینے میں ایک دل ہے اور اس دل میں خالقِ ارض وسماء ہے۔ ہمارا دل لاتعداد بتوں کا کباڑ خانہ ہے۔ کہیں مال کا بت، کہیں جاہ کا بت، ہم نے اپنے دل کو بت خانہ بنایا نہ کہ خانۂ حق۔ دل کو ہم نے معصیت کے دلدل میں پھنسادیا ہے۔ اے کاش کہ ہم نے دل کو کسی دل والے کے آئینہ میں دیکھا ہوتا تو ہمیں احساس ہوتا کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے کیا خوب کہا ہے:

آئینہ بنتا ہے رگڑیں لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

دوستو! دل کو بنانا ہے تو کسی صاحب دل کی ہم نشینی اختیار کرو۔ پھر آپ کے دل میں اللہ ہوگا اللہ کا نور ہوگا۔ اللہ کی معرفت ہوگی، قرآن کا نور ہوگا، تقویٰ کی راہ آسان ہوگی، دل کو اغیار سے نفرت ہوگی، ذکر اللہ کی طمانیت ہوگی، پھر آپ مردانِ حق آگاہ

ہوں گے، حضورِ حق کے حق آگاہ ہوں گے، کیا خوب کہا ہے خواجہ صاحبؒ نے:

کس کام کا وہ دل ہے جس دل میں تو نہ ہو
بس نام کا وہ گل ہے جس گل میں بو نہ ہو

پھر کیا ہوگا:

ہٹتا نہیں خیال کسی دم حبیب کا
وہ مست ہوں میں نغمۂ اِنّی قریب کا

جناب رسول اللہ ﷺ نے کس دل سوزی و دل دوزی کے ساتھ حق جل مجدہ سے حق تعالیٰ کی محبت کا سوال کیا ہے اس کا اندازہ آپ کی مناجات کے عمیق الفاظِ نبوت سے ظاہر ہوتا ہے، نہ معلوم فداہ ابی وامی ﷺ نے رحمتِ حق کے خزانہ عرش عظیم کی کس موجِ نبوت میں یہ الفاظ کہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ الْأَشْیَاءِ إِلَیَّ وَا جْعَلْ خَشْیَتَکَ اَخْوَفَ الْأَشْیَاءِ عِنْدِیْ وَ اقْطَعْ عَنِّیْ حَاجَاتِ الدُّنْیَا بِالشَّوْقِ إِلٰی لِقَائِکَ وَ إِذَا اَقْرَرْتَ أَعْیُنَ أَھْلِ الدُّنْیَا مِنْ دُنْیَاھُمْ فَاَقْرِرْ عَیْنِیْ مِنْ عِبَادَتِکَ. آمین.

یا اللہ کر دے مجھے اپنی محبت کو تمام چیزوں سے مرغوب تر اور کر دے میرے نزدیک اپنے ڈر کو خوفناک تمام چیزوں سے اور قطع کر دے مجھ سے دنیا کی تمام حاجتیں۔ اپنی ملاقات کا شوق دے کر اور جبکہ ٹھنڈی کر دی ہیں تو نے اہل دنیا کی آنکھیں ان کی دنیا سے، تو ٹھنڈی کر دے میری آنکھ اپنی عبادت سے۔

نبی رحمت ﷺ کی اس مناجات کو از اوّل تا آخر پڑھ جایئے اور تھوڑی دیر کے لیے علائق سے اپنے دیدۂ باطن کو پاک کر لیجیے اور ذوقیات کی حس کو تیز کیجیے اور تجلیاتِ نورِ نبوت میں غوطہ لگا کر دیدۂ باطن میں بقدرِ ہمت واردات غیبی کے آئینہ میں لقاءِ رب کے شوق کو جملہ حاجات وطلبات پر غالب رکھیے، دنیادار اپنی فانی وخاکی دنیا پر خوش نظر آئے تو آپ اپنے ربِ باقی کی عبادت سے شاداں وفرحاں رہیے، دنیاءِ فانی پر نازاں رہنے والا ندامت

وحسرت کے ساتھ فنا ہوجائے گا اور ربّ کریم کی عبادت سے دل کو تسکین دینے والا ابدی بقاء کا انعام پائے گا۔

ایک موقع پر نبی اُمی فداہ ابی وامی ﷺ نے دعا کی ہے:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ یَنْفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَکَ، اَللّٰھُمَّ کَمَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً لِیْ فِیْمَا تُحِبُّ اَللّٰھُمَّ وَ مَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ فَرَاغًا لِیْ فِیْمَا تُحِبُّ.

یا اللہ! نصیب کر مجھے اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جس کی محبت میرے لیے کارآمد ہو تیرے نزدیک۔ یا اللہ جس طرح تو نے مجھے دیا ہے جو کچھ مجھے پسند ہے تو کر دے اسے معین میرا اس کام میں جو تجھے پسند ہے۔ یا اللہ اور جو کچھ دور کیا تو نے مجھ سے ان چیزوں میں سے جو مجھ کو پسند ہے تو کر دے اسے میرے حق میں فراغ ان چیزوں کے لیے جو تجھے پسند ہے۔

ان دعاؤں میں رسول اللہ ﷺ نے حق تعالیٰ سے حق تعالیٰ کی محبت کا سوال کیا ہے۔ آج تو محبت کی بات نہ ہوتی ہے نہ ہی محبت کی بات کرنے والا کوئی ہے اور اگر حق تعالیٰ سے محبت کی بات کی جائے تو اچھے خاصے لوگ تعجب و تحیر نہیں بلکہ مجرم گردانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت۔ ہم نے عوام کو ہمیشہ حق تعالیٰ سے ڈرایا اور دور کیا، محبت کی راہ نہ دکھلائی نہ قریب کیا، ہم نے اپنے خالق و مالک کو پہچانا ہی نہیں، عوام تو عوام خواص بھی محبت سے آشنا نہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے پوری قوت و طاقت کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت حق تعالیٰ سے مانگی ہے۔ دوستو! عبادت و اطاعت، امتثالِ اوامر یا اجتنابِ نواہی ومنکرات، اوراد واذکار سبھی اعمالِ خیر میں دو شان ہے؛ ایک خوف وخشیت اور عذاب وعقاب سے تحفظ کے داعیہ کے تحت۔ یعنی عبادت و اطاعت حق تعالیٰ کے عذاب وعقاب سے بچنے کے لیے کی جائے تاکہ حق جل مجدہ کا عذاب وعقاب نہ ہو۔ یہ بھی محمود وقابل ستائش ہے، مگر کبھی یہ ذہول کے وقت معاصی کا مرتکب بھی ہوگا اور عبادت میں خلل بھی آسکتا ہے اور

ایک شان ہے حق جل مجدہ کی محبت وعظمت کی بناء پر شوق و ذوق میں وظیفہ عبدیت کو ادا کر کے گناہ و معاصی کو اللہ پاک کی عظمت و محبت میں چھوڑتا ہے۔ عذابِ جہنم کے خوف سے نہیں۔ عبادت سے قرب کا طالب ہے جنت کا نہیں، اذکار و اوراد کی پابندی محبت سے حکم ربی جان کر رضا و رب کا طالب بن کر ادا کرتا ہے نہ کہ احوال و مشاہدہ میں مزہ کا طالب بن کر طالبِ رضاءِ مولیٰ کے اعمال میں خلل وفتور نہیں آئے گا۔ ہر قدم منزل کی طرف تیز تر ہوگا، جامِ محبت کا خمار استقامت عبادت واطاعت کی راہ کو شوقِ محبت میں آسان کرتی ہوئی گام بگام قرب کی لذت میں محبت کو مستحکم کرتی ہوئی ہر خواہشِ نفسانی کو مرضیاتِ ربانی پر قربان کردے گی۔ محبت کی لذت پُر خار وادیوں کو طے کرادیتی ہے۔ محبت اتباع پر مجبور کردیتی ہے کیوں کہ اس میں رضائے رب اور حضورِ حق کی حضوری کا استحضار، شوقِ لقاءِ رحمٰن کا داعیہ، آتشِ محبت کو دیدۂ باطن میں گرم کرتی رہتی ہے۔ جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے۔ جب لگ جاتی ہے تو پھر سرد نہیں ہوتی، مگر یہ لگتی ہے اللہ والوں کی جوتیوں میں، چراغ سے چراغ جلتا ہے، سراج سے سراج۔ اللہ والوں کے پاس اللہ ملتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ کُنْ لِیْ وَ اجْعَلْنِیْ لَکَ۔

دوستو! اس محبت کا چسکا جس کو لگ گیا ہے اس سے پوچھو یہ کیسا آبِ حیات اور غیر محدود جامِ محبت ہے۔ یہاں سیرابی ہوئی نہیں، طلب بجھتی نہیں، تحیر بڑھتا ہے، بے قراری میں قرار ہے، جستجو میں وصال ہے۔ ہر لذتِ قرب پر صد بار استغفار ہے بالآخر نہ تو قرار ہے، نہ ہی راہِ فرار ہے۔ اسی عالم بے قراری کا نام اہل اللہ کے نزدیک وصالِ یار ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُکَ لَذَّۃَ النَّظَرِ اِلَی وَجْھِکَ وَ الشَّوْقِ اِلَی لِقَاءِ کَ مِنْ غَیْرِ ضَرَّاءٍ مُضِرَّۃٍ وَ فِتْنَۃٍ مُضِلَّۃٍ .اَللّٰھُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَۃِ الْاِیْمَانِ.

مطیع وعاصی کا واضح فرق

(۳۸۰) و للدیلمی فی مسند الفردوس و ابن عساکر عن أبی ھند الداری رضی اللہ عنہ:

"قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: اُذْکُرُوْنِیْ بِطَاعَتِیْ اَذْکُرُکُمْ بِمَغْفِرَتِیْ فَمَنْ

ذَكَرَنِیُ وَ هُوَ مُطِيُعٌ لِی فَحَقٌّ عَلَیَّ أنُ أَذكُرَهُ مِنِّیُ بِمَغُفِرَتِیُ، وَ مَنُ ذَكَرَنِیُ وَ هُوَ لِیُ عَاصٍ فَحَقٌّ عَلَیَّ أَنُ أَذُكُرَهُ بِمَقُتٍ." [ضعيف] (كما في الإتحافات / ٨٩)

(۳۸۰) ترجمہ: ابوہند داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ نے فرمایا: تم میری اطاعت کے ذریعے مجھے یاد رکھو! میں تمھیں تمہاری مغفرت کے ساتھ یاد رکھوں گا؛ کیوں کہ جو مجھے یاد رکھتا ہے اور میرا مطیع رہتا ہے، تو میرا حق ہے کہ میں اس کو اپنی مغفرت کے ساتھ یاد رکھوں اور جو مجھے یاد تو رکھتا ہے، حالاں کہ وہ میری نافرمانی بھی کرتا ہے، تو میرا حق ہے کہ میں اس کو اپنی ناراضگی کے ساتھ یاد رکھوں۔

امتثالِ اوامر اور اجتنابِ نواہی پر نعمتِ خاص

اس 'حدیث قدسی' میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: وہ بندہ جو حق جل مجدہ کی یاد میں بصورتِ عبادت واطاعت مصروف رہتا ہے، حق جل مجدہ اس کو اپنی مغفرت کے ساتھ یاد رکھتے ہیں۔

حق جل مجدہ کے مغفرت کے ساتھ یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ: حق جل مجدہ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں؛ کیوں کہ جو شخص حق جل مجدہ کی عبادت واطاعت کو اپنی زندگی کا مقصد اور ابدی سرمایۂ حیات بنالیتا ہے اور ربّ العالمین کی عبادت واطاعت کو اپنی جان پر یوں لازم کرلیتا ہے کہ اپنی زندگی کا اصل معیار، معبودِ حقیقی کی بندگی امتثالِ اوامر اور اجتنابِ مناہی کو سمجھنے لگتا ہے، تو حق جل مجدہ ایسے توفیق یافتہ شخص کے لیے پیغامِ ابدی جاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ذمے از راہِ کرم وعنایت مغفرت وبخشش لے لی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جب بندہ عبادتِ الٰہی کی ذمہ داری محسوس کرلیتا ہے، تو اللہ عزوجل بھی مغفرت کا ذمہ لے لیتے ہیں۔

اقسامِ ذِکر

ذکر کی کئی قسمیں ہیں: (۱) ذکرِ لسانی (۲) ذکرِ قلبی

ذکر کی یہ دونوں قسمیں مشائخ کے یہاں معمول بہ ہیں۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذاکر، ذکرِ لسانی میں، جو کچھ الفاظ ادا کرتا ہے اس سے غافل ہوتا ہے؛ لیکن ثواب کے اعتبار سے اس ذکر میں کوئی کمی نہیں آتی۔ مشائخ کبھی ذکرِ قلبی کی تعلیم فرماتے ہیں۔

ذکرِ قلبی اعلیٰ درجے کی افضلیت کا حامل ہے۔ حدیث میں ذکرِ قلبی کو کئی درجہ زیادہ باعثِ ثواب بتلایا گیا ہے۔ مشائخِ نقشبندیہ کے یہاں تو اوّل تا آخر ذکرِ قلبی ہی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ذکر، خواہ قلبی ہو یا لسانی محمود ہی محمود ہے۔ مشائخِ نقشبندیہ کے یہاں 'سرالاسرار' کی تعلیم دی جاتی ہے؛ تاکہ ہر سانس ذکر سے معمور و منور رہے اور کوئی سانس غفلت سے نہ لیا جائے اور پتہ بھی کسی کو نہ ہو، سوائے اس کے جس کا نام لیا جارہا ہے۔

مذکورہ بالا ذکر کی قسموں کے علاوہ ذکر کی ایک اور قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان مکمل نمونۂ ذکر بن جائے۔ یعنی انسان اپنی طبیعت کو مکمل طور پر تابعِ شریعت بنادے اور جملہ اعضاء و جوارح شریعت اور پابندِ قرآن و سنت بن جائیں۔ حدیث مذکور میں بھی ذکر سے یہی ذکر مراد ہے۔

خلاصہ یہ کہ ذکر کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو میں نے پہلے بیان کیا کہ اذکارِ مسنونہ و ماثورہ کا ورد کیا جائے۔ یہ بھی عظیم نعمت ہے اور اس عظیم نعمت سے وہی خاصانِ حق واقف ہیں جو اس کا ذائقہ چکھ چکے ہیں اور جن کو اس کا چسکا لگ چکا ہے۔ یہ فضلِ حق، خاص اس کی دی ہوئی توفیق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غفلت سے ہماری حفاظت فرمائے! آمین ثم آمین۔

مذکورہ حدیث میں حق جل مجدہ نے فرمایا: "**فمن ذکرنی و ھو مطیع (لی)**" اس میں لفظ "**مطیع لی**" سے ایک صورتِ خاص جو متعین ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ذکر سے مراد، اوپر مذکورہ قسموں میں سے تیسری قسم یعنی مکمل طور پر پابندِ شریعت بننا ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ قرآن و احادیث میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حدود الٰہی کی نگہداشت، اقامتِ حدود، جہاد فی سبیل اللہ، قیامِ امن، سیاستِ مدنیت، معاملاتِ بیع و شرا، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، وعظ و نصیحت، تبلیغ و تعلیم، درس و تدریس، الغرض ان تمام پر مجموعی حیثیت سے

ذکر کا لفظ بولا جاتا ہے۔

قرآنِ حکیم تمام اذکار کا جامع ہے

اسی وجہ سے قرآن حکیم کو ذکر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿اِنَّـا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ﴾ ہم نے 'ذکر' یعنی قرآن کو نازل فرمایا۔

دراصل قرآن ہی دینِ حنیف کا 'اصل الاصول' ہے۔ لہٰذا حدیث میں ذکر سے مراد تمام انواع عبادات اور تمام انواع معاملات اسلامی داخل ہیں۔

حدیث مذکور میں آگے وارد ہوا ہے: "وَ مَـنۡ ذَکَـرَنِـیۡ وَ هُوَ لِی عَاصٍ ، فَحَقٌّ عَلَیَّ أَنۡ اَذۡکُرَهُ بِمَقۡتٍ".

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث کے اس جزء میں ان لوگوں کے لیے "تـغـلـیـظ" و "تـنفیر" ہے، جو معصیتِ الٰہی پر مصر رہتے ہیں۔ یعنی معصیتِ الٰہی میں بھی یک گونہ تذکیرِ الٰہی ہے اور وہ یوں کہ ایک شخص شراب پیتا ہے یا زنا کرتا ہے، تو گویا وہ حق تعالیٰ کے عذاب یا وعید پر جری بنتا ہے، جیسا کہ بعض دوسری احادیث میں آیا ہے:

......"أَ بِیۡ یَغۡتَرُّوۡنَ"......أَمۡ عَلَیَّ یَجۡتَرِؤُنَ"......(ترمذی ،باب الفتن)

تو حدیث کے اس جزء کا مفہوم یوں ہوا:

فِیۡهِ تَغۡلِیۡظٌ وَ تَنۡفِیۡرٌ مِنَ الۡاِصۡرَارِ عَلٰی مَعۡصِیَّةِ اللّٰهِ.

ذکر اللہ ہر حال میں جائز ہے

حق جل مجدہ کے ذکر کے لیے کوئی وقت مخصوص نہیں، نہ کوئی خاص حالت یا کیفیت مطلوب ہے، علماءِ اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ ذکر خواہ قلبی ہو، یا لسانی، وضو غیر وضو، جنابت، حیض، حالتِ نفاس، ہر حال میں جائز ہے۔ ذکر خواہ تسبیح: سُبۡـحَـانَ اللّٰـه، تحمید: اَلۡـحَمۡدُ لِلّٰه، تہلیل: لاالٰه إلا اللّٰه، تکبیر: اللّٰهُ أَکۡبَر ، یا صلاۃ وسلام ہو، یا مناجات ودعا ہو، یاد رہے یہ بحث صرف جواز اور عدم جواز میں ہے نہ کہ افضل اور غیر افضل میں کیوں کہ افضل تو یہی

ہے کہ اکمل طہارت میں ہو۔ واللہ اعلم!

ذکرِ کثیر پر مغفرت واجرِ عظیم کا وعدہ کیا

حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

﴿وَ الذّٰاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰاکِرَاتِ، اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَغْفِرَۃً وَ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (احزاب:۳۵)

اور بکثرت اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

ایمان والوں کو قرآن حکیم نے ذکرِ کثیر کا حکم دیا ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا﴾ (احزاب: ۴۱)

اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔

قرآن حکیم میں بے شمار مواقع پر حق جل مجدہ نے ایمان والوں سے مطالبہ کیا ہے کہ خوب کثرت سے "اللہ اللہ" کیا کرو۔ کیونکہ اصلی زندگی وہی ہے جو یادِ حق میں مصروف ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہؓ نے سوال کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مفردون کون لوگ ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اَلذّٰاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰاکِرَاتُ (مسلم) خوب کثرت سے اللہ پاک کو یاد کرنے والے مرد و عورت۔ اتنی بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حق جل مجدہ کی یاد اللہ جل مجدہ کا مطالبہ ہے۔ اور وہ بھی خوب کثرت سے مگر کثرت کی مقدار متعین نہیں کی گئی کہ کتنی کثرت ہو، جو ذکرِ کثیر میں داخل ہو جائے۔ یا اس پر ذکرِ کثیر کا حکم لگ جائے اور ہم حکمِ الٰہی کے پورا کرنے والے بن جائیں۔

جہنم میرے بندہ کو چھوڑ دو

(۳۸۱) و للدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ:

"إِنَّ الرَّجُلَ لَيُجَرُّ إِلَى النَّارِ فَتَنْزَوِى النَّارُ وَ يَقْبِضُ بَعْضُهَا بَعْضًا، فَيَقُوْلُ لَهَا الرَّحْمٰنُ : مَا لَكِ؟ فَتَقُوْلُ : إِنَّهُ كَانَ يَسْتَجِيْرُ مِنِّىْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى: أَرْسِلُوْا عَبْدِىْ." [ضعيف] (كما فى كنز العمال ج ۱ /۲۱۲۸)

(۳۸۱) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک شخص کو گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جایا جارہا ہوگا، سوآگ سمٹ جائے گی اور بعض حصہ جسم کو کھالے گی۔ حق جل مجدہ جہنم سے معلوم کریں گے کہ اس شخص کو کیا ہوگیا؟ جہنم عرض کرے گی: رحمٰن و رحیم وہ شخص میری آگ سے پناہ چاہ رہا ہے، حق جل مجدہ فرمائیں گے: اے جہنم! میرے بندہ کو چھوڑ دو۔

غیظ وغضب میں اللہ پاک کا ذکر کرنا

(۳۸۲) و للديلمى عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: مَنْ ذَكَرَنِىْ حِيْنَ يَغْضَبُ ذَكَرْتُهُ حِيْنَ أَغْضَبُ وَ لَا أَمْحَقُهُ فِيْمَنْ أَمْحَقُ. [ضعيف] (كما فى كنز العمال ج ۳/ ۷۷۱۸)

(۳۸۲) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ نے فرمایا: جو شخص حالتِ غیظ وغضب میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں جب کل قیامت میں غضب کی حالت میں ہوں گا اس کا ذکر کروں گا اور اس کو اس دن اہلِ غضب میں شامل نہیں کروں گا۔ (یعنی میں حالتِ غضب میں بھی اس پر مہربان ہوں گا، جس طرح اس نے حالت غضب میں، دنیا میں مجھ کو یاد رکھا تھا۔)

غصّے کی حالت میں ذکر کے فوائد

حق جل مجدہ نے یہاں بھی ذکر و یاد ہی کی ہر حال میں ترغیب دی ہے کہ انسان پر اس دنیا میں مختلف احوال آتے ہیں خواہ ذاکر ہو یا نہ ہو۔ کبھی سرور و مسرت اور کبھی غیظ و غضب، بہرصورت اگر حق جل مجدہ کو یاد رکھتا ہے، تو حق تعالیٰ قیامت کے دن جب نفسی

نفسی کا عالم ہوگا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی، ”رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ“ کی صدا لگا رہے ہوں گے، اس عالم میں یہ بندۂ حق، ذاتِ حق کی رحمت وعنایت کے سایہ میں، حالتِ سکون وسرور اور فرحت ومسرت کی سانس لے رہا ہوگا۔ لوگ بلبلا رہے ہوں گے اور یہ موجِ رحمت میں شاداں وفرحاں ہوگا۔ پھر عین حالتِ غضب میں ذکر کرنے کا دنیاوی فائدہ بھی ہے کہ ذکر کی برکت سے غضب کی کیفیت ختم ہوگی، جذبۂ انتقام رفع ہوگا۔ ظلم وزیادتی سے بچے گا، دل میں اللہ کی عظمت کا حقیقی اعتراف اسی وقت موجزن ہوکر، دائمی ذلت سے بچائے گا کہ ایک دن آنے والا ہے جس دن مولائے حقیقی غضب میں ہوں گے آج کی نرمی پر مجھ سے کل درگزر کریں گے!

دنیا کے مشغلوں میں بھی یہ باخدا رہے
یہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدا رہے

ظفؔر آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم وذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

غصّے کے وقت حق جل مجدہ کو یاد رکھنے کا مقام

(۳۸۳) و لابن شاهين عن ابن عباس رضی اللہ عنہ:

”يَقُوْلُ اللّٰهُ: اِبْنَ آدَمَ! اُذْكُرْنِىْ حِيْنَ تَغْضَبُ أَذْكُرْكَ حِيْنَ أَغْضَبُ وَ لَا أَمْحَقُكَ فِيْمَنْ أَمْحَقُ.“ [ضعيف] (كما فى كنز العمال ج ۳/ ۷۷۱۹)

(۳۸۳) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ فرماتے ہیں: ابن آدم! جب تجھے غصہ آیا کرے اس وقت مجھ کو یاد کرلیا کر۔ میں تجھ کو قیامت کے دن حالتِ غیظ وغضب میں رحمت کے ساتھ یاد رکھوں گا اور تجھ پر میرا عتاب وعقاب نہ ہوگا اہلِ عتاب وعقاب کے ساتھ۔

غصّے کو عظمت و کبریائی حق سے بدل دینا

غصّے کو ضبط کر لینا، عظمتِ حق سے بدل دینا شیوۂ محسنین و صالحین ہے۔ حق جل مجدہ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے۔

﴿وَ الْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾

غصّے کو ضبط کرنے والے، لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیکو کار اللہ کو محبوب ہیں۔ (آل عمران: پارہ:۴، آیت ۱۳۴)

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث مرفوع میں ہے:

''مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَ ھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی إِنْفَاذِہٖ مَلَأَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَلْبَہٗ اَمْنًا وَ اِیْمَانًا''

جس شخص نے اپنے غصّے کو ضبط کرلیا جبکہ وہ اس کو نافذ کرسکتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو امن وایمان سے بھر دیتے ہیں۔

مسند احمد میں ایک روایت حضرت انسؓ کی ہے:

''مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَ ھُوَ قَادِرٌ عَلٰی أَنْ یُنَفِّذَہٗ دَعَاہُ اللّٰہُ تعالٰی عَلٰی رُؤُسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰی یُخَیِّرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ أَیِّ الْحُوْرِ شَاءَ.

جس شخص نے اپنے جذبۂ انتقام کو ضبط کرلیا جبکہ وہ اس کو نافذ کرسکتا تھا، تو حق تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اختیار دیں گے کہ جس حور کا چاہے انتخاب کرلے۔ (روح المعانی:۲/۲۷۳)

غیظ وغضب کے وقت انسان عام طور پر اپنے صحیح رخ سے ہٹ جاتا ہے اور نفس و شیطان کا حملہ آسان تر ہوجاتا ہے۔ ربّ کریم نے اس وقت ہدایت دی کہ ممکن ہے تمہارا قدم غلط اور بالکل ہی غلط ہو، اس لیے ایسے وقت میں تم داعیہ غضب کو نافذ نہ کرو۔ اور اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کیوں کہ کل قیامت کے دن جب تمہارا رب غضب میں ہوگا اس وقت تم کو اپنی رحمت کے ساتھ یاد رکھے گا۔

اس کی مثال بعینہٖ اسی طرح ہے کہ حاکمِ وقت عدالت میں ایک ہی وقت میں مجرمین

پر غضبناک ہوتا ہے اور محبین کے ساتھ نرم برتاؤ کرتا ہے، ایک کو نظرِ غضب سے دیکھتا ہے اور ایک کو شفقت کے ساتھ۔ ظفر بھی کہتا ہے ؂

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانئے گا، وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

خاصانِ حق کی زبان سے انبیاء علیہم السلام جیسی حکمت کی باتیں نکلتی ہیں

(٣٨٤) ولأبی نعیم فی الحلیة عن الحسن رضی اللہ عنہ مرسلا:

"یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : إِذَا کَانَ الْغَالِبُ عَلَی الْعَبْدِ الْاِشْتِغَالُ بِیْ جَعَلْتُ بُغْیَتَهُ وَ لَذَّتَهُ فِیْ ذِکْرِیْ، فَإِذَا جَعَلْتُ بُغْیَتَهُ وَ لَذَّتَهُ فِیْ ذِکْرِیْ عَشِقَنِیْ وَ عَشِقْتُهُ، فَإِذَا عَشِقَنِیْ وَ عَشِقْتُهُ رَفَعْتُ الْحِجَابَ فِیْمَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُ، وَ صَیَّرْتُ ذٰلِکَ تَغَالُبًا عَلَیْهِ لَا یَسْهُوْ إِذَا سَهَا النَّاسُ، اُولٰئِکَ کَلَامُهُمْ کَلَامُ الْأَنْبِیَاءِ، أُولٰئِکَ الْأَبْطَالُ حَقًّا، أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ إِذَا أَرَدْتُ بِأَهْلِ الْأَرْضِ عُقُوْبَةً أَوْ عَذَابًا ذَکَرْتُهُمْ فَصَرَّفْتُ ذٰلِکَ عَنْهُمْ."

[ضعیف جداً] (کما فی کنزالعمال ج ١/ ١٨٧٢)

(۳۸۴) ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے، حق جل مجدہ فرماتے ہیں: جب بندہ کی زندگی کے اغلب واکثر احوال یاد وذکرِ الٰہی میں گزر جاتے ہیں، تو اس بندہ کی آخری جستجو وطلب اور فرحت ولذت مَیں اپنی یاد وذکر کو بنا دیتا ہوں اور ذاکر بندہ کی تمام مطلوب ومقصود جب میری یاد ہو جاتی ہے، تو وہ مجھ سے عشق کرنے لگتا ہے اور میں بھی اس بندہ سے محبت وپیار کرنے لگتا ہوں، پھر یہ جانبین میں راہِ محبت وپیار کا سلسلہ مستحکم ہو جاتا ہے، تو میں ان تمام حجابات کو جو میرے بندے اور میری ذات کے درمیان ہوتے ہیں، اُٹھا دیتا ہوں اور یہ کیفیت بندہ پر غالب اوقات میں رکھتا ہوں (کہ میرے اور اس کے مابین حجاب نہیں ہوتا) پھر اس بندۂ خاص پر ذہول وغفلت اور سہو ونسیان نہیں آسکتا جب کہ عام لوگ ذہول وسہو میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی بات کا اثر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کلام کی طرح مؤثر فی القلوب ہوا کرتا ہے، ایسے لوگ یقیناً مقربینِ بارگاہِ حق ہوتے ہیں۔ یہ ایسے مقدس ومحترم ہوتے ہیں کہ جب میں اہلِ زمین پر سزا وعقاب کا ارادہ کرتا ہوں، تو ان مقدس ومحترم خاصانِ حق کی برکت سے عام اہلِ زمین سے عذاب پھیر دیتا ہوں۔

خاصانِ حق سے غیبی حجابات اُٹھا دیے جاتے ہیں

حق جل مجدہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ اپنی زندگی کا مطلوب ومقصود اپنی چاہت و مراد اور سرمایۂ زندگی کا سب سے آخری اور قیمتی اثاثہ میری یاد و ذکر کو بنالیتا ہے، تو پھر میں ایسے بندہ سے محبت و پیار کرتا ہوں کہ ہر وقت اپنی ہی یاد میں مشغول ومصروف رکھ کر اس کی زندگی حفاظت وحراست کے ساتھ گزارتا ہوں کہ محبّ، محبوب کی نگرانی کرتا ہی ہے اور اس پر مزید کرم یہ کرتا ہوں کہ عالمِ غیب کی مغیبات سے حجابِ نورانی کو اُٹھا کر جملہ اسرار ورموز بغیر کسی بیان کے عیاں کر دیتا ہوں، پھر کوئی بھید اس پر بھید نہیں اور کوئی راز اس پر راز نہیں اور جب یہ کیفیت عطا کر دی جاتی ہے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح اس کی باتوں میں اثر، رموز واسرار کے موتی، علل وحکم کے دریا اس کے کلام میں رواں ہوتے ہیں کہ جو کچھ زیرِ زبان لاتا ہے یا زیرِ زبان آتا ہے، وہ سب ہی عالمِ غیب کے علوم سے ہوتے ہیں کہ غیب اس پر منکشف ہو چکا ہوتا ہے۔ اسی کو فارسی میں کہا گیا ہے:

بینی اندر دل علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

انسانی زندگی کا جب مایہ اصلی یادِ الٰہی بن جائے تو پھر عالمِ مثال یا عالمِ غیب اس پر ایسا ہوتا ہے، جیسا کہ کسی بڑے محقق عالم کے لیے ا، ب، ج کا قاعدہ بغدادی، مگر شرط اس کی وہی ہے کہ پہلے وہ سب کچھ کو ذاتِ حق کے لیے یادِ حق میں قربان کر چکا ہو۔ واللہ اعلم!

اولیاء اللہ یا خاصانِ حق کی علامت

اِس حدیثِ قدسی میں حق جل مجدہ نے اولیاء اللہ کی علامت بھی بتلائی ہے۔

(۱) اَلْغَالِبُ عَلَی الْعَبْدِ الْاِشْتِغَالُ بِیْ (۲) جَعَلْتُ بُغْیَتَهٗ وَ لَذَّتَهٗ فِیْ ذِکْرِیْ

(۱) پہلی چیز یہ کہ اکثر اوقات یادِالٰہی میں گزرے (۲) دوسری چیز یہ کہ دنیا کی سب سے قیمتی چیز اور زندگی کی آخری چیز یادِالٰہی ہو اور سب سے اہم ترین نعمت ذکر اللہ ہو۔ ہمارے اکابر نقشبندیہ کے یہاں جو ہوش در دم کا اصول ہے، غالبًا اس کی اصل یہ حدیث قدسی ہے، ان کے یہاں حضوری شرطِ اول ہے، وہ ذکر جس میں خلل آجائے ذکر نہیں۔ سچی بات تو یہی ہے کہ ذکر کا لفظ بھی گہری یاد پر بولا جائے گا جو خلل وفتور سے پاک ہو، حق جل مجدہ ہم کو اپنی حضوری عطا فرمائے آمین۔ دوسری حدیث میں اولیاء اللہ کی علامت، اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَ الْبُغْضُ لِلّٰہِ، محبت وبغض اللہ کے لیے ہو۔ ان کی مجالس میں بیٹھ کر دنیا سے دل سرد ہوجائے، ان کی شکل دیکھ کر یادِالٰہی آجائے۔

بزرگانِ دین کی برکت سے عذابِ الٰہی ٹل جاتا ہے

ایسے خاصانِ حق کی بنا پر اللہ پاک عام اہلِ زمین سے عذابِ الٰہی کو دور فرماتے ہیں۔ دنیا اہل اللہ اور خاصانِ حق کو اپنے راستہ کی رکاوٹ تصور کرتی ہے؛ مگر ان نفوسِ قدسیہ کے صدقہ جانی و مالی ارضی وسماوی آفتیں ٹلتی ہیں۔ اللہ پاک کی جانب سے عذاب وعقاب کو رفع کر کے رحمت ونعمت کا نزول ہوتا ہے۔ انہی نفوسِ زکیہ و طاہرہ کے ذکر و ذوقِ عبادت سے بقاءِ حیات کی دولت ہاتھ آتی ہے۔ اگر ایسے خاصانِ حق نہ ہوں تو عذاب وعقاب ایک لمحہ وسیکنڈ کی مہلت نہ دے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تک لفظ اللہ، اللہ، کہنے والا ایک شخص بھی کرۂ زمین پر باقی رہے گا، اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ یعنی لفظ اللہ اللہ کی ذاتِ حق جل مجدہ

کے نزدیک اس قدر، قدر ومنزلت رکھتی ہے کہ پوری دنیا سے قیامت کے وقوع کو روکے ہوئی ہے اور جب اللہ پاک قیامت بھیجنا چاہیں گے تو پہلے اس مردِ حق، اللہ کا نام لینے والے کی وفات ہوگی اور پھر قیامت آئے گی۔ الغرض اللہ اللہ کہنا بڑی ہی سعادت وشرافت کی بات ہے۔ جب اللہ، اللہ کہنے والے کی وجہ سے عذاب پوری دنیا سے ٹلتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا مقام ہوگا جس کو اہلِ دنیا بھی اللہ والا کہیں گے، جس طرح علم والا، مال والا، دعوت والا، یہ اللہ والا ہوگا اور اس کو عذاب کیوں کر ہوگا جس کی وجہ سے بلائیں دفع ہوتی ہیں اور اس سے اس کا اندازہ لگایا جائے کہ جو ہمہ وقت اللہ، اللہ ہی کا تصور وخیال اور اسی کی فکر ونظر کو محورِ حیات بنالیا ہو تو پھر ان کی باتیں مثل کلام انبیاء نہ ہوں گی تو پھر کن لوگوں کی ہوگی! اللہ پاک ہمیں اپنا بنالے، اور ہم اللہ پاک کے ہوجائیں، آمین!

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے کیا خوب کہا ہے:

تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہے گی عالم قائم رہے گا۔ جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کرنے کا وقت آ گیا۔

"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُقَالُ فِی الْاَرْضِ اللّٰہ اللّٰہ" جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہوجائے گی۔ کیوں کہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں، اسے گرا دیا جائے گا۔ معلوم ہوا سارے عالم کی روح اللہ کا ذکر ہے۔ مقصودِ اصلی ذکرِ الٰہی ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے، ذاکر کے لیے موت نہیں اور غافل کے لیے حیات نہیں۔ کیوں کہ اصلی زندگی یادِ الٰہی ہے۔ اعمالِ صالحہ دراصل زندگی کے کام ہیں، اسی واسطے حدیث میں آیا ہے: اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ یعنی زندگی والے کام کرتے ہیں، ان کی قبور والی زندگی بھی اعمالِ صالحہ سے معطل نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے اور فتح الباری نے صحیح کہا ہے۔ (محدث کشمیریؒ: ص ۲۱۵)

امام کشمیریؒ نے فرمایا: جس پر ذکر الٰہیہ کا غلبہ ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے ارتکاب میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہے اور جس پر دنیا کا غلبہ ہوتا ہے، وہ صرف ان چیزوں سے بچتا ہے جو اہلِ دنیا کی نظر میں معیوب ہوتی ہیں۔ (اکابر علماء دیوبند: ص۱۴۵)۔

اَللّٰھُمَّ کُنْ لِیْ وَ اجْعَلْنِیْ لَکَ. آمین!

یا حنّان یا منّان کا اثر

(۳۸۵) و للحکیم الترمذی عن جابر رضی اللہ عنہ:

"قَالَ لِیْ جِبْرِیْلُ: یَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُخَاطِبُنِی یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیَقُوْلُ: یَا جِبْرِیْلُ! مَا لِی أَرَی فَلَانَ بنَ فَلَانٍ فِی صُفُوْفِ أَھْلِ النَّارِ فَأَقُوْلُ: یَا رَبِّ! إِنَّا لَمْ نَجِدْ لَہُ حَسَنَةً یَعُوْدُ عَلَیْہِ خَیْرُھَا الْیَوْمَ. فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی: إِنِّی أَسْمَعُہُ فِی دَارِ الدُّنْیَا یَقُوْلُ یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ فَأْتِہِ فَسَلْہُ فَیَقُوْلُ: ھَلْ مِنْ حنَّانٍ وَ مَنَّانٍ غَیْرُ اللّٰہِ؟ فَآخُذُ بِیَدِہِ مِنْ صُفُوْفِ أَھْلِ النَّارِ فَأُدْخِلُہُ صُفُوْفَ أَھْلِ الْجَنَّةِ." [ضعیف] (کما فی الإتحافات ۱۴۱)

(۳۸۵) ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) مجھ سے جبرئیلؑ نے کہا: یا محمد ﷺ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ کو مخاطب کر کے فرمائے گا: اے جبرئیلؑ! کیا بات ہے میں فلاں بن فلاں کو دوزخیوں کی صف میں دیکھ رہا ہوں؟ تو میں (جبرئیلؑ) عرض کروں گا: یارب! میں نے اس کے اعمال نامہ میں ایک نیکی بھی نہ پائی جس کا بدلہ آج اس کو ملتا۔ پھر حق جل مجدہ فرمائیں گے: میں نے اسے دنیا میں یا حنان یا منان کہتے ہوئے سنا تھا، تو اس کے پاس جا اور پوچھو کہ میرے سوا بھی کوئی حنان، منان ہے۔ جبرئیل علیہ السلام اس کا ہاتھ پکڑ کر جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمائیں گے۔

فائدہ: حق جل مجدہ کی ذات بے حد کریم و رحیم ہے، اگر کسی نے ایک دفعہ بھی اس کا نام لے لیا تو اس کا بدلہ ضائع نہیں کرے گی بلکہ اپنے علم وسیع میں محفوظ رکھتی ہے اور بالآخر اس ایک دفعہ حنان و منان کہنے کی بنیاد پر ابدی ذلت سے نجات دے گی

تو ان لوگوں کا کیا مقام ہوگا جو ہمہ وقت ذکر الٰہی میں ہمہ تن منہمک ہیں۔ یقیناً اس کی عدالت عدل و انصاف کا آخری نمونہ ہے (اللہ ہمیں اپنے نام لینے کی توفیق بخشے) جو ایک دفعہ حنان منان کا بدلہ بھی ابدی جنت کی شکل میں عطا کرے گی۔

و اللّٰہ ذو الفضل العظیم۔

لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا باللّٰه کی تفسیر

(٣٨٦) و للدیلمی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

"یَا مَعَاذُ! تَدْرِی مَا تَفْسِیْرُ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ؟ قَالَ: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: لَا حَوْلَ عَنْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ إِلَّا بِقُوَّةِ اللّٰهِ، وَ لَا قُوَّةَ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ إِلَّا بِعَوْنِ اللّٰهِ. ثُمَّ ضَرَبَ بِیَدِهٖ عَلٰی کَتِفِ مَعَاذٍ فَقَالَ: یَا مَعَاذُ! هٰکَذَا حَدَّثَنِی حَبِیْبِیْ جِبْرِیْلُ عَنْ رَبِّ الْعِزَّةِ." [ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ٢/٣٩٤٦)

(٣٨٦) ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! لا حولَ و لا قوۃَ إلا باللّٰہ کی تفسیر جانتے ہو؟ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لاحول، ہم اللہ پاک کی معصیت سے نہیں بچ سکتے، و لا قوۃ اور ہم اللہ پاک کی اطاعت وعبادت نہیں کر سکتے، مگر اللہ جل مجدہ کی اعانت و قوت سے۔ اے معاذ! مجھ کو اسی طرح جبرئیلؑ نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بتلایا ہے۔

خزانۂ جنت

عَنْ مَکْحُوْلٍ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَکْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ کَنْزِ الْجَنَّةِ. قَالَ مَکْحُوْلٌ فَمَنْ قَالَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَیْهِ کَشَفَ اللّٰهُ عَنْهُ سَبْعِیْنَ بَابًا مِنَ الضَّرِّ اَدْنَاهَا الْفَقْرُ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کثرت سے پڑھا کرو۔ یہ کلمہ جنت کے خزانے سے ہے۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں جو شخص لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا مَنْجَاَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ پڑھے گا، حق جل مجدہ اس سے ستر بلا و مصیبت دور کر دے گا۔ سب سے کم درجہ یہ ہے کہ فقر و فاقہ ، تنگدستی اس کی دور ہو جائے گی۔

لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کے کئی فوائد ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

کلمہ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ عرش کے نیچے جنت کے خزانہ سے ہے جبکہ جنت کی چھت عرشِ رحمٰن سے اور عرشِ عظیم خود حق جل مجدہ کے لیے خاص ہے۔ تو گویا یہ کلمہ حق تعالیٰ سے قریب ہے۔ اس کلمے کا جنت کے خزانہ سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس کا وِرد رکھے گا، اس کو اعمالِ صالحہ کی توفیق، حسنِ عمل کے ساتھ حسنِ نیت کا الہام و القاء ہوگا اور گناہ و معاصی سے طبیعت متنفر ہوگی۔ قربِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ کی طرف طبیعت مائل ہوگی۔ اللہ پاک کی ذات کا استحضار اور اطمینانِ قلب کی کیفیات کا ذائقہ محسوس ہوگا اور اس طرح بندہ ہر وقت ہر گھڑی حضورِ حق کی حضوری کی کیفیت میں دیدۂ باطن میں تجلیاتِ ربّانی اور فیوضِ رحمانی کا مشاہدہ کرے گا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ذوق و لذت سالکین کو سالہا سال کے مجاہدہ اور مراقبے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

الغرض، عرشِ عظیم کے نیچے سے آیا ہوا یہ کلمہ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، ربّ عرشِ عظیم کے فیوض سے جملہ فیضِ تجلیاتِ افعالیہ، ثبوتیہ، ذاتیہ و سلبیہ کی راہ سے، جامع کمالاتِ محمدیہ ﷺ کی منزل کی نشاندہی کرتا ہوا تمکین کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

ہمارے مشائخ نقشبند، خاص کر فتوحات و تجلیاتِ غیبیہ کی موانعات کو رفع کرنے کے لیے سالک کو اس کلمے کا وِرد روزانہ کم از کم پانچ سو بار ہدایت کرتے ہیں، جس سے قبض کی کیفیت بسط میں اور بسط سیرِ تجلیات کی کیفیت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور سالک اس کنزِ جنت سے خزانۂ قلب کو امانت کے ساتھ قلبِ سلیم اور پھر قلبِ منیب فضلِ باری سے

پا تا ہے جہاں اللہ اللہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِکَ وَ تَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَ تَقْنَعَ بِعَطَائِکَ. آمین

گویا کہ جملہ ابوابِ خیر کا الہام ہونا اور پھر خیر کو عملی شکل کا جامہ عطا ہونا اور جملہ شرور وفتن سے دوری اختیار کرنے کی توفیق کا ہونا کنزِ جنت کی تفسیر ہوگی۔

ننانوے بیماریوں کا علاج

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ دَوَاءٌ مِنْ تِسْعَةٍ وَّ تِسْعِيْنَ دَاءٍ أَيْسَرُهَا الْهَمُّ.

ترجمہ: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ دواء وعلاج ہے ننانوے بیماریوں ومصیبتوں کا۔ سب سے آسان علاج ہے ہم وغم کا یعنی فکر وتردّد کا۔ (بیہقی فی دعوات الکبیر، مرقاۃ)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نسخۂ کیمیاء عطا کر دیا کہ ننانوے بیماریوں کا علاج اس کلمے کے ورد سے حاصل ہوگا جس میں سب سے آسان یہ ہے کہ جو اس کا ورد رکھے گا اس کو ٹینشن یا ڈپریشن نہیں رہے گا۔ خواہ وہ ٹینشن جان کا ہو یا مال کا، دشمن کا ہو یا دوست کا، بیوی بچے کا ہو یا شوہر کا۔ اس عرشِ عظیم کے خزانے کو پڑھئے اور خوش وخرم زندگی بسر کیجئے کیونکہ عرش کے خزانے میں آپ کے ہر ٹینشن کی دوا، ہر بیماری کا کافی وشافی علاج موجود ہے جو اس کلمے کے پڑھنے سے بندہ کو حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح کا بیمار اس کلمے کا ورد کرے گا اس کی بیماری کی مناسبت سے دوا وعلاج اس کو عطا ہوگا، خواہ وہ بیماری ظاہری ہو یا باطنی، جسمانی ہو یا روحانی، خارجی ہو یا داخلی، اس کلمے کے ورد سے حق جل مجدہ مکمل دستگیری فرمائیں گے۔

مطیع وفرماں بردار ہونے کی سند

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی کَلِمَةٍ مِّنْ

تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَسْلَمَ عَبْدِيْ وَ اسْتَسْلَمَ. (البيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو ایسا کلمہ نہ بتادوں جو عرش کے نیچے جنت کے خزانہ سے ہے؟ وہ لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ ہے۔ بندہ جب اس کلمہ کو پڑھتا ہے تو حق جل مجدہ ارشاد فرماتے ہیں "میرا بندہ مطیع وفرماں بردار ہوگیا اور اپنے تمام کام میرے سپرد کردیے۔"

اس حدیث کا مفہوم بہت ہی واضح ہے کہ بندہ جب اس کلمہ کا ورد کرتا ہے تو گویا داخلی واندرونی طور پر وہ حق جل مجدہ کی طاقت کو تسلیم کرتا ہے کہ احوال جو بھی پیش آتے ہیں وہ ربِّ ذوالجلال کی قدرت وگرفت سے باہر نہیں اور نہ ہی یہ احوال اس کی لاعلمی و بے خبری میں نازل ہوئے ہیں بلکہ ذرّہ ذرّہ میری ذات کا علم اور میرے احوال ربِّ علیم وخبیر کو معلوم ہیں کہ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ لہٰذا جب ربّ علیم وخبیر جانتا ہے کہ میں اس کا ایک ناتواں بندہ ہوں تو کیوں نہیں میں اپنے تمام معاملات کو ربّ العالمین کے سپرد کروں؟ پھر بندہ عاجز و ناتواں، بے کس و بے بس، پہلے اپنے آپ کو حق جل مجدہ کے مکمل سپرد کردیتا ہے کہ یاربّا! میں خود ہی نہایت کمزور ہوں۔ اسی کو غالباً حدیث میں اَسْلَمَ عَبْدِیْ یعنی میرا بندہ تابعدار ہوا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اَسْلَمَ عَبْدِیْ کی ایک تعبیر وہ بھی ہوسکتی ہے جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک دعا میں اختیار فرمائی ہے۔ (یہاں آپ ﷺ نے عبدیت کو ثریا تک پہنچا دیا) اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُكَ وَ ابْنُ عَبْدِكَ وَ ابْنُ أُمَّتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ۔

یاربّا! میں غلام ہوں تیرا، اور بیٹا ہوں تیرے غلام کا اور تیری باندی کا، ہمہ تن قبضے میں ہوں تیرے، نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم، عین عدل ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ۔
اس نبوی کلماتِ عبدیت کو پڑھئے اور دیکھئے نبی رحمت ﷺ بارگاہِ ربّ العالمین میں

اپنی سپردگی و تضرع اور نیازمندانہ عجز و افتقار کو کس حسن وخوبی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ذوق وشوق اور شعور و وِجدان کو بیدار کر کے پرکھئے پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ اَسۡلَمَ عَبۡدِیۡ کا کیا انوکھا انداز ہے۔ یہ عبد کامل ہی کا مقام تھا۔ سچ یہ ہے کہ جتنا عبدیت میں کمال ہوگا، اتنا ہی ربّ ذوالجلال کی قوت وقدرت کا اعتراف ہوگا۔

یا اَسۡلَمَ عَبۡدِیۡ، الخ کو پرکھنا ہوتو اَللّٰھُمَّ اِلَیۡکَ اَشۡکُوۡ ضُعۡفَ قُوَّتِیۡ وَ قِلَّۃَ حِیۡلَتِیۡ وَ ھَوَانِیۡ عَلَی النَّاسِ یَا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِیۡنَ اِلٰی مَنۡ تَکِلُنِیۡ اِلٰی عَدُوٍّ یَتَجَھَّمُنِیۡ اَمۡ اِلٰی قَرِیۡبٍ مَلَّکۡتَہٗ اَمۡرِیۡ اِنۡ لَمۡ تَکُنۡ سَاخِطًا عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیۡ غَیۡرَ اَنَّ عَافِیَّتَکَ اَوۡسَعُ لِیۡ.

یا اللہ! تجھی سے شکایت کرتا ہوں اپنے ضعیف القویٰ ہونے اور اپنی بے سامانی اور لوگوں کی نظروں میں کم وقعتی کی۔ اے ارحم الراحمین! کس کے سپرد کرتا ہے تو مجھے، آیا کسی دشمن کے کہ سینہ زوری کرے مجھ سے یا کسی عزیز کے قبضے میں دیدے میرے سب کام، اگر تو غصہ نہ ہو مجھ پر تو مجھ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ مگر پھر بھی تیری جانب سے عافیت میں مجھ کو زیادہ گنجائش ہے۔

اس دعا میں جناب رسول اللہ ﷺ نے کس طرح اپنے دل کی فریاد اور عبدیت کے کمال کو حضورِ حق میں پیش کیا ہے۔ فنِ فصاحت و بلاغت کی ہر نوع اس دعا میں موجود ہے۔ یہ کلماتِ طیبات بذاتِ خود محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی واضح دلیل ہے۔ یہ کلمات کسی غیر نبی کی زبان سے ادا ہونا ممکن ہی نہیں۔ حق جل مجدہ کے اس ارشاد کی دونوں شان اس دعا میں موجود ہے۔ اَسۡلَمَ عَبۡدِیۡ وَ اسۡتَسۡلَمَ یعنی میرا بندہ تابعدار ہوا اور بہت فرماں بردار ہوا۔

وَ اسۡتَسۡلَمَ کا مفہوم یہ ہوا کہ یا اللہ! میں اپنی ذات کو ناتواں پاتا ہوں کہ کسی قسم کا ادنیٰ تصرف اپنی ذات میں نہیں کرسکتا۔ نہ کسی خوشی کو حاصل کرسکتا ہوں نہ ہی کسی غم کو دور کرسکتا ہوں، میرے مولیٰ میرے تمام احوال و معاملات درست فرمادے کیونکہ میں خود

عاجز و بے بس ہوں، بے جان و بے کس ہوں تو اپنے احوال و مصائب کیسے دور کرسکتا ہوں۔ احوال تو تو ہی بہتر بنانے والا ہے کہ تو قوت و قدرت والا ہے، طاقت و ہیبت والا ہے، سطوت و جبروت والا ہے۔ اے اللہ! میں اپنے آپ کو اور اپنے جملہ امور و احوال کو تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔

پھر بندہ کی سپردگی کے بعد ربّ کریم بندہ کے ہر درد کی دوا، ہر غم کا علاج، ہر ہم و مصیبت کا مداوا، عرشِ عظیم کے نیچے والے کلمہ **لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ** کی برکت سے فراہم کر دیتے ہیں۔ یہ کلمہ عجیب ہے، اوپر عرشِ رحمٰن اور نیچے یہ کلمہ۔ گویا یہ کلمہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہے۔ اور بندہ اس کلمے کے وِرد کے ذریعہ ایک دم عرش کے نیچے اپنی مرادوں اور حاجتوں کو پہنچا دیتا ہے۔ اب بندہ کی حاجت کنزِ جنت میں بھیج دی جاتی ہے۔ واللہ اعلم!

باغیچۂ جنّت

نبی پاک ﷺ شبِ معراج میں تشریف لے گئے تو ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے جب گزر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ محمد ﷺ اپنی امت کو حکم کیجیے کہ **لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ** کے ذریعہ جنت میں خوب درخت لگائیں۔ (مرقات، ج۵،ص۱۱۱)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس کلمہ **لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ** پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو اس کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا: **لَا حَوْلَ عَنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِلَّا بِعَصْمَةِ اللّٰهِ** (ہم اللہ کی معصیت سے نہیں بچ سکتے مگر اللہ ہی کی عصمت و حفاظت کے ذریعہ) **وَ لَا قُوَّةَ عَلَى طَاعَةِ اللّٰهِ اِلَّا بِعَوْنِ اللّٰهِ** (اور نہ ہی ہمارے اندر اللہ کی اطاعت کی سکت ہے مگر اللہ تعالیٰ ہی کی مدد و اعانت کے ذریعہ)۔
(مرقات، ج۵،ص۱۱۱)

اس حدیث کی تفسیر خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث بھی

حدیث کی تفسیر کرتی ہے یا شرحِ حدیث کو بھی تفسیر کہا جا سکتا ہے۔

ہمارے حضرت حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کا مفہوم ہے کہ آیت ”اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ“ سے متعلق علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ 'مــا' اس جگہ ظرفیہ زمانیہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ نفس بہت زیادہ برائی کا حکم کرتا ہے مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم کردے۔

یعنی جس وقت نفس پر اللہ رحم کرتا ہے اور گناہ سے بچاتا ہے اس وقت اس پر اللہ کا رحم ہوتا ہے، بندہ خود نہیں بچتا بلکہ حق تعالیٰ جس پر رحم کرنا چاہتے ہیں اس کو گناہ و معصیت سے بچالیتے ہیں۔ تو عین معاصی سے بچتے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہوتا ہے۔

بندہ حقیر عرض کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر رب ذوالجلال سے مناجات میں اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ اَبَدًا مَّا اَبْقَیْتَنِیْ وَ ارْحَمْنِیْ اَنْ اَتَکَلَّفَ مَا لَا یَعْنِیْنِیْ وَ ارْزُقْنِیْ حُسْنَ النَّظَرِ فِیْمَا یُرْضِیْکَ عَنِّیْ۔

رسول اللہ ﷺ نے حق تعالیٰ سے سوال کیا ہے کہ یا رحمٰن یا رحیم! پوری زندگی میں جب تک تو مجھ کو حیات بخشتا ہے، مجھ پر رحم و کرم کر کہ میں معاصی و گناہ کو ہمیشہ ہمیش کے لیے چھوڑ دوں۔ اور یہ بھی رحم کر کہ میں لایعنی و بے سود و بے فائدہ کاموں میں اپنے کو مشغول نہ رکھوں۔ اور ربّا! وہ حسنِ فکر و نظر عطا فرما جو تجھ کو مجھ سے خوش کردے اور تو راضی ہو جا۔

یعنی اے مولیٰ! تا حینِ حیات میں گناہ چھوڑ دوں، لایعنی کام میں نہ اُلجھوں اور فکر و نظر بھی تیری رضا کی طرف ہو جو تجھ کو مجھ سے خوش کردے۔ اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے حق تعالیٰ سے عصمتِ معاصی کا سوال فرمایا ہے۔ جو اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ کی زندہ تعبیر ہے اور اسلوبِ بیان میں بھی نبی پاک ﷺ کی مکمل عبدیت کا کمال اور حق تعالیٰ کی قوت و قدرت کا جلال و اکرام بدرجہ اتم موجود ہے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُسْنَ النَّظَرِ فِیْمَا یُرْضِیْکَ عَنَّا، آمین بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حق جل مجدہ نے جنت کو پیدا فرمایا اوراس میں درخت لگایا تو کلمہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کو جنت کا غِراس بتایا۔یعنی اس کلمہ کے پڑھنے سے جنت میں پڑھنے والے کے لیے درخت لگ جاتے ہیں۔اب آپ اپنے لیے کیسا باغ بنانا چاہتے ہیں، اسی حساب سے اس کلمہ کا ورد کیجیے۔جتنی زیادہ اس کلمہ کی کثرت ہوگی ویسا ہی گنجان وکثیر تعداد کا درخت لگے گا۔ (اتحاف ۳۷۰)

شیطان کے مکروفریب سے حفاظت

دیلمی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حق جل مجدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنی اُمت کو حکم کردیں کہ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ دس بار صبح، دس بار شام اور دس بار سوتے وقت پڑھ لیا کریں۔سوتے وقت اس کلمہ کو پڑھنے کی برکت سے دنیا کی بلاؤں سے نجات اور شام کو پڑھنے سے مکائدِ شیطانی (یعنی شیطانی وساوس) سے حفاظت، اور صبح کو دس بار پڑھنے سے حق جل مجدہ کے غضب وعقاب سے محفوظ ہوجائے گا۔

(الاتحاف، رقم حدیث ۱۷۶)

مَقَالِیْدُ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقالید السموات والارض یعنی زمین وآسمان کی چابی بتلائی وہ یہ ہے: لَا اِلٰــہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْاَوَّلِ الْآخِرِ الظَّاھِرِ الْبَاطِنِ بِیَدِہِ الْخَیْرُ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ۔جو اس دعا کو صبح میں دس بار پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کو سات نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

(۱) ابلیس اوراس کے لشکر سے مکمل حفاظت عطا ہوگی۔

(۲) ایک قنطار (اُحد پہاڑ کے برابر) ثواب جنت میں ملے گا۔

(۳) جنت میں ایک درجہ بلند کردیا جائے گا۔

(۴) حورالعین سے شادی کردی جائے گی۔

(۵) اس کوقرآن مجید، تورات اورانجیل پڑھنے کا ثواب دیا جائے گا۔

(۶) ایک مقبول حج وعمرہ کا ثواب ملے گا اور

(۷) جس دن پڑھا اسی دن موت آگئی تو شہیدوں میں اس کا نام لکھا جائے گا۔

گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھئے اور واپسی تک شیطان سے محفوظ رہئے:

بِسْمِ اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.

سنت یہ ہے کہ جب گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کریں تو پہلے اجازت لیں پھر داخل ہوں۔سلام کے ذریعے گھر کا داخلہ انشاء اللہ گھر اور گھر والوں کو آفات و بلیات سے محفوظ کردے گا۔

دوزخ کی آگ سے نجات

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث نقل ہوئی ہے جس کے آخر میں آیا ہے کہ بندہ جب **لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِـاللّٰهِ** پڑھتا ہے تو حق جل مجدہ فرماتے ہیں میرے بندہ نے سچ کہا، میرے سوا کوئی معبود نہیں **لَا حَـوْلَ وَ لَا قُـوَّةَ إِلَّا بِـیْ** اور گناہ سے بچنا یا نیکی کا کرنا میری ہی عصمت وتوفیق سے ہے۔جس شخص کو موت کے وقت اس کلمہ کی توفیق ہوگئی اس کو دوزخ کی آگ سے نجات مل گئی۔اس روایت کو نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

(الاتحاف السنیۃ رقم حدیث ۲۹۹)

قید و بند سے رہائی کا غیبی نظام

حضرت جابر بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عوف بن مالک اشجعی رضی

اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے لڑکے سالم کو دشمن گرفتار کر کے لے گئے اور سالم کی والدہ لڑکے کی جدائی ومفارقت سے سخت غمگین و بے چین ہیں۔ آپ ﷺ کیا حکم فرماتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تقویٰ اور صبر اختیار کرنے کا حکم دیا اور دونوں میاں بیوی کو بکثرت لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ ان دونوں نے حکم کی تعمیل کی۔ کثرت سے لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پڑھنے لگے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ جن دشمنوں نے لڑکے کو قید کر رکھا تھا، حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ دکھلایا اور لڑکے کو ان کی قید سے نکال دیا۔ اور لڑکا انہی دشمنوں کی چار ہزار بکریاں اور ایک روایت کے مطابق پچاس اونٹ بھی یعنی کل چار ہزار بکریاں اور پچاس اونٹ ہنکا کر اپنے والد کے پاس پہنچ گیا۔ ان کے والد یہ خبر لے کر جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یہ اونٹ اور بکریاں جو میرا لڑکا ساتھ لے آیا ہے یہ ہمارے لیے جائز و حلال ہیں یا نہیں؟ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت

﴿وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

(سورۂ طلاق، ۲-۳)

نازل فرمائی یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور (منافع عطا فرماتا ہے چنانچہ ایک بڑی منفعت ہے رزق، سو) اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

الغرض لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کی کثرت سے اللہ تعالیٰ نے عوف بن مالک اشجعیؓ کے لڑکے کو بھی سلامتی کے ساتھ والدین کی آغوش میں پہنچا دیا اور غیب سے روزی بھی خوب وافر عطا کر دی۔ قدرتِ الٰہی نے قید و بند کو فراخی و کشادگی میں بدل دیا۔ قوتِ قدیر نے اپنی عظیم دستِ قدرت کا مشاہدہ اس طرح اصحابِ پیغمبر کو کرایا ہے۔

(قرطبی، ج۱۸، ص۱۰۶)

بَابُ: يَا ابُنَ آدَمَ إِنَّکَ مَا ذَکَرُتَنِیُ......

باب: آدم کے بیٹے! تیرا مجھے یاد رکھنا شکر ہے اور نسیان کفر

(۳۸۷) لابن شاهين _ في الترغيب في الذكر، و الخطيب و الديلمي و ابن عساكر عنه (أبي هريرة رضي الله عنه):

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: یَا ابُنَ آدمَ! إِنَّکَ مَا ذَکَرُتَنِیُ شَکَرُتَنِیُ، وَ مَا نَسِیُتَنِیُ کَفَرُتَنِیُ." [ضعيف] (كما فی كنزالعمال ج۱/۱۹۱۵)

شکر کا اعلیٰ ترین طریقہ: ذکر اللہ

(۳۸۷) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، حق جل مجدہ کا فرمان ہے: اے ابن آدم! جب تو نے مجھے یاد کیا، تو میرا شکر ادا کیا (یعنی جب تک تو نے مجھے یاد رکھا، میرا شکر کرتا رہا) اور جب تو نے مجھے بھلا دیا تو میرے ساتھ کفر کیا (ناشکرا بن گیا)۔

نعمتِ الٰہی کا شکرِ حقیقی، ذکر و عبادت ہے

حق جل مجدہ نے حدیثِ قدسی میں واضح فرما دیا کہ: جب تک انسان ذکر و عبادت میں مشغول رہتا ہے، اس وقت تک حق تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کا شکرِ حقیقی ادا ہوتا رہتا ہے اور یہ شکر کا اعلیٰ ترین مقام ہے کہ بندہ اپنے خالق حقیقی کی طرف انابت و اطاعت کے ذریعے ہمہ تن اور ہمہ وقت منہمک رہے۔ اس کے برعکس حضورِ حق سے غفلت و روگردانی، خالق حقیقی کی ناشکری، کفرانِ نعمت کے مترادف ہے اور یہ کفرانِ نعمت ہی کبھی کفرِ حقیقی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے! بندے کو ہمیشہ 'توفیق شکر' طلب کرنی چاہیے۔ قرآن حکیم میں تعلیم دی گئی ہے:

﴿لَئِنُ شَکَرُتُمُ لَاَزِیُدَنَّکُمُ وَ لَئِنُ کَفَرُتُمُ اِنَّ عَذَابِیُ لَشَدِیُدٌ﴾

یعنی اگر تم منعمِ حقیقی کا شکر کرتے رہو گے، تو میں ہمیشہ اپنی نعمتوں کو تم پر کشادہ کرتا

رہوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یاد رکھو! میرا عذاب سخت ہے۔

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی دعائیں منقول ہیں۔ سورۂ نمل میں ایک جگہ سلیمان علیہ السلام کی دعاء یوں منقول ہے:

﴿رَبِّ أَوْزِعْنِیْ أَنْ أَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِی أَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَ أَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ إِنِّیْ تُبْتُ إِلَیْکَ وَ إِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (سورة احقاف: پاره :٢٦، آیت ١٥)

''اے میرے پروردگار! مجھ کو اس پر مداومت (کی توفیق) دیجیے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں، جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لیے صلاحیت پیدا کر دیجیے! اور میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرماں بردار ہوں۔''

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

الغرض جو سعید و خوش نصیب ہیں وہ حق جل مجدہ کی نعمتوں کا شکر حقیقی بجالاتے ہیں، اور ''ہوش در دم'' اور ہمہ تن یادِ حق میں مشغول رہتے ہیں۔ یہی 'شکر' انسان کو مقامِ رضا تک پہنچا دیتا ہے۔

میری یاد ہی تو شکر ہے

(٣٨٨) و للطبرانی فی الأوسط عنه(أبی هریرةؓ):

عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ:

''یَا ابْنَ آدَمَ إِنَّکَ إِذَا ذَکَرْتَنِیْ شَکَرْتَنِی وَ إِذَا نَسِیْتَنِیْ کَفَرْتَنِی.''

[ضعیف] (کما فی الترغیب والترهیب ج٢ ص٦٦٩)

(۳۸۸) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں، حق جل مجدہ فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے! جب تو میرا ذکر کرتا ہے (یعنی جب تو مجھے یاد رکھتا ہے) تو میرا شکر ادا کرتا رہتا ہے اور جب تو مجھے بھول جاتا ہے (یعنی میری یاد سے

غافل ہوجاتا ہے) تو میرا ناشکرا شمار ہوتا ہے۔ (الترغیب والترہیب۲/۲۶۹)

بَابُ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ رَجُلٌ فَيَقُوْلُ لَهُ رَبُّهُ......

باب: ربّ العزت ایک شخص کو دوزخ سے نکال کر فرمائے گا

(٣٨٩) للديلمي عنه(انس رضی اللہ عنہ):

"يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ رَجُلٌ فَيَقُوْلُ لَهُ رَبُّهُ تَعَالٰى : مَا تُعْطِيْنِيْ إِنْ أَخْرَجْتُكَ؟ فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ أُعْطِيْكَ مَا تَسْأَلُنِي. فَيَقُوْلُ لَهُ: كَذَبْتَ. وَ عِزَّتِي قَدْ سَأَلْتُكَ مَا هُوَ أَهْوَنُ مِنْ ذٰلِكَ فَلَمْ تُعْطِنِي، سَأَلْتُكَ أَنْ تَسْأَلَنِيْ فَأُعْطِيْكَ ، وَ تَدْعُوَنِيْ فَأَسْتَجِيْبُ لَكَ وَ تَسْتَغْفِرَنِيْ فَأَغْفِرُ لَكَ."

[ضعيف] (كما في كنزالعمال ج١٤/٣٩٥٥٧)

بندہ کا حضورِ حق میں دستِ سوال نہ پھیلانا بدبختی کی علامت ہے

(۳۸۹) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک شخص کو جہنم سے نکال کر لایا جائے گا اور اس سے حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: اگر تجھ کو نارِ جہنم سے نکال دوں تو تو مجھ کو کیا دے گا؟ وہ عرض کرے گا: پروردگار عالم! تو جو مانگے گا وہ دوں گا۔ اس سے کہا جائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، مجھ کو میری عزّت کی قسم! میں نے تجھ سے ایک بہت آسان چیز مانگی تھی لیکن تو نے نہیں دی، میں نے تجھ سے کہا تھا کہ مجھ سے سوال کر میں تم کو دوں گا، دعائیں مانگ قبول کروں گا، مغفرت مانگ تیری مغفرت کردوں گا، (مگر تو کبھی میری طرف مائل اور متوجہ نہیں ہوا)۔

عہدِ امان دے دو

حق جل مجدہ کی ذات تصور وسوچ سے زیادہ غنی و بے نیاز ہے اور خیال وگمان سے زیادہ مہربان وکریم۔ وہ از راہِ عنایت ورحمت خود نہیں چاہتا کہ اپنے بندوں کو عذاب وعقاب میں ڈالے اور تڑپا تڑپا کر دردناک عذابِ الیم میں اپنے بندوں کو دیکھے، اس نے ہدایت دی

کہ رب کی ربوبیت والوہیت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور مکمل بالا دستی اور قدرت وقوت کا ربّ ذوالجلال کو مالکِ کل اور خالقِ کل صمیمِ قلب اور عمیق واٹوٹ یقین کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ ﴿اِنَّـهٗ كَتَـبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ بندہ جب اس بات کا راسخ عہد کر لیتا ہے تو گویا وہ ایک کا غلام بن جاتا ہے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کے عہدِ امان میں آجاتا ہے، اور جس نے اقرار و میثاق سے انحراف وانکار کیا وہ بہت ہی بد نصیبی اور خسرانِ مبین میں جا پڑا۔ حق جل مجدہ کی ذات بندہ سے محض اس عہد و پیمان کا سوال کرتی ہے جس میں نہ تو مادّی قربانی کا مطالبہ ہے نہ ہی کسی دوسری چیز کا۔ یہ ایک آسان تر سوال تھا کہ اپنے آقا کو ایک مان لو جس طرح آدمی کے وجود کا ذریعہ ایک ہی باپ ہوگا، کئی نہیں ہو سکتے، پھر رب کیوں کر کئی ہو سکتے ہیں۔ رب حقیقی تو ایک ہی ہے۔ باپ تو پھر بھی حقیقی، اخیافی علاّتی ممکن ہے مگر صفت خلق میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، قیامت کے دن یہی سوال ہوگا کہ تم سے کائنات عالم کی سب سے آسان وسہل اور ارزاں وسستی شئے، اللہ احد، کا سوال کیا گیا تھا، جس پر تمہارا کچھ نقصان نہ تھا، اور اس کے عوض میں آخرت کی تمام تر راحتیں، مسرتیں، فوز وفلاح کا وعدہ کیا گیا تھا جو تو نے نہ دیا۔ انسان اپنے علم کے اعتبار سے کتنا جاہل اور انجام سے کتنا غافل ہے جو اپنی تباہی و بربادی کا سامان خود ہی کلمہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے انکار سے فراہم کر رہا ہے۔ اللہ محض اپنے فضل سے فضل وکرم کا معاملہ فرما کر ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ آمین!

بَابُ : أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنَا مٰلِکُ الْمُلُوْکِ......

باب: میں اللہ ہوں حکمرانوں کا دل میرے دستِ قدرت میں ہے

(۳۹۰) للطبرانی فی الأوسط عنه (أبی الدرداء رضی اللہ عنہ):

قال: قالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ:

"إِنَّ اللّٰـهَ يَقُـوْلُ: أَنَـا اللّٰـهُ لَا إِلٰــهَ إِلَّا أَنَا مَالِکُ الْمُلُوْکِ، وَ مَلِکُ الْـمُـلُـوْکِ، قُلُوْبُ الْمُلُوْکِ بِيَدِیْ، وَ إِنَّ الْعِبَادَ إِذَا أَطَاعُوْنِـیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ

مُلُوْكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّأْفَةِ وَ الرَّحْمَةِ، وَ إِنَّ الْعِبَادَ إِذَا عَصَوْنِيْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ عَلَيْهِمْ بِالسَّخَطِ وَ النِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ وَ لٰكِنِ اشْغَلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَ التَّضَرُّعِ أَكْفِكُمْ مُلُوْكَكُمْ." (كما في مجمع الزوائد ج ٥ ص٢٤٩، جواهر الحكم ص٨٧)

حکمراں کو گالیاں نہ دو، بلکہ اللہ پاک کی طرف متوجہ ہو جاؤ وہ خود ہی تمہاری کفالت کرے گا

(۳۹۰) ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حق جل مجدہ فرماتے ہیں: میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، تمام بادشاہوں کا مالک اور تمام بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں، جب میرے بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دلوں میں رعایا کی محبت ڈال کر رحمت وعنایت کا معاملہ کرتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو بادشاہوں اور حکمرانوں کے دلوں کو سخت کر کے تنگ کر دیتا ہوں، پھر وہ رعایا پر سختی کا عذاب مسلط کر دیتا ہے۔ لوگو! تم اپنے آپ کو بادشاہوں کے خلاف بددعائیں کرنے میں مصروف ومشغول نہ رکھو؛ بلکہ اللہ پاک کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاؤ تاکہ میں بادشاہوں کے دلوں کو رحمت ومحبت کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ کر دوں اور میں خود ہی تمہاری طرف سے تمہارے بادشاہوں کے لیے کافی ووافی ہوں۔

حضرت مولانا بدرعالم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ہی قیمتی شرح مذکورہ حدیث کی 'جواہر الحکم' میں کی ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے:

مظالم میں تخفیف کی بجائے زیادتی ہوتی ہے، آخر اس کا سبب کیا ہے؟

انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہمیشہ ظالم ہی کی طرف نظر کرتا ہے اور چونکہ ظاہر میں اپنے نفس کو وہ اسی کے ظلم کا شکار دیکھتا ہے اس لیے ہمہ تن بددعا کرنے میں مشغول ہو جاتا

ہے اور اپنے حال کی طرف اس کی توجہ نہیں رہتی، سلبی نقطۂ نظر سے اس کے اس عمل سے عقیدۂ توحید پر بڑی زد پڑتی ہے اس لیے کہ اسلام چاہتا ہے کہ ایک موحد مسلمان کی نظر اتنی اونچی اور بلند ہو کہ ہر خیر و شر میں اپنے خالق کی طرف متوجہ رہے اور اپنے دل میں یہ یقین رکھے کہ ظاہری اسباب مشیتِ الٰہیہ کا صرف ایک عکس ہوتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اس عکس سے ہٹ کر خود اصل کی طرف توجہ کیوں نہ کی جائے اور مفت میں کیوں ایک مخلوق اپنی جیسی ایک مخلوق کا منہ تکے۔ اس لیے اس کی بلند نظری اس میں ہے کہ وہ پہلے اپنے اصلاح کی طرف متوجہ ہو، تاکہ جو فاعلِ حقیقی ہے یعنی اللہ تعالیٰ، وہ خود ظالموں کی گردنیں توڑ کر ان کے سامنے جھکا دے۔

اس لیے اس حدیث سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس میں ظالم بادشاہوں کیلئے بددعا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ ایک ایسے اہم گوشے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جس طرف وحیِ الٰہی کی تنبیہ کے بغیر مظلوم کی نظر جا ہی نہیں سکتی اور اس لیے ظالموں کے پنجے سے اس کو رستگاری نصیب ہی نہیں ہوسکتی۔ آج جیسا کہ دنیا کے حالات پر نظر ڈالنے سے اس مضمون کی تصدیق روزِ روشن کی طرح ہوجاتی ہے یعنی رعایا کی توجہ صرف اپنے حاکموں کی مخالفت پر لگی رہتی ہے اور ان کے مظالم میں تخفیف کی بجائے اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ اگر کاش ہم اپنے حالات کی طرف بھی توجہ کرلیں اور ان کی اصلاح کرلیں تو یقیناً ان مظالم کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور حالات کا نقشہ بدل سکتا ہے۔

موجودہ حکومتوں کا دستور بھی یہی ہے کہ جب کسی جگہ پر عوام سرکشی اور حکومت کے خلاف باغیانہ حرکات شروع کرتے ہیں تو دنیوی حکومتیں بھی ان پر ایسا سخت حاکم مقرر کرتی ہیں جو ان کی کافی سرکوبی کر کے ان کو حکومت کی فرماں برداری پر مجبور کردے، پھر اس سلسلہ میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ حاکم اتنی سختی کر گزرتا ہے جو حکومت کے منشاء کے بھی خلاف ہوتی ہے اور اس طرح دنیوی حکومتوں میں تزلزل پیدا ہوتا رہتا ہے لیکن قدرتِ کاملہ کے ملک میں یہ صورت نہیں کیونکہ حکم صرف اس کا چلتا ہے وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ (اور

اللہ غالب رہتا ہے اپنے کام میں) (پارہ ۲۰ رکوع ۱۳) ۔اور کسی باغی کی بغاوت اس کا مچھر کے پَر کے برابر بھی کچھ بگاڑ نہیں سکتی بلکہ دنیا اپنے فسادات کا خمیازہ خود ہی بھگتا کرتی ہے اس لیے مسلمانوں کو اس زمانہ میں خاص کر اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے اور جب وہ یہ کریں گے تو ان کی دعائیں اور بددعائیں بھی سب قبول ہوں گی اور ذلّت ونکبت کے سب بادل ان کے اوپر سے چھٹ جائیں گے۔

اس تحریر کا مقصد کوئی نافہم یہ نہ سمجھے کہ یہاں دنیوی اصلاحات کا قدم اٹھانے سے روکنا مقصود ہے بلکہ جس اصل کے بغیر سیاسی اصول کی وضع اور اصلاحی اقدام کا کام نہیں ہوسکتا اس پر تنبیہ کرنا مقصود ہے۔ یہاں شریعت کا ایک زرّیں اصول یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں شریعت بین الفریقین کوئی نظام قائم کرنا چاہتی ہے وہاں جانبین کو علیحدہ علیحدہ اس طرح سمجھاتی ہے کہ ہر ایک کو یہ توہّم ہونے لگتا ہے کہ شاید اس کا کوئی حق ہی نہیں ہے، حاکم ومحکوم کا معاملہ بھی اسی قسم میں داخل ہے۔ یہاں جو حدیثیں رعایا کے متعلق ارشاد ہوئی ہیں اگر صرف ان ہی کو دیکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کا حق نہیں ہے لیکن جب ان حدیثوں پر نظر ڈالی جاتی ہے جو حکام کی تفہیم کے متعلق وارد ہوئی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام تر ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوتی ہے اور رعایا سے گویا کوئی باز پرس ہی نہیں اس لیے تیسرے شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ طرفین کی حدیثیں سامنے رکھ کر نتیجہ نکالے، صرف یکطرفہ حدیثوں پر نظر ڈال کر کوئی رائے قائم کر لینا ایک ناقص اور ادھوری نظر کا کام ہے اور درحقیقت کسی صحیح اور محکم نظام کے قائم کرنے کے لیے یہی سب سے بہتر صورت ہے کہ علیحدہ علیحدہ ہر ایک کو صرف اس کے حق کی تفہیم کی جائے تاکہ جدل و بحث کا میدان ہی تنگ ہو جائے۔

جو حدیثیں حکام کے متعلق تشدید کی آئی ہیں ان کا یہاں ذکر کرنا مقصود نہیں اس کا اندازہ صرف ذیل کے ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کو قاضی بنانے کی خواہش ظاہر کی، انھوں نے عرض کیا کہ آپ مجھے اس منصب سے معاف فرمادیں تو بہتر ہے۔عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ تم

قاضی بننے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ جبکہ تمہارے والد بھی قاضی رہ چکے ہیں۔انھوں نے عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ قاضی اگر منصف بھی ہو اور اگر برابر چھوٹ جائے تو بھی غنیمت ہے۔اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سکوت فرمایا اور ان سے اصرار نہیں کیا۔(ترمذی)

اس ضمن میں رزین کی روایت میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو اللہ کا نام لے کر پناہ چاہے تو اس کو ضرور پناہ دے دو کیونکہ اس نے بہت بڑی ذات پاک کی پناہ لی اور میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ آپ مجھے قاضی بنائیں۔اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معافی دے دی اور فرمایا مگر اس بات کی کسی کو خبر نہ کرنا (کیونکہ قاضی بنانا ضروری ہے پھر اگر ہر شخص اسی طرح اللہ تعالیٰ کی پناہ لے لے کر ہٹتا رہے گا تو یہ کام کیسے چلے گا)۔ (مشکوۃ شریف ص۳۲۵)

ظالم حاکم کا ظلم اگر حد سے تجاوز کر جائے تو اس کا فوری اور وقتی دانشمندانہ مقابلہ صرف صبر سے کرنا چاہیے

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْقٰى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ اصْبِرُوْا فَإِنَّهٗ لَا يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا الَّذِىْ بَعْدَهٗ أَشَرُّ مِنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُهٗ مِنْ نَبِيِّكُمْ ﷺ. (رواه البخاری ص ۲ ۶ ۴)

ترجمہ: زبیر بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجاج کے شدید مظالم کی شکایت کرنے لگے، اس پر انھوں نے فرمایا صبر کرو کیونکہ میں نے تمہارے نبی اقدس ﷺ سے خود سنا ہے کہ ہر زمانہ جو بعد میں آنے والا ہے وہ پہلے زمانہ سے بدتر ہوگا۔

شرح: حجاج کی خونریزی اور اس کی تلوار اُمت میں ضرب المثل ہے حتیٰ کہ ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ خیر القرون کے نفوسِ قدسیہ میں سے اس ظالم سفاک نے زبردستی پکڑ

پکڑ کر جن کو قتل کیا ہے ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۱)

اس میں شبہ نہیں کہ جس ظلم کو تاریخ نہیں بھلاسکی اس کے دیکھنے والے اس کو کیسا ہلکا سمجھ سکتے تھے لیکن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان مظلومین کو صبر دلانے کے لیے اس کے سوا اور چارۂ کار کیا تھا کہ امت میں جو مظالم آئندہ پیش آنے والے تھے ان کی یاددہانی کر کے تھوڑی دیر کے لیے ان کی اشک شوئی کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانہ جو آنحضرت سرورِ کائنات ﷺ کے عہد مبارک سے دور ہوتا رہا ہے وہ بلحاظ ظاہری مظالم کے گو مختلف رہا ہے لیکن دینی لحاظ سے اس کے انحطاط کا نقشہ ٹھیک وہی ہے جو حضرت انسؓ نے بیان فرمایا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی ہمیشہ مصائب کی چکی میں پستی رہی ہے اس لیے ان کی نظروں میں اہمیت جتنی دینی مصائب کی تھی اتنی جسمانی مصائب کی نہ تھی۔ حجاج کے زمانہ میں جو مظالم ہوئے چاہے وہ کتنے ہی ہولناک اور دردناک کیوں نہ ہوں، لیکن اس دور میں اور اس کے بعد خیر القرون کے افراد کچھ نہ کچھ نظر آتے رہے اور انھیں دیکھ کر ایمان کی کھیتیاں کسی حد تک سیراب ہوتی رہیں لیکن عہدِ نبوت سے جتنا بُعد ہوتا رہا مجموعی لحاظ سے مسلمانوں کے قلوب قوتِ ایمانی میں دن بہ دن ضعیف وکمزور ہوتے رہے، اس ضعفِ ایمانی کے ساتھ بعد کے ادوار میں بھی جسمانی مصائب کی کچھ کمی نہ رہی۔ ادھر ضعف ایمانی ادھر مصائب جسمانی، ان دونوں نے مل کر امتِ مسلمہ کو پیس ڈالا اور وہ دین اسلام جو کبھی شرق اور غرب میں پھیل کر کفر وطغیان کی طاقتوں کو مرعوب کر چکا تھا اب رفتہ رفتہ اس کی طاقت گھٹنا شروع ہوئی اور چاروں طرف سے اس کی شوکت کم ہوتے ہوتے اس نوبت پر پہنچ گئی کہ ہم مسلمان ہی دنیا میں سب سے ضعیف اور ناتواں قوم سمجھے جانے لگے اور آج مسلمان بحیثیت قوم کے جس حد پر پہنچ چکے ہیں اسی پستی ونکبت کا سماں آپ کی آنکھیں بھی مشاہدہ کر رہی ہیں، اسی انحطاط کی طرف حضرت انسؓ نے اشارہ فرمایا تھا، یہ دوسری بات ہے کہ ہر دور میں افراد وشخصیات کہیں کہیں کم وبیش ایسی موجود رہی ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ

آئندہ بھی موجود رہیں گی جن کو دیکھ کر اسلام کی صداقت کا کچھ نقشہ سامنے آتا رہا ہے اور آتا رہے گا لیکن کہاں وہ جماعتی شوکت اور کہاں یہ چند افراد کی موجودگی۔

اس کے علاوہ یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ جس ظالم نے صرف بے گناہوں کو تہِ تیغ کرنے کی مثال قائم کرنے کی ٹھان لی ہو اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ جا کر سمجھاتے بھی تو کیا سمجھاتے۔ اس لیے مصلحت یہی معلوم ہوئی کہ کسی صورت سے ان مظلوموں ہی کو صبر کی تلقین پر کفایت کی جائے تا کہ جو افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے وہ تو جا ہی چکے اب جو بقیہ رہ گئے ہیں کم از کم وہی اس کی تیغِ جفا سے محفوظ رہ جائیں۔

ظلم کے نتائج صرف شخصی نہیں بلکہ عالمگیر ہوتے ہیں

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا یَّقُولُ إِنَّ الظَّالِمَ لَا یَضُرُّ إِلَّا نَفْسَهُ فَقَالَ أَبُوْهرِیْرَةَ رضی اللہ عنہ بَلٰی وَ اللّٰهِ حَتَّی الْحُبَارٰی لَتَمُوْتُ فِیْ وَکْرِهَا هُزْلًا لِظُلْمِ الظَّالِمِ. (رواہ البیهقی فی شعب الایمان ، مشکوٰۃ ص ۴۲۶)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم شخص کسی پر ظلم کر کے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں اللہ کی قسم ظالم کے ظلم سے حُبارٰی (یعنی ایک پرندہ ہے) بھی اپنے گھونسلے میں سوکھ سوکھ کر مر جاتا ہے۔

ظلم کا اثر حیوانات پر بھی پڑتا ہے

یعنی ظلم کا نقصان خود ظالم کے نفس تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کا اثر حیوانات پر بھی پڑتا ہے جیسا کہ آج کل لوگوں کے خیال کے مطابق متعدی مرض کا نقصان دوسرے تندرست انسانوں کو بھی ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس کے اشرف ہونے کا یہ بھی ایک تقاضا ہے کہ اس کے بگڑنے سے تمام جہان بگڑ جاتا ہے جیسا کہ انسان میں ''دِل'' سب سے اشرف عضو ہے اگر وہ بیمار

ہوجائے تو تمام اعضاء بیکار ہوجاتے ہیں، قحط پڑتے ہیں اور بارانِ رحمت بند ہوجاتا ہے تو غریب پرندوں کو بھی جنگل میں کہیں دانہ نصیب نہیں ہوتا، اور بالآخر وہ بھوک سے اپنے گھونسلوں میں مرجاتے ہیں، اس لیے ظلم کا اثر ظالم پر تو پڑتا ہی ہے لیکن دوسری مخلوق بھی اس کی وجہ سے بلاؤں میں پھنس جاتی ہے۔

سفر آخرت سہولت اور جلدی کے ساتھ طے کرنے کا مختصر نسخہ

عَنْ جَابِرٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلٰثٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ یَسَّرَ اللّٰهُ حَتْفَهٗ وَ اَدْخَلَهٗ جَنَّتَهٗ ؛ رِفْقٌ بِالضَّعِیْفِ وَ شَفَقَتُهٗ عَلَی الْوَالِدَیْنِ وَ اِحْسَانٌ اِلَی الْمَمْلُوْکِ۔

(رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب ، مشکوٰة ص ۲۹۱)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تین باتیں ایسی ہیں کہ جو شخص ان کا خوگر ہوگا اس کی موت کے وقت اس کی جان بڑی سہولت سے نکلے گی، کمزور دل کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور اپنے والدین پر شفقت کرنا اور اپنے غلاموں پر احسان کرنا۔

شرح: ان تینوں باتوں میں جو بات مرکزی نقطہ کی ہے وہ صرف ایک ہی ہے یعنی 'نرمی وشفقت' لیکن اس کو اتنی اہمیت اس لیے دی گئی ہے کہ نرمی کرنا گو کوئی اہم بات نہیں لیکن کمزوروں کے ساتھ نرمی کرنا یہ ذرا مشکل ہے اسی طرح والدین پر شفقت یہ اگرچہ بسا اوقات طبعی ہوتی ہے اس لیے اس کی بھی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں رہتی، لہٰذا ضروری ہوا کہ اس کی اہمیت کی تاکید کی جائے تاکہ والدین کے ساتھ جتنا بھی شفقت کا برتاؤ کیا جائے وہ اپنی نظروں میں کم معلوم ہونے لگے، اسی طرح ہر شریف انسان کی طبیعت میں احسان کرنے کا مادّہ کچھ نہ کچھ ہوتا ہے، لیکن اپنے مملوک غلام کے ساتھ احسان کرنے کی نہ اس کی نظروں میں کچھ اہمیت ہوتی ہے اور نہ غلام کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کے استحقاق کا خیال دل میں گذرتا ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ رِفق ونرمی کا اس درجہ عادی

ہو جائے کہ جتنا زیادہ نرمی کا مستحق ہو اس کے ساتھ اس کی نرمی اتنی ہی زیادہ بڑھتی رہے۔ اگر یہ طریقہ ایسے وقت میں قائم رکھے گا جبکہ وہ اپنے اختیار و بس میں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ ایسے وقت میں فرمائے گا جبکہ وہ بے اختیار اور بے بس ہوگا، نہ ہوش باقی رہیں گے اور نہ حواس کام کریں گے اور نقشہ یہ ہوگا کہ ؎

اک طرف کچھ دیکھ کے چُپ ہو رہے تیماردار
اک طرف بیمارِ غم کچھ کہہ کے چپکا ہوگیا

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شرعی نظر میں نرم خوئی کتنی اہمیت رکھتی ہے جس کو ہم آج بالکل کھو بیٹھے ہیں۔ اس کے برخلاف کمزوروں پر ظلم کرنا اور والدین کے ساتھ بے اعتنائی کا برتاؤ کرنا ہماری نظروں میں کوئی بات ہی نہ رہی۔

اسی مضمون کے مناسب جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کرنا ایسی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھی ٹھنڈا کر دیتی ہے، اور بری موت سے آدمی کو بچا لیتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶۸)

دنیا میں اللہ کے وجود سے اختلاف رکھنے والے موجود ہیں لیکن موت کے بارے میں کسی کو اختلاف نہیں، اس لیے اس کٹھن اور متفق علیہ سفر کے لیے مذکورہ بالا حدیث کو بہت اہتمام کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے۔ (جواہر الحکم، ص ۸۷)

جیسا عمل ویسا حکمراں

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ”اَعۡمَالُکُمۡ عُمَّالُکُمۡ“ یعنی جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی تم پر حکمراں مسلط ہوں گے۔ قرآن و حدیث میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ انسان اپنے ذاتی تعلق مع اللہ کو استوار کرے اور خالق ارض و سماء سے گہرا ربط رکھے، کیونکہ اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر خیر و رحمت کا فیصلہ من جانب اللہ ہوتا ہے اور اعمالِ بد کی بناء پر قہر و غضب نازل ہوتا ہے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب مستقل اس موضوع پر ہے جس کا نام ہے 'جزاء الاعمال'۔ الغرض حدیث پاک میں حاکم وقت کو برا

بھلا کہنے کی ممانعت ہے، ظالم کی ہلاکت و بربادی کے لیے خود اس کا ظلم کافی ہے کہ بددعاء سے نفع وفائدہ تو کچھ ہوگا نہیں، وقت ضائع ہوگا، بجائے اس کے کہ انسان اللہ پاک کی طرف متوجہ ہو جائے۔ وہ موسیٰؑ کی پرورش فرعون کی گود میں اور تربیت شاہی محل میں کرتا ہے جبکہ موسیٰؑ ہی کے نام پر محض خطرہ کی وجہ سے نہ جانے کتنی معصوم جانیں قربان کی جارہی تھیں اور جس کے نام پر قتل و غارت ہورہا تھا، وہ اس کی گود میں تھا۔ اللہ پاک عظیم قدرت کے مالک ہیں، بندوں کے کردار پر حکمراں کا انتخاب ہوتا ہے۔ ہر ظلم کا سد باب دعا اور توجہ الی اللہ ہے؛ مگر اُمت کو جو کام کرنے کا ہے وہ کرتی نہیں اور خواہ مخواہ کے جلوس و نعرے میں وقت ضائع کرتی ہے۔ وہی وقت جو جلوس میں صرف کیا جاتا ہے تمام لوگ مل کر توبہ و استغفار کے ساتھ عدالتِ الٰہی میں درخواست پیش کردیں تو دیکھ لیں گے کہ غیبی قوت و طاقت ظاہر ہوکر کس طرح ان حکمرانوں کو تختۂ دار پر پہنچا دیتی ہے۔ اگر بصیرت کی عمیق نگاہ سے دیکھا جائے تو ہمیں اس کو تباہ و برباد کرنے کی تدبیر ہی نہیں کرنی ہے، ظلم بذات خود اتنی زبردست خطرناک و مہلک قوتِ تدمیر رکھتی ہے جس سے ظالم بچ نہیں سکتا، بس صبر و استقامت کے ساتھ اہلِ حق کو حق جل مجدہ کی جانب متوجہ رہنا چاہیے۔ اس عمیق حقیقت کو ربّ العزت نے بار بار ذکر فرمایا ہے۔

اِنابت و رجوع الی اللہ بہتر ہے بددعاء سے

ہمیں جناب ہادئ عالم محمد ﷺ نے عملی طور پر یہ سکھلایا اور بتلایا ہے کہ اہلِ ایمان اپنا ربط و تعلق، رجوع الی اللہ و انابت و عبادت کے ذریعہ حضرت حق جل مجدہ سے بحال رکھیں اور اپنی نگاہ نصرت و مدد، اعانت و استعانت کے لیے اس ذات سے رکھیں جس نے خود اپنے لیے وَ لِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ کہا ہے، اور وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کی آیاتِ بینات سے خبر دی ہے۔ وَ لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ کا پیغام سنایا ہے۔ قوتِ یقین میں ثبات و رسوخ کے لیے محکم و قطعی حقیقت کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد ہوا۔

﴿اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰہُ بِضُرٍ ھَلْ ھُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّہٖ اَوْ اَرَدَنِیْ بِرَحْمَۃٍ ھَلْ ھُنَّ مُمْسِکٰتُ رَحْمَتِہٖ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ یَتَوَکَّلُ الْمُتَوَکِّلُوْنَ﴾ (زمر۳۸)

اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اس سے ثابت ہوگیا کہ میرے لیے اللہ کافی ہے، توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ صفتِ ناصریت میں کامل، اور عبدِ خاص منصوریت کے قابل اور اِلٰہ باطلہ قدرت اور نصرت سے عاطل پھر یہ تخویف عین ضلالت و محض جہالت نہیں تو کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حق جل مجدہ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو وحی ربانی کے ذریعہ بار بار ہدایت دی اور رہنمائی فرمائی کہ دعا و مناجات کے ذریعے مشکلات و مصائب میں بابِ رحمت پر دستک دیں جہاں سے مشکلات کی جگہ فتوحات اور مصائب کی جگہ مواہبِ ربانیہ اور معارفِ رحمانیہ کا نزول ہوگا، نفحاتِ قدسیہ اور رحمات و تجلیاتِ ابدیہ آغوشِ سرمدیہ کا مشاہدہ ہوگا۔ آخر بار بار اللہ رب العزت نے ہمارے آقا و مولا محمد ﷺ کو کیوں فرمایا:

قُلْ لِلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا کہہ دیجیے کہ شفاعت تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

﴿قُلِ اللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ﴾

الغرض قرآن مجید میں تمام ہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے حالات و مشکلات میں رجوع الی اللہ کا نسخہ سکھلایا۔

ابوالبشر آدم علیہ السلام کو سکھلایا

ابوالبشر آدم علیہ السلام کو جنت میں مشکل پیش آئی تو حق تعالیٰ نے نجات وخلاصی کی راہ سکھلائی۔ وہ دعا و تضرع اور انابت و رجوع الی اللہ کا نسخہ تھا۔ گویا کہ پہلی مشکل تھی جو ابوالبشر آدمؑ کو لاحق ہوئی۔ اور پہلی تدبیرِ الٰہی اور الہامِ ربّانی تھی جو نجات و خلاصی کا ذریعہ

بنی۔ پوری کتاب اللہ میں کہیں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام نے ربّ ذوالجلال سے عرض کیا ہو کہ مولیٰ مجھ کو شیطان نے راہ سے ہٹایا، دھوکہ دیا، اغوا کیا۔ ہاں خود ربّ ذوالجلال نے آگاہ کیا ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ازلی ہے اوراس نے قسمیں کھا کر آدمؑ کو اپنے فریب میں لے لیا۔مگر آدمؑ نے کہیں نہیں شیطان کو کوسا یا برا بھلا کہا۔ ہاں فَتَلَقّٰی آدَمَ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ سے معلوم ہوتا ہے ربّ ذوالجلال نے آدمؑ پر رحم کیا اور توبہ کے کلمات رجوع الی اللہ کے آداب والفاظ سکھلائے۔

مشکل کے وقت اللہ کو یاد کرنا ومنانا

اس سے معلوم ہوا کہ مشکلات ومصائب کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ومنانا چاہیے نہ کہ دشمنوں کو کوسنا اوراپنی توجہ کو غیراللہ کی طرف صرف کرنا۔ کیونکہ مشکلات کے اوقات میں دشمنوں کو کوسنا برا بھلا کہنا مشکلات کا حل نہیں ہے بلکہ مزید مشکلات کو دعوت دینا ہے،غم کا مداوا نہیں بلکہ بڑھاوا ہے۔مسائل ومصائب میں مخلوق کی طرف لعن وطعن،سبّ و شتم دہرانا عذاب ہے۔حق تعالیٰ کی رحمتوں سے بندہ اور دور چلا جاتا ہے۔سنتِ انبیاء و سیرتِ ابرار واخیار نہیں۔ اس لیے ابوالبشر آدم علیہ السلام نے شیطانِ لعین کو کوسنے کی بجائے حق تعالیٰ کی رضا وتقرب وتعبد کی راہ کو مناجات واستغفار کے ذریعہ بحال کیا۔

اصولِ راحت ومسرت اور پیغام شادمانی

اگر اس اصول کو ہم لوگ اپنالیں کہ حالات ومصائب میں حق تعالیٰ کی جانب مکمل توجہ اختیار کریں تو یہ مصائب ولایتِ کبریٰ تک ہم کو پہنچادیں، اور ہر غم ہماری شادمانی کا پیغامِ مسرت بن جائیں، ایمان وایقان میں احسان کی صفات پیدا ہوجائیں، ربّ ذوالجلال سے ایسا عمیق وگہرا تعلق وربط ہوجائے کہ ہمیں دشمن کوئی نظر ہی نہ آئے بلکہ ہم اس کا احسان مانیں کے وہی ذریعہ وسبب بنا اس نعمت عظمیٰ اور ولایت کبریٰ کے حصول کا۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کی خوبصورت تعبیر وتصویر ہوجائے۔اللہ پاک بھی کہہ رہا ہے،وَ مَا یُلَقّٰھَا اِلَّا

ذُوْ حَظٍّ عَظِیْم۔ یہ ہر شخص کا نصیب نہیں بہت اونچے اقدار کے لوگوں کا مقدر ہے۔

تمام ہی انبیاء علیہم السلام نے حالات ومشکلات میں رجوع الی اللہ اور نصرت و مدد اللہ تعالیٰ سے چاہا، اور اپنے قیمتی اوقات کو بددعا کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اپنے اور امت کے لیے دعا وطلب اور رضاءِ مولیٰ کی بساط بھر جد وجہد کی ہے، ہاں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کے حق میں بددعا کردی جس کا اثر ان پر یہ ہوگا کہ بروزِ قیامت وہ میدانِ حشر میں شفاعت سے خود کو دور رکھیں گے۔ مگر یہ ایک استثنائی صورت ہے۔

نفحات ولمحاتِ قدسیہ کو ضائع نہ کریں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واسطہ نمرود سے پڑ گیا تو انھوں نے انابت اور رجوع الی اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا حتیٰ کہ نارِ نمرود میں جبریل علیہ السلام مدد ونصرت کے لیے تشریف لائے تو بھی اس ملکوتی امامِ ملائک کی طرف دھیان نہ دیا۔ جب جبریلؑ نے پیش کش کی کہ مدد کروں تو بہت ہی خوبصورت توحید باری کا مظاہرہ فرمایا اور کہا، اِنْ کَانَ مِنَ اللّٰهِ فَبَلٰی وَ اِنْ کَانَ مِنْکَ فَلَا۔ یعنی اگر اے جبریلؑ تیری یہ پیش کش میری محبت میں ہے تو تیرا شکریہ، تیری مدد مجھ کو نہیں چاہیے۔ اور اگر تو مامور من اللہ ہے تو پھر امرِ الٰہی کو پورا کر۔ مجھ سے کیوں پوچھتا ہے۔ مگر ابراہیمؑ نے نمرود کے لیے بددعا نہیں کی بلکہ اِنابت ورجوع اختیار کیا۔

﴿رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَ اِلَیْکَ اَنَبْنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ، رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾

اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کردیجیے بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

(ممتحنة آیت ۴،۵، پارہ ۲۸)

اس مناجاتِ خلیل سے خوب واضح ہوگیا کہ حضرت خلیل نے سب کو چھوڑ کر حق جل مجدہ کی ذات پر بھروسہ کیا اور قوم سے ٹوٹ کر رب تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے

کہ یا اللہ ہم کو کافروں کے واسطے محلِ آزمائش اور تختۂ مشق نہ بنا۔ معلوم ہوا کہ حالات و مشکلات کی گھڑیوں میں بندہ اپنے رب سے خوب ہی قریب ہوتا ہے اور مظلوم کے لیے بابِ رحمت مفتوح ہوتا ہے تو ایسی مبارک ساعتوں میں بندہ خزائنِ الٰہیہ سے اپنا دامن بھرے گا، جی بھر کر برکات و رحمات سے سیراب ہوگا۔ ایمان وایقان کی لازوال کیفیتوں سے دیدۂ باطن کو منور کرے گا یا بددعا کر کے اپنے قیمتی وقت اور نفحات ولمحاتِ قدسیہ کو ضائع کرے گا۔ بصیرت و بصارتِ ایمان میں انبیاء علیہم السلام اکمل ترین ہوتے ہیں اس لیے ان کی نگاہِ نبوت اور فراستِ قدسیہ مصائب ومشکلات کے اوقات میں عبدیت کی شان اور بھی ترقی کرتی ہے اور وہ تو تجلیاتِ ربانی میں غوطہ لگا کر شانِ عبدیت کی سیر میں فیوض و برکات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

حمد بے حد مر خدائے پاک را
آں کہ ایماں داد مشتِ خاک را

عبدیت میں فیضانِ الٰہی کے قبول کی صلاحیت کا اندازہ بھی انبیاء علیہم السلام کی مناجات سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ احوال ومصائب آتے ہی ہیں تکمیلِ عبدیت اور رسوخِ یقین اور انکشافِ حقیقت کے لیے۔ الغرض حاصل یہ ہے کہ ملوک و حکام کو بددعا نہ دیں۔ اپنے ایمان وایقان کو ربّ السماوات والارض سے مضبوط کریں اور بس۔

مقامِ عبدیت اور رتبۂ عبودیت

موسیٰ علیہ السلام کا واسطہ فرعون سے ہوا اور تقریباً قرآن مجید میں سب سے زیادہ حضرت موسیٰؑ کے واقعات ہی مختلف عناوین سے ذکر ہوئے ہیں۔ حق جل مجدہ نے پہلے ہی ہدایت کردی تھی، ﴿قُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ نرم وشیریں بیان کا خیال رکھنا، حضرت نے بہت ہی متانت وسنجیدگی کا مظاہرہ کیا اور حکمِ الٰہی پر عمل کیا اور دعا مانگی:

﴿فَقَالُوا عَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. وَ نَجِّنَا

بِرَحْمَتِکَ مِنَ الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ﴾ (یونس ۸۶/۸۵)

اور انھوں نے عرض کیا: ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا، اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختۂ مشق نہ بنا، اور ہم کو اپنی رحمت کا صدقہ ان کافر لوگوں سے نجات دے۔

یعنی جب تک ہم پر ان کی حکومت مقدر ہے ظلم نہ کرنے پائیں۔ اللہ اکبر! کتنا ادب، کتنی عبدیت کا یہ جملہ ہے کہ پناہ بھی چاہ رہے ہیں تو اپنے لیے، سچ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقام عبدیت و رتبۂ عبودیت کا مقابلہ کون کرسکتا ہے۔ جن کی تربیت نگاہِ ربوبیت میں ہوتی ہے ان مقدس و مطہر گروہ پر جب بھی احوال نازل ہوئے شانِ عبدیت میں عظمت وسطوت اور قوت وقدرتِ باری کے سامنے بکھر گئے۔ سراپا عجز و نیاز، انکسار وافتقار کا مظہر بن گئے۔ یہی وہ وصف ہے جو ان کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے، اور اسی کو حق تعالیٰ نے امت کے لیے اسوہ بنایا، اور یہ اوصاف تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بدرجۂ اتم و اکمل موجود تھے۔ اور جتنی صفات تمام انبیاء میں تھیں، تنہا ہمارے آقا و مولیٰ خاتم النّبیین محمد ﷺ میں حق تعالیٰ نے ودیعت فرمادیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کے قلوب حق تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عبودیت و افتقار کے کس قدر عظیم و عمیق احساس سے معمور ہوتے ہیں اور کس طرح ہر آن اور ہر حال میں ان کا توکل واعتماد تمام وسائط سے منقطع ہوکر اسی وحدہ لاشریک لہ پر پہاڑ سے زیادہ مضبوط غیر متزلزل ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اس لیے تمام انبیاء علیہم السلام کی زبان پر عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا، رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا کا زمزمہ سنائی دیتا ہے۔ اور یہی وہ کامیابی و کامرانی کی کلید ہے جو اسباب و مادّیت، اسباب ووسائل اور قوت وشوکت، جاہ وحشم رکھنے والوں کو انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں زیرِ خاک اور پامال کردیتی ہے، بھلا توکل علی اللہ کا مقابلہ مادّہ پرست کبھی کرسکتا ہے؟

اصحابِ کہف کا واقعہ اہلِ ایمان کے لیے کافی ہے کہ مادّی قوت سے ٹکرانے کی بجائے انھوں نے اپنے رب سے پناہ چاہا اور اللہ کی طرف رجوع و انابت کا طریقہ اختیار

کیا۔ ﴿رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ایسا نقشہ بدلا کہ قیامت تک عبرت کے لیے کافی ہے۔ مگر انسان عبرت کی نگاہ سے دیکھے اور بصیرت کے دل و دماغ سے نتیجہ اخذ کرے۔

خاتم النّبیین ﷺ کا غیر متناہی رحم وکرم

رسول اللہ ﷺ کا سفرِ طائف بہت ہی مشہور ہے۔ طائف والوں کا عمل سبھی جانتے ہیں۔ جناب سیّد الکونین ﷺ نے اس سفر میں دشمنوں کو معاف ہی نہیں کیا بلکہ تمام تر نامناسب سلوک جو آپ کے ساتھ ہوا، ان سب کو اپنی بے بسی و بے کسی، و بے بضاعتی کی طرف منسوب کر کے شانِ عبدیت کو اس مقامِ اعلیٰ پر پہنچایا کہ جہاں تک کسی نے تصوّر بھی نہ کیا ہوگا۔ آپ پوری مناجاتِ رسولِ اعظم ﷺ کو بہ نظر غائر پڑھیں تو اندازہ ہوگا کہ عجز و افتقار، تواضع و انکسار، عبدیت و عبودیت، اپنی نیستی و پستی اور ربّ ذوالجلال کی ملک و ملکوت، عزت و عظمت، ہیبت و قدرت، کبریا و جبروت، سطوت وشوکت، قوت و قدرت، صمدیت واحدیت، فردیت کا جلال، صمدیت کا جمال، احدیت کا کمال آپ ﷺ کی پوری آہ وزاری، گریہ و بکا کا تمام تر رُخ اپنی بے مائیگی و درماندگی کا اعتراف و اقرار اور ربّ ذوالجلال کی شان، وراءِ وہم وگمان وخیال کا اقرار اور اعتراف کیا۔

نبی مکرم ﷺ نے طائف والوں کا اشارۃً وکنایۃً کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا۔ اور بارگاہِ بے نیاز میں جو کچھ ذکر کیا بس وہ اپنی کمی و قلّت، ضعف وضعیف، کمزور و ناتواں ہونا بیان کیا۔ اس کی حکمت جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ نزولِ رحمت، اور قبولیتِ عبودیت کیلئے نسخہ کیمیاء، حضورِ حق میں عجز و نیاز، ذلت و افتقار کے سوا کوئی اور چیز پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ عبد کو ذلت ہی زیب دیتی ہے۔ ہمارے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے بڑے مزے اور پتے کی بات کہی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے کو بارگاہ رب میں عبداللہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ہمارے آقا ومولیٰ محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود عبداللہ کہہ کر پکارا اور خطاب کیا ﴿وَ اِنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ﴾ (سورۂ جن) معلوم ہوا کہ

نبی مکرم ومطہر کی جوشان سب سے زیادہ اللہ کو بھا گئی، پسند آ گئی وہ عبد ہونا ہے اور نورٌ علیٰ نور کہ عبد کا عبد ہونا معبود کو بھی قبول ہو گیا اور عبد کو وحی ربّانی سے مطلع بھی کر دیا گیا:

﴿وَ اِنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾

(سورۂ جن:۱۹)

اور جب اللہ کا خاص بندہ (مراد رسول اللہ ﷺ ہیں) اللہ کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ کافر لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔

حاصل یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا عبد ہونا، بلکہ عبدِ کامل واکمل ہونا، عبدِ مقبول ہونا، ربِّ معبود ومسجود کے یہاں بھی مشہور ومعروف ہے۔ اور ربّ العالمین کی جناب میں تو سبھی عبد ہیں مگر جس کو ربّ العالمین نے عبداللہ کہہ کر پکارا، وہ صرف مقامِ محمود پر فائز ہونے والا معبود ومسجود کی جانب سے شفاعت کبریٰ کا منصب پانے والا، مقامِ محمود کا محمد ﷺ ہوگا، جس کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا۔ وہی محمود وعبداللہ ہوگا۔ خوب معبود برحق ایک، عبداللہ کا منجانب اللہ خطاب پانے والا ایک، اسی ایک کو مقامِ محمود ملنا مقدر ہوا جو اپنی شانِ عبودیت و عبدیت میں اکیلا ونرالا تھا اور ہے اور رہے گا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ، وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

اب ہم اس بحث کو دعاءِ طائف پر ختم کرتے ہیں۔

دعاءِ طائف

اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِىْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِىْ وَ هَوَانِىْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِىْٓ اِلٰى عَدُوٍّ يَّتَجَهَّمُنِىْ اَمْ اِلٰى قَرِيْبٍ مَّلَّكْتَهٗ اَمْرِىْ اِنْ لَّمْ تَكُنْ سَاخِطًا عَلَىَّ فَلَا اُبَالِىْ غَيْرَ اَنَّ عَافِيَتَكَ اَوْسَعُ لِىْ، اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ الَّذِىْ اَضَآءَ تْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَ صَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اَنْ تُحِلَّ عَلَىَّ غَضَبَكَ وَ تُنْزِلَ عَلَىَّ سَخَطَكَ وَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ.

بَابُ : إِنَّ أَوْلِيَائِیْ مِنْ عِبَادِیْ وَ أَحِبَّائِیْ مِنْ خَلْقِیْ......

باب: میرے بندوں میں اولیاء اللہ اور دوست کون لوگ ہیں

(۳۹۱) عن أبی منصور مولی الأنصار أنه سمع عمرو بن الجموح ﷺ یقول إنه سمع رسول اللّٰه ﷺ یقول:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِنَّ أَوْلِيَائِیْ مِنْ عِبَادِیْ وَ أَحِبَّائِیْ مِنْ خَلْقِیْ الَّذِيْنَ يُذْكَرُوْنَ بِذِكْرِیْ وَ أُذْكَرُ بِذِكْرِهِمْ."

[ضعیف] (أخرجه أبونعیم فی حلیة الأولیاء ج ۱ ص۶، جواهر الحکم ص ۷۱)

اللہ پاک کے اولیاء کون لوگ ہیں؟

(۳۹۱) ترجمہ: عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا، حق جل مجدہ نے فرمایا: میرے بندوں میں سے میرے ولی اور میری مخلوق میں سے میرے دوست وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ میرے تذکرے کے ساتھ ہوتا ہے اور میں ان کے نام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہوں۔

اولیاء اللہ کی علامتیں

اس حدیث میں اولیاء اللہ کی نشاندہی کی گئی ہے کہ انسانیت کے اس سمندر میں وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں یا حق جل مجدہ کے دوست ہیں کہ جب حق جل مجدہ کا تذکرہ ہوتا ہے اور صفاتِ باری بیان کی جاتی ہیں تو ساتھ ساتھ ان مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کا بھی تذکرہ ہونے لگتا ہے کہ فلاں بندۂ حق بڑا ہی نیک و صالح تھا، اس کی مجلس میں حق ہی یاد آتا تھا اور اس کو دیکھ کر بس یوں محسوس ہوتا تھا کہ انسان ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت و اطاعت میں ہمہ تن لگ جائے۔ غرض، ان بندگانِ حق کا جب تذکرہ ہوتا ہے تو ساتھ ہی حق جل مجدہ کی عظمت و کبریائی کے زمزمے بھی سنائی دینے لگتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان لگائے تو اسے اولیاء کرام یاد آجائیں کہ دیکھو تو

فلاں ولی نے یوں اللہ کی عبادت کی! اور یوں ساری ساری راتیں ریاضت ومجاہدۂ نفس کے ذریعہ مقربینِ بارگاہ بنے۔

غرض اللہ تعالیٰ کا جب دھیان جمایا جائے تو یہ یاد آئیں اور جب انھیں یاد کیا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آئے۔ یہ ولی اللہ ہونے کی علامت ہے۔ یہ بات مشہور بھی تو ہے کہ ولی وہی ہوتا ہے جس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ!

بندہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ولایت کے لیے کب منتخب ہوتا ہے؟

(۳۹۲) عن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ إنه سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول:

"لَا يُحَقُّ الْعَبْدُ حَقَّ صَرِيْحِ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يُحِبَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَ يُبْغِضَ لِلّٰهِ، فَإِذَا أَحَبَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَ أَبْغَضَ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى فَقَدِ اسْتَحَقَّ الْوَلَاءَ مِنَ اللّٰهِ. وَ إِنَّ أَوْلِيَائِیْ مِنْ عِبَادِیْ وَ أَحِبَّائِیْ مِنْ خَلْقِی الَّذِيْنَ يُذْكَرُوْن بِذِكْرِیْ وَ أُذْكَرُ بِذِكْرِهِمْ." [ضعيف] (أخرجه أحمد فی مسنده ج ۳ ص ۴۳۰)

(۳۹۲) ترجمہ: عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اس وقت تک کمال ایمان کی منزل پر نہیں پہنچتا یہاں تک کہ وہ جب کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لیے اور بغض وعداوت رکھے تو اللہ تعالیٰ کے لیے۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ محبت وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور کسی سے بغض رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے تو وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ولایت کے لیے منتخب ہو جاتا ہے۔

اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندوں میں سے میرے ولی وہ ہیں اور میرے دوست میری مخلوق میں سے وہ ہیں جن کا تذکرہ میرے نام کے تذکرہ کے ساتھ ہوتا ہے اور جب ان کا ذکر وتذکرہ ہوتا ہے تو میرا بھی ذکر وتذکرہ ہوتا ہے۔ (احمد:۳/ ۴۳۰)

اولیاء بے خوف ہوں گے

﴿اَلا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾

(سورة یونس،٦٢)

یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ابن کثیر نے روایاتِ حدیث کی بناء پر اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ''اولیاء اللہ'' (اللہ کے دوستوں) کو آخرت میں احوالِ محشر کا کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہوں گے۔ بعض مفسرین نے آیت کو کچھ عام رکھا ہے یعنی ان پر اندیشہ ناک حوادث کا وقوع نہ دنیا میں ہوگا نہ آخرت میں۔ اور نہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر وہ مغموم ہوتے ہیں۔ گویا خوف سے خوفِ حق یا غم سے غمِ آخرت کی نفی مراد نہیں، بلکہ دنیا میں دنیوی خوف وغم کی نفی مراد ہے، جس کا احتمال مخالفتِ اعداء وغیرہ سے ہوسکتا ہے، وہ مومنین کاملین کو نہیں ہوتا۔ ہر وقت ان کا اعتماد اللہ پر ہوتا ہے اور تمام واقعاتِ تکوینیہ کے خالی از حکمت نہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس اعتماد و اعتقاد کے استحضار سے انھیں خوف وغم نہیں ستاتا۔ میرے نزدیک ''لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ'' کا مطلب یہ لیا جائے کہ ''اولیاء اللہ'' پر کوئی خوفناک چیز (ہلاکت یا معتد بہ نقصان) دنیا و آخرت میں واقع ہونے والی نہیں۔ اگر فرض کیجیے دنیا میں صورتاً کوئی نقصان پیش بھی آئے تو چونکہ نتیجتاً وہ ان کے حق میں نفع عظیم کا ذریعہ بنتا ہے اس لیے اس کو معتد بہ نقصان نہیں کہا جاسکتا۔ رہا کسی سبب دنیوی یا اخروی کی وجہ سے ان کو کسی وقت خوف لاحق ہونا، وہ آیت کی اس تقریر کے منافی نہ ہوگا، کیونکہ آیت نے صرف یہ خبر دی ہے کہ ان پر کوئی خوفناک چیز نہ پڑے گی، یہ نہیں کہا کہ انھیں کسی وقت خوف لاحق نہ ہوگا۔ شاید لا یحزنون کے مناسب لا یخافون نہ فرمانے کا تعلق میرے خیال میں مستقبل سے ہے، یعنی موت کے وقت اور موت کے بعد غمگین نہ ہوں گے، جیسا فرمایا:

﴿تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا﴾ (حم السجدة:٣٠)

اور فرمایا:

﴿لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ﴾ (الانبیاء: ۱۰۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ . (تفسیر عثمانی)

اولیاء اللہ کون ہیں؟

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت ذکر وفکرِ الٰہی میں دیکھے جاتے ہیں۔ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اولیاء اللہ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ وہ لوگ کہ جب دیکھو یادِ الٰہی میں مصروف۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بھی بندے ہیں کہ انبیاء، شہداء بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون لوگ ہیں؟ ہم ان سے محبت رکھیں گے۔ فرمایا انبیاء کے لیے بھی قابلِ رشک لوگ ہیں کہ نہ مال کا کوئی تعلق نہ نسب کا لگاؤ مگر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہیں، وہ نور کے منبروں پر ہیں، لوگ جہاں خوف سے تھرا جائیں، وہاں ان پر ذرا بھی آثارِ خوف نہیں، لوگوں پر رنج وغم طاری ہے اور ان کو رنج سے کوئی واسطہ نہیں۔ ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ مختلف قبائل سے اور چاروں طرف سے جمع ہوں گے اور ان میں کوئی رشتہ داری نہ ہوگی لیکن وہ محض اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہوں گے اور خلوص ومحبت ہوگی۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے لیے نور کے منبر قائم کرے گا جس پر وہ بیٹھے ہوں گے۔ لوگ قیامت میں پریشان پھر رہے ہوں گے لیکن وہ مطمئن ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء یہی لوگ ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر)

ولایت کے درجات

ولایتِ خاصہ کے درجات بے شمار اور غیر متناہی ہیں۔ اس کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے کیونکہ ہر نبی کا ولی اللہ ہونا لازمی ہے، اور اس میں سب سے اونچا مقام سید

الانبیاء نبی اکرم ﷺ کا ہے، اور ادنیٰ درجہ اس ولایت کا وہ ہے جس کو صوفیائے کرامؒ کی اصطلاح میں درجہ فناء کہا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کا قلب اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسا مستغرق ہو کہ دنیا میں کسی کی محبت اس پر غالب نہ آئے، جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لیے کرتا ہے جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ کے لیے کرتا ہے، اس کے حب و بغض اور محبت و عداوت میں اپنی ذات کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں مشغول رہتا ہے اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہو، اسی حالت کی علامت ہے کثرتِ ذکر اور دوامِ اطاعت، یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا اور ہمیشہ ہر حال میں اس کے احکام کی اطاعت کرنا، یہ دو وصف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ کہلاتا ہے جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو وہ اس فہرست میں داخل نہیں، پھر جس میں یہ دونوں موجود ہوں اس کے درجات ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی حد نہیں۔ انھیں درجات کے اعتبار سے اولیاء اللہ کے درجات متفاضل اور کم و بیش ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مذکور ہے کہ رسول کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اس آیت میں اولیاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو خالص اللہ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں، کوئی دنیاوی غرض درمیان میں نہیں ہوتی، (مظہری از ابن مردویہ) اور ظاہر ہے کہ یہ حالت انھیں لوگوں کی ہوسکتی ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

ولایت حاصل کرنے کا طریقہ

یہاں ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس درجہ ولایت کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرِ مظہری میں فرمایا کہ امت کے افراد کو یہ درجۂ ولایت رسول کریم ﷺ ہی کے فیضِ صحبت سے حاصل ہوسکتا ہے، اسی سے

تعلق مع اللہ کا وہ رنگ جو آنحضرت ﷺ کو حاصل تھا اپنے حوصلہ کے مطابق اس کا کوئی حصہ امت کے اولیاء کو ملتا ہے، پھر یہ فیضِ صحبت صحابۂ کرامؓ کو بلا واسطہ حاصل تھا، اسی وجہ سے ان کا درجۂ ولایت تمام امت کے اولیاء و اقطاب سے بالاتر تھا، بعد کے لوگوں کو یہی فیض ایک واسطہ یا چند واسطوں سے حاصل ہوتا ہے جتنے وسائط بڑھتے جاتے ہیں اتنا ہی اس میں فرق پڑتا ہے، یہ واسطہ صرف وہی لوگ بن سکتے ہیں جو رسول کریم ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے آپ کی سنت کے پیرو ہیں ایسے لوگوں کی کثرت سے مجالست اور صحبت جبکہ اس کے ساتھ ان کے ارشادات کی پیروی اور اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو، یہی نسخہ ہے درجۂ ولایت حاصل کرنے کا، جو تین جزء سے مرکب ہے، کسی ولی اللہ کی صحبت، اس کی اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت، بشرطیکہ یہ کثرتِ ذکر مسنون طریقہ پر ہو کیونکہ کثرتِ ذکر سے آئینۂ قلب کی جلا ہوتی ہے تو وہ نورِ ولایت کے انعکاس کے قابل بن جاتا ہے، حدیث میں ہے کہ ہر چیز کے لیے صیقل اور صفائی کا کوئی طریقہ ہوتا ہے، قلب کی صیقل ذکر اللہ سے ہوتی ہے۔ اس کو بیہقی نے بروایت ابنِ عمر نقل فرمایا ہے۔ (مظہری)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی بزرگ سے محبت کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے ان کے درجہ تک نہیں پہنچتا؟ آپ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت و صحبت انسان کے لیے حصولِ ولایت کا ذریعہ ہے، اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت رزینؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتلاتا ہوں جس سے تم دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہو، وہ یہ ہے کہ اہلِ ذکر کی مجلس و صحبت کو لازم پکڑو اور جب تنہائی میں جاؤ تو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دو، جس سے محبت کرو اللہ کے لیے کرو، جس سے نفرت کرو تو اللہ کے لیے کرو۔ (مظہریؒ)

مگر یہ صحبت و مجالست انہی لوگوں کی مفید ہے جو خود ولی اللہ، متبعِ سنت ہوں اور جو

رسول کریم ﷺ کی سنت کے تابع نہیں وہ خود درجۂ ولایت سے محروم ہیں، چاہے کشف و کرامات ان سے کتنے ہی صادر ہوں، اور جو شخص مذکورہ صفات کے اعتبار سے ولی ہو، اگرچہ اس سے کبھی کوئی کشف وکرامت ظاہر نہ ہوئی ہو، وہ اللہ کا ولی ہے۔ (مظہریؒ)

اولیاء کی پہچان

اولیاء اللہ کی علامت اور پہچان تفسیرِ مظہری میں ایک حدیث قدسی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آویں اور جن کی یاد کے ساتھ میں یاد آؤں، اور ابنِ ماجہ میں بروایت حضرت اسماءؓ بنت یزید مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولیاء اللہ کی یہ پہچان بتلائی، اَلَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ یعنی جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر انسان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو، یہ علامت ہے اس کے ولی اللہ ہونے کی۔

کشف وکرامت ضروری نہیں

تفسیرِ مظہری میں فرمایا کہ عوام نے جو اولیاء اللہ کی علامت کشف وکرامت یا غیب کی چیزیں معلوم ہونے کو سمجھ رکھا ہے یہ غلط اور دھوکہ ہے۔ ہزاروں اولیاء اللہ ہیں جن سے اس طرح کی کوئی چیز ثابت نہیں اور اس کے خلاف ایسے لوگوں سے کشف اور غیب کی خبریں منقول ہیں جن کا ایمان بھی درست نہیں۔

خوف اور غم نہ ہونے کا مطلب

بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہ ہونا دنیا وآخرت دونوں کے لیے عام ہے اور اولیاء اللہ کی خصوصیت یہی ہے کہ دنیا میں بھی وہ خوف وغم سے محفوظ ہیں اور آخرت میں ان پر خوف وغم نہ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں، اور اس میں سب اہل جنت داخل ہیں۔

صحابۂ کرامؓ میں سب سے افضل حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما اور تمام صحابہؓ و تابعین اور اولیاء اللہ کی گریہ وزاری اور خوفِ آخرت کے واقعات بے شمار ہیں۔

اس لیے روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے یہ فرمایا کہ حضرات اولیاء اللہ کا دنیا میں خوف وغم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف وغم میں عام طور سے اہلِ دنیا مبتلا رہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد آرام و راحت، عزت و دولت میں ذرا سی کمی ہوجانے پر مرنے لگتے ہیں اور ذرا تکلیف و پریشانی کے خوف سے بچنے کی تدبیروں میں رات دن کھوئے رہتے ہیں، اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بالا و بلند ہوتا ہے۔ ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت و دولت، راحت و آرام کوئی چیز ہے جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں ہوں، اور نہ یہاں کی محنت وکلفت اور رنج کچھ قابلِ التفات ہے جس کی مدافعت میں پریشان ہوں بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے
بہ پیش ہمت ما ہر چہ آمد بود مہمانے

اللہ جل شانہ کی عظمت ومحبت اور خوف وخشیت ان حضرات پر ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی رنج وراحت، سود وزیاں پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، بقول بعض:

یہ ننگ عاشقی ہیں سود و حاصل دیکھنے والے
یہاں گمراہ کہلاتے ہیں منزل دیکھنے والے

قربِ محبت

مگر لفظ اولیاء اللہ میں یہ درجہ ولایت کا مراد نہیں بلکہ ولایت ومحبت اور قرب کا ایک دوسرا درجہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ یہ قربِ محبت کہلاتا ہے۔ جن لوگوں کو یہ قرب خاص حاصل ہو وہ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیثِ قدسی میں ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے میرا قربِ خاص

حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں ہی اس کے کان بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے، میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ دیکھتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے، میں ہی اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ کرتا ہے مجھ سے کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کی کوئی حرکت وسکون اور کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

قربِ محبت اور قربِ خلقی

یوں تو ہر شخص بلکہ ہر چیز کا اللہ سے قرب ہے جس کی کیفیت نہیں جانی جاسکتی، اللہ نے فرمایا ہے: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ رگ جان سے بھی زیادہ ہم بندہ کے قریب ہیں۔ اسی قرب کی وجہ سے یہ کائنات جامۂ ہستی پہنتی اور دائرۂ وجود میں آتی ہے۔ اگر یہ قرب نہ ہوتا تو کوئی وجود کی بو بھی نہیں سونگھ سکتا۔ اصل ذات کے اعتبار سے ہر چیز نیست ہے، سب کی اصل عدم ہے لیکن خاص بندوں کو ایک بے کیف قرب اور بھی حاصل ہے، یہ قربِ محبت ہے۔ عالمِ مثال میں اہلِ کشف کو یہ بے کیف محبت قربِ جسمانی کی شکل میں نظر آتی ہے۔ لفظ قرب کا قربِ خلقی اور قربِ محبت دونوں پر اطلاق بطور اشتراکِ لفظی کے ہوتا ہے۔ حقیقتِ قرب دونوں جگہ جدا جدا ہے۔ مؤخر الذکر قرب کے ان گنت غیر محدود درجات ہیں۔ ایک حدیث قدسی ہے (اللہ نے فرمایا) میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے پیار کرنے لگتا ہوں، جب میں اس کو پیار کرتا ہوں، تو پھر اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے الیٰ آخر الحدیث (یعنی اس وقت وہ جو کام کرتا ہے وہ گویا میرا عمل ہوتا ہے)۔ (رواہ البخاری عن ابی ھریرۃؓ)

قرب کا ابتدائی درجہ

اس قرب کا ابتدائی درجہ صرف ایمان سے حاصل ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور آخری انتہائی درجہ انبیاء کا خصوصی حصہ ہے جن کے سردار رسول اللہ ﷺ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے درجات ترقی پذیر ہیں جن کی کوئی انتہاء نہیں۔

کم سے کم درجہ

صوفیہ کی اصطلاح میں کم سے کم وہ درجہ جس پر لفظ ولی کا اطلاق ہوسکتا ہے، اس شخص کا ہے جس کا دل اللہ کی یاد میں ہر وقت ڈوبا رہتا ہے، وہ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول رہتا ہے، اللہ کی محبت سے سرشار رہتا ہے، کسی اور کی محبت کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی خواہ باپ ہو یا بیٹا یا بھائی یا بیوی یا دوسرے کنبہ والے، کسی سے اس کو محبت نہیں ہوتی۔ اگر کسی سے محبت ہوتی ہے تو محض اللہ کے لیے اور نفرت ہوتی ہے تب بھی خوشنودیِ مولیٰ کے حصول کے لیے۔ وہ کسی کو کچھ دیتا ہے تو صرف اللہ کے لیے اور نہیں دیتا ہے تب بھی اللہ کی مرضی کے لیے۔ اس گروہ کی آپس میں محبت لوجہ اللہ ہوتی ہے۔

فناءِ قلب کا درجہ

صوفیہ کی اصطلاح میں اس صفت کو فناءِ قلب کہا جاتا ہے۔ ولی کا ظاہر و باطن تقویٰ سے آراستہ ہوتا ہے۔ جو اعمال و اخلاق اللہ کو ناپسند ہیں ان سے وہ پرہیز رکھتا ہے۔ شرک خفی و جلی سے پاک رہتا ہے، بلکہ وہ شرک جو چیونٹی کی رفتار کی آواز سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے اس سے بچتا ہے۔ غرور، کینہ، حسد، حرص اور ہوس سے منزہ ہوتا ہے اور انہی کے ساتھ عمدہ اخلاق و اعمال سے متصف ہوتا ہے، اس مرتبہ کو صوفیہ فناءِ نفس کا مرتبہ کہتے ہیں۔ صوفیہ کا قول ہے کہ اس درجہ پر جب ولی پہنچ جاتا ہے تو اس کا شیطان اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور فرماں بردار بن جاتا ہے۔

ہر کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عیال و جان و ماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانہ ، تو ہر دو جہاں را چہ کند

جس نے تجھے پہچان لیا اس کا جان، اہل وعیال اور خاندان سے کیا تعلق، وہ ان کو لے کر کیا کرے گا، اپنی محبت کا دیوانہ کرنے کے بعد اگر دونوں جہان دیوانہ محبت کو دے دے تو اس کے کس کام کے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تقویٰ یہ ہے کہ تم اپنے کو کسی سے بہتر نہ سمجھو۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا جو شخص اپنی جان کو فرنگی کافر سے بھی بہتر خیال کرتا ہو اس کے لیے اللہ کی معرفت حرام ہے۔ (تفسیر مظہری)

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ لوگ کہ ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔

اولیاء اللہ کی تعریف

یہ ''اولیاء اللہ'' کی تعریف فرمائی یعنی مومن متقی اللہ کا ولی ہوتا ہے۔ پہلے کئی مواقع میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایمان وتقویٰ کے بہت سے مدارج ہیں، پس جس درجہ کا ایمان و تقویٰ کسی میں موجود ہوگا، اسی درجہ میں ولایت کا ایک حصہ اس کے لیے ثابت ہوگا۔ پھر جس طرح مثلاً دس بیس روپے بھی مال ہے اور پچاس، سو، ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ روپیہ بھی۔ لیکن عرفِ عام میں دس بیس روپے کے مالک کو مالدار نہیں کہا جاتا۔ جب تک معتد بہ مقدار مال و دولت موجود نہ ہو، اسی طرح سمجھ لیجیے کہ ایمان وتقویٰ کسی مرتبہ میں ہو، وہ ولایت کا شعبہ ہے اور اس حیثیت سے سب مومنین فی الجملہ ''ولی'' کہلائے جاسکتے ہیں، لیکن عرف میں 'ولی' اسی کو کہا جاتا ہے جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ ایمان وتقویٰ کا پایا جاتا ہو، احادیث میں کچھ علامات وآثار اس ولایت کے ذکر کیے گئے ہیں، مثلاً ان کو دیکھنے سے اللہ یاد آنے لگے یا اللہ کی مخلوق سے ان کو بے لوث محبت ہو۔ عارفین نے اپنے اپنے مذاق کے موافق ''ولی'' کی تعریفیں کی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قابلِ رشک مرتبہ والے لوگ

ابوداؤد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء لیکن قیامت کے دن ان کے مرتبۂ قرب کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا جو بندگان حق سے محض اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں، آپس میں نہ ان کی باہم رشتہ داریاں ہیں نہ مالی لین دین، (کہ قرابت یا مالی لالچ کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے محبت ہو) اللہ کی قسم ان کے چہرے (قیامت کے دن مجسم) نور ہوں گے بالائے نور۔ جب اور لوگوں کو (عذاب) کا خوف ہوگا ان کو خوف نہ ہوگا، جب اور لوگ غم میں مبتلا ہوں گے وہ غمگین نہیں ہوں گے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

حصولِ ولایت کے ذرائع

مرتبۂ ولایت کا حصول رسول اللہ ﷺ کی پرتو اندازی سے ہوتا ہے خواہ عکسِ رسالت براہِ راست پڑے، یا کسی ایک واسطہ سے یا چند واسطوں سے۔ رسول اللہ ﷺ یا آپؐ کے نائبوں سے محبت اور ان کی ہم نشینی و اطاعت حصولِ ولایت کے لیے ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قلب، نفس اور جسم کا رنگ ولی کے قلب، قالب اور جسم پر ان ہی دونوں اوصاف کی وجہ سے چڑھ جاتا ہے اور یہی صبغۃ اللہ ہے جس کے متعلق فرمایا: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ طریقِ مسنون کے مطابق ذکر اللہ کی کثرت عکس پذیری کے لیے مددگار ہوتی ہے۔ اس سے دل کا میل دور ہوجاتا ہے اور آئینۂ قلب کی صفائی ہوکر عکس پذیری کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی منجھائی ہوتی ہے اور دل کو مانجھنے والا اللہ کا ذکر ہے۔ (رواہ البیهقی عن عبدالله بن عمر و بن العاصؓ)

امام مالکؒ، امام احمدؒ اور بیہقیؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا میں نے خود حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ نے فرمایا: جو دو آدمی

میرے لیے باہم محبت کرتے ہیں میرے لیے مل کر بیٹھتے ہیں میرے لیے خرچ کرتے ہیں ان سے میری محبت واجب ہوجاتی ہے۔

محبت کا فائدہ

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے مگر اس قوم کے عمل تک اس کی رسائی نہیں ہوئی؟ فرمایا آدمی کا شمار انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اس کو محبت ہوگی۔ رسائی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے عمل اس قوم کے اعمال کی طرح نہ ہوسکے ہوں۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

اللہ والوں کی صحبت

بیہقیؒ نے شعب الایمان میں لکھا ہے کہ حضرت ابورزینؒ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تجھے بتاؤں کہ اس کام کا مدار کس چیز پر ہے جس سے تجھے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل جائے۔ (مدار خیر یہ ہے کہ) اہلِ ذکر کی مجلسوں میں حاضری کی پابندی کر اور تنہائی ہو تو جہاں تک ہوسکے اللہ کے ذکر سے زبان کو ہلاتا رہ اور اللہ کے واسطے محبت اور اللہ کے واسطے نفرت کر (یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لوگوں سے محبت وعداوت رکھ، ذاتی غرض کوئی نہ ہو۔

امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے پیارا عمل یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے لیے محبت اور بغض کیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کا محبوب کون ہے؟

اولیاء میں ایک جماعت اللہ کی محبوبیت کے درجہ پر بھی فائز ہوجاتی ہے۔ مسلم نے

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیلؑ کو طلب فرما کر حکم دیتا ہے، میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر۔ حسب الحکم جبرئیلؑ اس بندے سے پیار کرنے لگتے ہیں پھر جبرئیلؑ آسمان پر (اہل سماوات) کو ندا دیتے ہیں کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، حسب الارشاد اہلِ سماء اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

پھر زمین والوں میں اس کو مقبولیت عطا کردی جاتی ہے اور جب اللہ کسی بندے سے نفرت کرتا ہے تو جبرئیلؑ کو طلب فرما کر حکم دیتا ہے میں فلاں شخص نے نفرت کرتا ہوں تو بھی اس سے نفرت کر۔ حسب الحکم جبرئیلؑ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان والوں کو جبرئیلؑ ندا کرتے اور کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے نفرت کرتا ہے تم بھی اس سے نفرت کرو۔ آسمان والے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین والوں میں اس سے نفرت پیدا کردی جاتی ہے اور زمین والے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی علامات کیا ہیں؟

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے ارشاد فرمایا: میرے بندوں میں میرے اولیاء وہ ہیں جن کی یاد میرے ذکر سے اور میری یاد ان کا ذکر کرنے سے ہوتی ہے۔ (بغوی)

حضرت اسماءؓ بنت یزید نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ سنو: کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے کون لوگ ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ضرور فرمایئے۔ فرمایا جن کو دیکھنے سے اللہ یاد آتا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

اولیاء کی ہم نشینی اللہ کی ہم نشینی ہے

اس کا گُر یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو اللہ سے قرب اور بے کیف محبت حاصل ہوتی ہے، اسی وجہ سے ان کی ہم نشینی گویا اللہ کی ہم نشینی اور ان کا دیدار اللہ کی یاد دلانے والا اور ان کا

ذکر اللہ کے ذکر کا موجب ہوتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کے سامنے رکھا ہوا آئینہ، جو سورج کی شعاعوں سے جگمگا جاتا ہے اور اس آئینہ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی ہے آئینے کی عکس ریزی سے وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے بلکہ اگر روئی کو اس آئینے کے سامنے زیادہ قریب رکھا جائے تو آئینہ کے قرب کی وجہ سے روئی جل جاتی ہے اور سورج چونکہ دور ہوتا ہے اس لیے دھوپ میں روئی نہیں جلتی۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ نے اولیاء اللہ کے اندر اثر پذیری اور اثر اندازی کی قوی طاقت رکھی ہے۔ اللہ سے قرب اور بے کیف مناسبت رکھنے کی وجہ سے اولیاء میں اثر پذیری کی صلاحیت زیادہ قوی ہوتی ہے اور جنسیت، نوعیت اور شخصیت کے اشتراک کی وجہ سے دوسرے ہم جنس، ہم نوع اور مناسب التشخص افراد پر اثر اندازی کی استعداد بھی ان میں قوی ہوتی ہے۔ یہی تاثر و تاثیر کا تعلق اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ ان کا حضور، اللہ کے سامنے حضوری کا ذریعہ اور ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا اللہ کی یاد کا موجب ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دیکھنے والے اور بیٹھنے والے کے دل میں انکار نہ ہو (منکروں کو کوئی فیض حاصل نہیں ہوتا) وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ اللہ ایمان و اطاعت کی حدود سے باہر نکل جانے والوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اللہ والوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے فرمایا جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں نے اس کو (اپنی طرف سے) جنگ کا الٹی میٹم دے دیا ہے۔ (رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ)

ہر وقت حالت ایک جیسی نہیں رہتی

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! جب ہم حضور ﷺ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ (دوزخ اور جنت کی) ہم کو یاد دلاتے ہیں تو گویا ہم اپنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھ لیتے ہیں لیکن جب آپؐ کے پاس سے نکل کر ہم باہر جاتے ہیں اور بیوی بچوں اور زمینوں کے جھگڑوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ (جنت دوزخ

کو) بھول جاتے ہیں۔ فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ہر وقت تم اسی حالت پر رہو، جس حالت پر میرے پاس اور میرے نصیحت کرنے کے وقت ہو، تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں مگر حنظلہؓ کبھی کبھی ہوتا ہے (ایک حضور کا وقت ایک غیبوبیت کا وقت) یہ الفاظ حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمائے۔ (رواہ مسلم)

کشف و کرامت

عام لوگ کشف و کرامت کو ولایت کی خصوصی نشانی سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ بہت سے اولیاء کشف و کرامت سے خالی ہوتے ہیں اور کبھی بطور استدراج دوسرے لوگوں میں اولیاء کے علاوہ بھی خرقِ عادت اور انکشافِ غیبی پایا جاتا ہے۔ (اس لیے کشف و کرامت معیارِ ولایت نہیں ہے۔ اگر بعض اولیاء سے اتفاقاً کشف و کرامت کا ظہور ہو جائے تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ کشف و کرامت معیارِ ولایت ہے۔ اللہ نے اپنے رسولِ مکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى إِلَيَّ ، آپ کہہ دیجیے کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر مجھے یہ امتیاز ہے) میرے پاس وحی آتی ہے۔ دوسری جگہ خطاب کر کے فرمایا: لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اگر میں غیب داں ہوتا تو کثیر بھلائی سمیٹ لیتا اور برائی مجھے چھو بھی نہ جاتی۔ ایک جگہ اور خطاب فرمایا ہے قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ آپ کہہ دیجیے کہ معجزات تو اللہ کے قبضے میں ہیں۔

صوفیاء کرام کا قول ہے، کرامت تو مردوں کا حیض ہے، اس کو چھپانا ہی ضروری ہے۔ کرامت کی وجہ سے ایک ولی کو دوسرے ولی پر فضیلت نہیں ہوتی، اسی لیے جن اولیاء کے ہاتھوں سے کرامات کا ظہور زیادہ ہوا ان کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی۔

اولیاء کے لیے بشارتیں

﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ﴾

ان کے لیے ہے خوشخبری دنیا کی زندگانی میں اور آخرت میں۔

اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں مثلاً حق تعالیٰ نے انبیاء کی زبان جو لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وغیرہ کی بشارت دی ہے، یا فرشتے موت کے قریب ان کو کہتے ہیں اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حم سجدہ، رکوع ۴) یا کثرت سے سچے اور مبارک خواب انھیں نظر آتے ہیں یا ان کی نسبت دوسرے بندگانِ حق کو دِکھائی دیتے ہیں جو حدیث صحیح کے موافق نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ یا ان کے معاملات میں اللہ کی طرف سے خاص قسم کی تائید و امداد ہوتی ہے یا خواص میں اور کبھی خواص سے گزر کر عوام میں بھی ان کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے، اور لوگ ان کی مدح وثناء اور ذکر خیر کرتے ہیں، یہ سب چیزیں دنیوی بشارت کے تحت میں درجہ بدرجہ آسکتی ہیں مگر اکثر روایات میں لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی تفسیر رویائے صالحہ سے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم! رہی بشارتِ اخروی، وہ خود قرآن میں منصوص ہے بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور حدیث میں بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اچھا خواب بشارت ہے

حدیث میں ہے کہ نبوت تو ختم ہوئی البتہ نبوت کا ایک جزء یعنی رویائے صالحہ باقی رہ گیا ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی تو نہیں مگر اللہ کے دوستوں کے لیے وحی کا ایک نمونہ یعنی سچا خواب باقی رہ گیا ہے کہ قیامت تک آنے والے مومنین صالحین کو سچے خوابوں سے بشارتیں ملتی رہیں گی۔ (گلدستہ، ج۳، ص۲۷۵)

بَابُ: إِنَّ عَبْدِی الْمُؤْمِنَ عِنْدِیْ بِمَنْزِلَةِ كُلِّ خَيْرٍ......

باب : ربّ العزّت کی جناب میں مومن کا رتبہ ومقام محض خیر و بھلائی ہے

(۳۹۳) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول:

"إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ: إِنَّ عَبْدِی الْمُؤْمِنَ عِنْدِیْ بِمَنْزِلَةِ كُلِّ خَيْرٍ يَحْمَدُنِی وَ أَنَا أَنْزِعُ نَفْسَهُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ." [صحيح] (أخرجه أحمد ج ۱۶/۸۴۷۳)

مومن کے لیے ہر حال میں بھلائی ہے

(۳۹۳) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا، حق جل مجدہ ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندۂ مومن کے لیے ہر حال میں خیر و بھلائی ہے، وہ میری حمد و تعریف ہی کرتا ہے حالانکہ میں اس کی جان کو اس کے پہلو سے نکالتا ہوں۔

بندۂ مومن کا معاملہ ہر حال میں خیر ہی خیر ہے

(۳۹٤) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِنَّ الْمُؤْمِنَ عِنْدِی بِمَنْزِلَةِ كُلِّ خَيْرٍ يَحْمَدُنِی وَ أَنَا أَنْزِعُ نَفْسَهُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ." [حسن] (أخرجه أحمد ج ۲ ص ۳۶۱)

(۳۹۴) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حق جل مجدہ نے فرمایا: مؤمن (بندہ) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و بھلائی پر ہے۔ میں مقررہ مدت پوری ہوتے ہی اس کی روح نکال لیتا ہوں اور وہ اس حال میں میری حمد و تعریف کرتا ہے۔

فائدہ: حدیث بالا میں حق جل مجدہ نے اپنے مؤمن بندے کی تعریف کرتے ہوئے جو بات بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ: بندے کی بھلائی اور اس کا نفع اس بات میں

ہے کہ وہ نعمتوں پر شکر ادا کرتا رہے؛ دنیاوی زندگی پوری ہوتے ہی روح قبض کیے جانے پر حمد وثنا کرے اور مشیت الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔

یہ باتیں ایسی ہیں جو سراسر شانِ عبدیت کے موافق ہیں اور حمد کا شمار تو اعلیٰ درجے کی کمالِ عبدیت میں ہے ہی۔ واللہ اعلم!

مومن ہر حال میں خیر و بھلائی پر ہے

(۳۹۵) للحکیم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ وعن أبی هريرة رضی اللہ عنہ:

"قَالَ تَعَالٰی: إِنَّ الْمُؤْمِنَ مِنِّیْ یَعْرِضُ کُلَّ خَیْرٍ أَنِّی أَنْزِعُ نَفْسَهُ مِنْ بَیْنِ جَنْبَیْهِ وَ هُوَ یَحْمَدُنِی." [صحیح] (کما فی کنز العمال ج ۳/۰۹۰ ۲۶)

(۳۹۵) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: مؤمن (بندہ) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و بھلائی پر ہے۔ میں مقررہ مدت پوری ہوتے ہی اس کی روح نکال لیتا ہوں اور وہ اس حال میں میری حمد و تعریف کرتا ہے۔

شانِ تسلیم و رضا حمد کا خوگر بنا دیتی ہے

حق جل مجدہ جب اپنے کسی بندہ کو مقربینِ بارگاہِ ربّ العزت کے لیے منتخب فرماتے ہیں تو پھر اس کو شانِ عبودیت کے مقام پر لانے کے لیے کئی طرح کی تجلیات و انوارت کے فیض کا نزول فرماتے ہیں اور بندہ کو شانِ تسلیم و رضا کے اس رتبہ پر لا کھڑا کرتے ہیں جہاں بندہ پر حمد باری کا ہی فیضان ہوتا ہے۔ نگاہ ربِ دو جہاں کی جانب اٹک جاتی ہے، غیر کا دھیان و دُھن ہی ختم ہوجاتا ہے، حالات پر نظر نہیں جاتی، نازل کس کی طرف سے ہورہی ہے، اس طرف توجہ مرکوز ہوجاتی ہے، اور ایسے حالات میں حمد کا زبان پر جاری ہونا اکمل ترین ایمان کی دلیل ہے۔ اور یہ شیوہ مومنین کاملین کا ہے۔ قرآن مجید میں بار بار حق جل مجدہ نے اپنے مقربین اور محبوبین کو یہی تعلیم دی ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ﴾ حق تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کا مشغلہ رکھیں۔ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کاملین کا وظیفہ ہی تسبیح و تحمید

ہے گویا کہ عروجِ مراتبِ علیا کے بعد، تکمیلِ عبدیت کے بعد سالکین کا وظیفہ بس تسبیح وتحمید ہے۔ حدیث بتلا رہی ہے کہ حالتِ نزع میں بھی جبکہ عادتاً انسان ہوش وحواس کھودیتا ہے، اس وقت کلماتِ حمد کا القا ہونا کتنی عظیم سعادتِ ربانی ہے کہ حضورِ حق میں حاضری ہونے والی ہے، جس کے پاس جارہا ہے اسی کی حمد کے ساتھ باریاب ہورہا ہے، بابِ دنیا کو حمد کی شہادت کے ساتھ بند کررہا ہے اور آخرت کا دروازہ حمد سے کھول کر جس کی حمد ہورہی ہے اسی کے پاس حاضر ہورہا ہے۔ وہ اپنے کلامِ قدسی میں اطلاع دے رہا ہے کہ اس طرح مومن ہر خیر وبھلائی کو سمیٹ لیتا ہے۔ لمحاتِ زندگی کے نفحاتِ خیر کو چھوڑتا نہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جو عبدیت کے کمالِ عروج کا اتہ پتہ دیتا ہے۔ مولانا احمدؒ نے خوب کہا ہے:

حمد تیری اے خدائے لم یزل
ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا
ذکر تیرا روح کی میری شفا

آئندہ کئی حدیثیں آرہی ہیں جن میں آپ بغور پڑھیں گے کہ بندہ اپنے زبان سے چند کلماتِ حمد، حضورِ حق میں اعترافِ عبدیت اور اقرارِ ربوبیتِ کبریٰ، عظمت وجلالِ کبریا کے اظہار کے لیے بیان کرتا ہے، اور اس کو بارگاہِ ربّ العزت میں یہ مقام ملتا ہے کہ بعینہٖ انہی الفاظ کو لکھ لیا جاتا ہے اور اجر وثواب کو ظاہر بھی نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ بندہ نے جس خلوصِ دل اور طہارتِ قلب اور عظمت وامنگ کے ساتھ رب تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کی ہے ان جذباتِ خاطر کو حق تعالیٰ کے سوا بھلا اور کون جان سکتا ہے، لہٰذا اس کو عام میزان وقانون سے علیحدہ وجدا رکھا گیا، اور دل کی امنگ اور عبدیت میں ڈوبے ہوئے کلمات کی قدرت اپنی شایانِ شان اجر عطا کرے گی۔ واللہ اعلم (ثمین)

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی علامت
(مسلمانوں کی مضرت رسانی شریعت میں بدترین جرم ہے)

وَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنَمٍ وَّ اَسْمَآءَ بِنْتِ یَزِیْدَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ خِیَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ اِذَ رُأُوْ ذُکِرَ اللّٰہُ وَ شِرَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِیْمَۃِ الْمُفرِّقُوْنَ بَیْنَ الْاَحِبَّۃِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ.

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ ص٤١٥ ،
ورواہ ابن ماجہ الجزء الاول کمافی المشکوٰۃ ص٤٢٧)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ واسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص نیک بندے وہ لوگ ہیں جن پر نظر پڑے تو فوراً اللہ یاد آجائے اور بندوں میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور مخلص دوستوں کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں اور بے گناہوں کو مصیبت میں پھنساتے رہتے ہیں۔

شرح: جب مومن کے قلب میں تکرارِ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے سوا اور کچھ باقی نہ رہے تو اس کے چہرے پر نظر پڑ جانے سے اگر اللہ ہی یاد نہ آئے تو اور کیا ہو۔ شیخ محدث عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے زمانے میں ایک ایسے شیخ کا تذکرہ کیا ہے جس کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ نکل جاتا تھا۔ خود اس حقیر نے بھی اس صفت کے ایک صاحب کو دیکھا ہے وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

حضراتِ علماء اسی کے ساتھ صحیح بخاری کی حدیث لَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ کو اخیر تک پڑھ کر جتنی چاہے اس کی شرحیں کرلیں اور لطف اندوز ہوں۔ عوام کے فہم سے بالاتر ہونے کی وجہ سے اس معمہ کی شرح کرنا نامناسب ہے۔ صرف اس حقیقت کا اصل جلوہ آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نظر آتا تھا۔ کتنے

ہی لوگ ایسے گزرے ہیں جو آپ ﷺ کو دیکھنا تو درکنار صرف آپ کی صفات سن کر آپ کا کلمہ پڑھنے لگے اور جنھوں نے آپ ﷺ کو ایمان کے ساتھ ایک نظر دیکھ لیا ان کا کیا کہنا وہ تو اسی آن میں صحابیت کے مدارج سے مشرف ہوگئے۔

خوشا نصیب اس اُمت کہ جس کو اس بحرِ ذخار کا اتنا سا قطرہ آج بھی نصیب ہے کہ کسی گفت وشنید کے بغیر جہاں ان کے چہرے پر نظر پڑی اسی وقت دل میں یادِ الٰہی کی بجلی کوندگئی۔ سبحان اللہ! یہ امت بھی کیا اشرف امت ہے۔ بقیہ جملے بھی اگرچہ شرح طلب ہیں مگر یہاں اس کو اختصاراً ترک کیا جاتا ہے۔ لوگ صرف ترجمہ پر غور کرکے اس وبالِ عظیم سے بچیں تاکہ شرار عباد اللہ میں داخل نہ ہوں۔ (جواہر الحکم، ص ۷۱، حصہ ۲)

بَابُ : مَنْ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا

باب: جس نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا کہا

(۳۹۶) عن أنس رضی اللہ عنہ :أن رسول اللهﷺ كان يصلى فَسَمِعَ رجُلًا يقولُ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ:

"أَيُّكُمُ الْقَائِلُ كَلِمَةَ كَذَا وَكَذَا، فَأَرَمَّ الْقَوْمُ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا قُلْتُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا الْخَيْرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّم : لَقَدْ رَأَيْتُ اثْنَىْ عَشَرَ مَلَكًا ابْتَدَرُوْهَا حَتّٰى رَفَعُوْهَا فَقَالَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى: اُكْتُبُوهَا، إِلَّا أَنَّهُمّ سَأَلُوْا رَبَّهُمْ كَيْفَ يَكْتُبُوْنَهَا فَقَالَ اكْتُبُوهَا كَمَا قَالَ عَبْدِى." [صحيح] (أخرجه الطيالسي في مسنده / ۲۰۰۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ

(۳۹۶) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے تو آپؐ نے کسی مقتدی سے سنا، جو رکوع سے کھڑے ہوتے وقت سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ بھی کہا۔ سلام کے بعد

رسول اللہ ﷺ نے معلوم کیا کہ یہ کلمہ کس نے کہا ہے؟ سب کے سب نے خاموشی لگا دی۔ اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے تین بار دہرایا۔ تیسری بار ایک صحابی نے عرض کیا: میں نے کہا ہے یا رسول اللہ ﷺ اور میں نے تو اس کلمہ سے خیر و بھلائی ہی چاہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ اس کلمہ کو حق تعالیٰ کے پاس لے جانے کے لیے لپکے، یہاں تک کہ اس کو حضورِ حق میں لے گئے۔ تو حق جل مجدہ نے فرمایا: اس کو لکھ لو۔ تو انھوں نے سوال کیا کتنا ثواب لکھیں؟ تو ربّ العزت نے فرمایا بعینہٖ اسی کلمہ کو لکھ لو (یعنی اس کا ثواب حق تعالیٰ خود ہی دیں گے کہ کتنا ثواب دیا جائے)۔ (اخرجہ الطیالسی فی مسندہ/۲۰۰۱)

اسی طرح لکھ لو جس طرح بندہ نے کہا

(۳۹۷) عن أنس رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فِي الصَّلاةِ فقال: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ. فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ الصَّلَاةَ . قَالَ:

"أَيُّكُمُ الْقَائِلُ كَلِمَةَ كَذَا وَ كَذَا."

قَالَ: فَأَرَمَّ الْقَوْمُ. قَالَ: فَأَعَادَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا قُلْتُهَا وَ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا الْخَيْرَ. قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

"لَقَدِ ابْتَدَرَهَا اثْنَا عَشَرَ مَلَكًا فَمَا دَرَوْا كَيْفَ يَكْتُبُونَهَا حَتّٰى سَأَلُوْا رَبَّهُمْ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ: اُكْتُبُوْهَا كَمَا قَالَ عَبْدِي."

[صحيح] (أخرجه أحمد ج ٣ ص٢٦٩)

(۳۹۷) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اللہ ﷺ کے پاس بحالتِ نماز آئے (یعنی رسول اللہ ﷺ نماز میں تھے) اس شخص نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کی تو فرمایا: کس آدمی نے وہ کلمات کہے ہیں؟ تو سب کے سب خاموش رہے تو تین بار آپ ﷺ نے یہ سوال کیا۔ تو ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے کہا ہے اور میرا مقصد خیر ہی تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کلمہ کو لینے کے لیے بارہ فرشتے لپکے؛ مگر ان کو پتہ نہیں تھا کہ اس کا کتنا ثواب لکھیں تو

اللہ ربّ العزت سے سوال کیا۔ جواب میں حق جل مجدہ نے فرمایا: اس کو اسی طرح لکھ لو جس طرح میرے بندہ نے کہا ہے۔ (اخرجه احمد ۳/ ۲۷۹)

فرشتوں کو نہیں معلوم کہ اس کا ثواب کیا ہے؟

(۳۹۸) عن أنس ﷺ قال: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِى الْحَلْقَةِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبى ﷺ وَ عَلَى الْقَوْمِ فَقَالَ: اَلسَّلامُ عَلَيْكُمْ. فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ وَ عَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ. فَلَمَّا جَلَسَ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكاً فِيْهِ كَمَا يُحبُّ رَبُّنَا وَ يَرْضٰى. فَقَالَ له النبىُّ ﷺ:

"وَ الَّذِىْ نَفْسِى بِيَدِهِ! لَقَدْ ابْتَدَرَهَا عَشْرَةُ أَمْلَاكٍ كُلُّهُمْ حَرِيْصٌ عَلٰى أَنْ يَكْتُبُوْهَا فَمَا دَرَوْا كَيْفَ يَكْتُبُوْهَا فَرَجَعُوْا إِلَى ذِى الْعِزَّةِ جَلَّ ذِكْرُهُ فَقَالَ: اُكْتُبُوْهَا كَمَا قَالَ عَبْدِىْ." [حسن] (أخرجه ابن حبان فى صحيحه /۷ ۲۳۳ موارد)

(۳۹۸) ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آئے اور نبی ﷺ کو اور قوم کو السلام علیکم کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جب وہ آدمی بیٹھ گیا تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَ يَرْضٰى کہا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تحقیق کہ دس فرشتے بھاگے اس امید پر کہ اس کا ثواب لکھیں، مگر ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا ثواب کیا ہے تو سب کے سب ربّ العزت کے پاس گئے اور عرض کیا: ربّ العالمین! اس کا ثواب کیا لکھیں؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ان کلمات کو بعینہٖ لکھ لو جیسے بندہ نے کہا ہے، یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا حَمْدَهُ وَ يَنْبَغِىْ لَهُ اور ابنِ حبان کی روایت میں كما يحب ربنا و يرضى.

ایسی حمد جو نعمتوں کا حق ادا کر دے

(۳۹۹) للبخاری فی الضعفاء عن ابن عمر رضی اللہ عنہ:

عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:

”مَنْ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ حَمْدًا يُوَافِي نِعَمَهُ وَ يُكَافِئُ مَزِيْدَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، فَتَقُوْلُ الْحَفَظَةُ: رَبَّنَا لَا نُحْسِنُ كُنْهَ مَا قَدَّسَكَ عَبْدُكَ هٰذَا وَ حَمِدَكَ !! وَ مَا نَدْرِيْ كَيْفَ نَكْتُبُهُ؟ فَيُوْحِي اللّٰهُ اِلَيْهِمْ أَنِ اكْتُبُوْهُ كَمَا قَالَ عَبْدِيْ.“

[ضعیف] (کما فی الترغیب ج ۲ ص۷٤٦)

(۳۹۹) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ حَمْدًا يُوَافِي نِعَمَهُ وَ يُكَافِئُ مَزِيْدَهُ.

(تمام تعریف ہے اللہ کی جو پالنے والا ہے سارے جہان کا، بہت زیادہ تعریف، پاک اور جس میں برکت ہو ہر حال میں، اس کی ایسی حمد جو نعمتوں کا حق ادا کر دے اور جو نعمتیں مزید ملنے والی ہیں اس کو بھی کافی ہو۔)

تین بار پڑھے گا، تو محافظِ اعمال فرشتے کہتے ہیں: ہمارے رب! ہم ان کلمات کی خوبی و حقیقت سے ناواقف ہیں جو آپ کے بندے نے آپ کی تقدیس اور تحمید کی ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم اس کا ثواب کتنا لکھیں؟ حق جل مجدہ نے وحی نازل کی کہ ان کلمات کو بعینہٖ لکھ لو جس طرح میرے بندے نے کہا ہے۔ (الترغیب۲/۷٤٦)

فرشتے پر یہ بات بہت دشوار ہوئی

(٤٠٠) للطبرانی فی الأوسط عنه(سلمان رضی اللہ عنہ):

قال رسول اللّٰہ ﷺ :قال رجل:

”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا. فَأَعْظَمَهَا الْمَلَکُ أَنْ یَکْتُبَهَا فَرَاجَعَ فِیْهَا رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ. فَقَالَ: اُکْتُبْهَا کَمَا قَالَهَا عَبْدِیْ کَثِیْرًا.“

[ضعیف] (کما فی مجمع الزوائد ج١٠ ص٩٦)

(۴۰۰) ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کثیرًا ۔ اللہ کی بے شماران گنت تعریف ہے۔ فرشتے پر یہ بات بہت ہی بھاری اور دشوار ہوئی کہ اس کو کس طرح لکھے۔ تو فرشتے نے ربّ العزت کی بارگاہ میں رجوع کیا کہ کس طرح لکھے۔ حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا: اس کلمہ کو اسی طرح لکھ لو جس طرح میرے بندہ نے کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۹۶/۱۰)

(٤٠١) روی أبو الشیخ وابن حبّان من طریق عطیة عن أبی سعید رضی اللہ عنہ مرفوعاً.

”إِذَا قَالَ الْعَبْدُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا. قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اُکْتُبُوْا لِعَبْدِیْ رَحْمَتِیْ کَثِیْرًا. “ [ضعیف] (کما فی الترغیب ج ٢ ص ٤٥١)

(۴۰۱) ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے، جب بندہ کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا (اللہ تعالیٰ کی بے شماران گنت تعریف ہے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ کے لیے میری رحمت بھی بے شماران گنت لکھ لو۔ (الترغیب ۲/۴۵۱)

بَابٌ : أَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ قَالَ: یَا رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ

باب: حمد کا عجیب کلمہ

(٤٠٢) حدَّثنا عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ أَن رسولَ اللّٰہ ﷺ حدَّثهم:

أَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ قَالَ: یَا رَبِّ! اَلْحَمْدُ لَکَ کَمَا یَنْبَغِی لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَ لِعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ فَعَضَّلَتْ بِالْمَلَکَیْنِ فَلَمْ یَدْرِیَا کَیْفَ یَکْتُبَانِهَا فَصَعِدَا إِلَی السَّمَاءِ وَ قَالَا: یَا رَبَّنَا! إِنَّ عَبْدَکَ قَدْ قَالَ مَقَالَةً لَا نَدْرِیْ کَیْفَ نَکْتُبُهَا. قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ – وَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا قَالَ عَبْدُهُ – : مَاذَا قَالَ عَبْدِیْ؟

قَالَا: يَا رَبِّ! إِنَّهُ قَالَ: يَا رَبُّ! لَکَ الْحَمْدُ کَمَا يَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَ عَظِيْمِ سُلْطَانِکَ فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمَا: اُکْتُبَاهَا کَمَا قَالَ عَبْدِیْ حَتّٰی يَلْقَانِی فَأَجْزِيَهُ بِهَا.'' [ضعيف](أخرجه ابن ماجه ج ۲ / ۳۸۰۱)

بندہ مومن کا مقام عبدیت میں خالق کی عظمت وربوبیت کا اعتراف

(۴۰۲) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ نے کہا: يَا رِبِّ! اَلْحَمْدُ لَکَ کَمَا يَنْبَغِی لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَ لِعَظِيْمِ سُلْطَانِکَ (یارب آپ کی ایسی حمد جو آپ کی شان جلال کے مناسب ہو اور آپ کی عظیم بادشاہی کے مناسب ہو) فرشتے اس پر بہت حیران ہوئے کہ اسے کیسے لکھا جائے تو وہ آسمان پر گئے اور عرض کیا: ربّ العزت! تیرے بندے نے ایک ایسا جملہ تیری حمد کا کہا ہے جسے ہم نہیں جانتے کہ کیسے لکھیں (یعنی مقدارِ اجر و ثواب) حق جل مجدہ نے فرمایا: (حالانکہ وہ زیادہ جانتے ہیں اپنے بندہ کے احوال کو) میرے بندہ نے کیا کہا؟ فرشتے نے عرض کیا: ربّ العزت! اس بندہ نے کہا ہے يَا رِبِّ اَلْحَمْدُ لَکَ کَمَا يَنْبَغِی لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَ لِعَظِيْمِ سُلْطَانِکَ۔ حق جل مجدہ نے فرمایا: اس کلمہ کو بعینہٖ اسی طرح لکھ لو، جس طرح میرے بندہ نے کہا ہے، یہاں تک کہ جب بندہ مجھ سے ملے گا میں خود اس کی جزاوثواب بندہ کو دوں گا۔ (ابن ماجہ ۲/۳۸۰۱)

بندۂ مخلص کا ربط مع اللہ

اس حدیث میں حضور پُرنور ﷺ نے ایک شخص کی حمد جو اس نے ربّ العالمین کی شان میں بیان کی تھی اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ انسان جب مقامِ عبدیت میں مکمل رسوخ پیدا کرلیتا ہے اور اپنے قلوب کو خشیتِ باری سے معمور کر کے جب ہمہ تن عبدِ کامل کا مظہر بنتا ہے تو اس وقت جو الفاظ اس کی زبان سے نکلتے ہیں وہ درحقیقت الہامِ ربّ العالمین ہی ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ مخلص کے قلب میں ڈال دیا تھا اور وہی الفاظ

صاحبِ حال کی زبان پر جاری و ساری ہوتے ہیں جو حق جل مجدہ کو از حد مقبول و پسند ہوتے ہیں۔ کیونکہ قلب ہی محورِ ربانی ہے اور قلب کی صدا اور حقیقت، حقیقت کی ترجمانی ہوتی ہے کیونکہ جملہ وارداتِ قلب مجلّیٰ و مُصفّیٰ پر ہی ہوا کرتی ہے اور جو بھی حالت ربّ العالمین اور اس کے بندۂ مخلص کے مابین ہوا کرتی ہے عالمِ خوف وخشیت میں یا عالمِ عبدیت کے اظہار میں اس کا پتہ ملکوتی مخلوق کیا لگا سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک راز ہے جو بندہ و خالق کے مابین ہے۔ غالبًا اس کو کسی نے فارسی میں کیا خوب کہا ہے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

نعمتِ منعم

اور یہی وہ نعمت ہے جس سے جملہ مخلوقات عاری ہیں سوائے مردمومن کے اور اس کا مشاہدہ مردِ مومن خوب ہی کیا کرتا ہے۔ اسی قبیل سے یہ دعا بھی مردِ مومن کی ایک قلبی صدا ہے جو ایک بندۂ مومن عالمِ عبدیت میں غرق ہو کر اپنے خالق و مولیٰ کی بارگاہِ صمدیت میں اعترافِ قصور و عبدیت اور عظمتِ ربوبیت کے اظہار کے لیے پیش کر رہا ہے۔ اور ظاہر سی بات ہے کہ اس کیفیت کا مشاہدہ جس میں یہ الفاظ نکلے ہیں، ملکوتی کو کیا خبر۔ کیونکہ اجر و ثواب بعض دفعہ کیفیت کے اوپر مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً نمازِ باجماعت ۲۵ یا ۲۷ درجہ مضاعف ہوتی ہیں۔ بہر حال درود شریف اور بہت سی عبادات میں بھی اس کا اعتبار ہے مگر قلبِ مومن کی کیفیت کا اندازہ کما حقہ حضرت حق جل مجدہ کے سوا کیا کوئی اور لگا سکتا ہے۔ کیونکہ قلب کا خالق ہی قلبِ مومن کو جانتا ہے اس لیے وہ دونوں فرشتے حق جل مجدہ سے اس جملہ کے ثواب کو معلوم کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ کتنا اجر لکھوں؟ خالق کی بھی شانِ عطا دیکھئے، راز کو راز میں ہی رکھا اور فرشتوں کو حکم دے دیا کہ بس تم ان کے الفاظ کو لکھ لو، جب وہ مجھ سے ملیں گے تو میں خود ہی ان کا بدلہ دے دوں گا، سبحان اللہ! کیا مقامِ عبدیت ہے۔ جو انسان مجموعۂ خیر وشر تھا، اب بارگاہِ ربّ العزّت میں اتنا مقبول ہوا کہ فرشتوں کو بھی انعام

والطافِ باری پرحق جل مجدہ نے مطلع نہ ہونے دیا اور یہ اعزاز و اکرام، جس دن نفسی نفسی کا عالم ہوگا خالق عزوجل خود عطا کریں گے۔ اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنَا مِنۡھُمۡ بِفَضۡلِکَ وَ بِرَحۡمَتِکَ وَ بِجَاہِ نَبِیِّکَ یَا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِیۡنَ۔

بَابُ : نَعَمۡ أَتَانِیۡ جِبۡرِیۡلُ فَقَالَ: إِذَا أَنۡتَ عَطَسۡتَ فَقُلۡ

باب: جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کو چھینک کا جواب سکھلایا

(٤٠٣) عن أبی رافع رضی اللہ عنہ قال: خرجت مع رسول اللّٰہ ﷺ من بیتہ یریدُ المسجدَ و ھو آخذٌ بیدی فانۡتَھَیۡنَا إلی البقیعِ فَعَطسَ رسولُ اللّٰہ ﷺ فخلیَّ یَدَیَّ ثم قامَ کالمُتَحَیّرِ فقلتُ یا نبیَّ اللّٰہَ بأبی و أمی قلتَ شیئًا لم أفۡھَمۡہُ قال:

"نَعَمۡ أَتَانِی جِبۡرِیۡلُ عَلَیۡہِ السَّلَامُ فَقَالَ: إِذَا أَنۡتَ عَطَسۡتَ فَقُلۡ: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کَکَرَمِہٖ، وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہ کَعِزِّ جَلَالِہٖ، فَإِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوۡلُ: صَدَقَ عَبۡدِی، صَدَقَ عَبۡدِی، صَدَقَ عَبۡدِی مَغۡفُوۡرًا لَہٗ."

[ضعیف] (أخرجه ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة/٢٦٠)

رسول اللہ ﷺ کو چھینک آئی تو کیا کہا؟

(۴۰۳) ترجمہ: ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں گھر سے نکلا، مسجد جانے کا ارادہ تھا، جبکہ نبی ﷺ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ ہم لوگ جنت البقیع کے پاس آئے تو رسول اللہ ﷺ کو چھینک آئی تو آپ نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور آپ حیرانی کے عالم میں کھڑے ہوگئے، تو میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ نے کچھ فرمایا جو میں نہیں سمجھ سکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: جب آپ ﷺ کو چھینک آئے تو کہیے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہ کَکَرَمِہٖ، وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہ کَعِزِّ جَلَالِہٖ تمام تعریفیں پروردگار عالم کے لیے ہیں، اس کی عزت وجلال کے بقدر۔ تو اللہ پاک فرماتے ہیں: میرے بندہ

نے سچ کہا، میرے بندہ نے سچ کہا، میرے بندہ نے سچ کہا، میں نے مغفرت کر دی۔

چھینک آثارِ حیات وعلامت ہے

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب حق جل مجدہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا یعنی ان کے جسمانی پتلے میں روح پھونکی گئی تو ان کو چھینک آئی تو آدم علیہ السلام نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا حضرت آدم کا یہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا بامر اللہ۔ یعنی الہامِ ربانی والقاءِ رحمانی تھا تو حق جل مجدہ نے جواب میں یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہا۔ اللہ کی رحمت ہو آدم پر یعنی آدم تم پر اللہ رحم فرمائے۔ پھر حدیث طویل ہے۔

ایک دوسری روایت مستدرک حاکم میں ہے کہ جب آدم کے جسم میں روح پھونکی گئی تو روح جسم میں دوڑی اور چل پڑی یہاں تک کہ سر میں پہنچی تو ان کو چھینک آ گئی تو انھوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن کہا، جس کے جواب میں حق جل مجدہ نے فرمایا: یَرْحَمُکَ اللّٰہُ یَا آدَمُ۔ اے آدم اللہ تم پر رحم کرے۔ بعض محدثین کی رائے ہے کہ روح پہلے آنکھ اور ناک کے بانسے میں پہنچی تو ان کو چھینک آ گئی۔ جس کا استقبال انھوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن سے کیا۔ جس سے معلوم ہوا اور ثابت ہوتا ہے کہ چھینک آثار و علاماتِ حیات میں سے ہے اس لیے آج تک اس پر الحمد للہ کہنا سنتِ آدم شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے جواب میں یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہنا اسی قدیمی سنت کے مطابق ہے۔ مسلمانوں کو اس سنت کو زندہ رکھنا، فراموش نہ کرنا چاہیے۔ مگر افسوس کہ آج مسلمانوں میں بھی غیروں کے اختلاط سے یہ سنت فراموش ہو رہی ہے اور پھر بعض نے تو اس کو برکت کی جگہ آثارِ نحوست تک سمجھ لیا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔

اکرامِ آدم اور تحمیدِ باری

آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور حق جل مجدہ نے فوراً اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن کا اجراء والہام زبانِ آدمؑ پر کیا۔ آدم علیہ السلام کو کیا معلوم کہ چھینک کیا ہوتی ہے اور پھر حمدِ

کبریائی کا کیا طریقہ ہوتا ہے مگر رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے خلیفہ کو اپنی حمد وثنا کا بول بھی بتلایا اور الفاظِ حمد بھی جاری فرما کر اکرام وکرامت کا رتبہ بتلایا کہ یہ خلیفۃ اللہ، اللہ کی حمد کا خوگر ہوگا اور اس کو حمد کا مقام ملے گا۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق

(۱) جب ملاقات ہو تو سلام کرے۔

(۲) جب وہ اس کو دعوت کے لیے بلائے تو لبیک کہے رد نہ کرے۔

(۳) جب وہ چھینکے تو **یَرْحَمُکَ اللّٰہُ** کہہ کر دعا دے۔

(۴) جب وہ بیمار پڑے تو اس کی بیمار پرسی کرے۔

(۵) جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔

(۶) اور اس کیلئے وہ بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (ترمذی ۲۷۳۸)

ایک روایت میں ہے: اور اس کی خیر خواہی کرے خواہ وہ حاضر ہو یا غیر حاضر۔

چھینک کے آداب واحکام اور اس کا جواب

جب کسی بندہ کو چھینک آئے، تو **اَلْحَمْدُ لِلّٰہ** کہے، اور اس کے جواب میں اس کا مسلمان بھائی **یَرْحَمُکَ اللّٰہُ** کہے۔ پھر چھینکنے والا **یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ** کہے کیونکہ چھینک آنا ایک قسم کی برکت اور بیماری سے شفا ہے، طبیعت صاف ہوجاتی ہے، طبیعت کھل جاتی ہے۔ دماغ کا بخار اور زائد داخلی اشیاء کا اخراج ہوجاتا ہے لہٰذا چھینک آنا اللہ کا فضل ہے اور فضل پر حمد ضروری ہے نیز شعارِ انبیاء علیہم السلام ہے کہ چھینکنے والا ملتِ انبیاء کا تابعدار اور انبیاء کی سنتوں کا پابند اور سنتوں سے محبت رکھتا ہے۔

چھینکتے وقت منہ ڈھانپ لینا چاہیے۔ جب چھینکنے والا **الحمد للہ** کہے تو سننے والوں کو جواب دینا واجب ہے۔ چھینکتے وقت آواز چھینکنے کی پست کر لینی چاہیے۔ اسی مقصد کے تحت منہ پر ہاتھ رکھ کر یا ڈھانپ لے تاکہ آواز اونچی نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ چھینک اللہ

تعالیٰ کو پسند ہے اور جمائی ناپسند۔

آمدِ جبریلؑ اور انکشافِ حقیقت اور کلماتِ مغفرت

جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور حق جل مجدہ کا بار بار صَــدَقَ عَبْـدِیُ، صَـدَقَ عَبْـدِیُ یعنی میرے بندے نے سچ کہا، بالکل سچ کہا۔اس کی مغفرت ہوگئی۔اس میں تین باتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ چھینک کے بعد جبرئیل علیہ السلام کی آمد، اور پھر چھینک کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اَلْـحَـمْـدُ لِلّٰهِ کَکَرَمِهٗ، وَ الْحَمْدُ لِلّٰه کَعِزِّ جَلَالَهٗ ،یعنی حق جل مجدہ کی حمد، اس کے کرم وفضل کے مناسب، ظاہر ہے بندہ پر ہر گھڑی ولمحات اللہ تعالیٰ کا کرم وفضل مسلسل ہوتا ہی رہتا ہے تو بندہ کی جانب سے بھی ہر لمحات وسکنات اللہ تعالیٰ کی حمد ہونی چاہئے۔اور منجانب اللہ خالق کی جانب سے کرم وفضل ہونا ہم مشاہدہ کرتے ہیں مگر بندہ ہر گھڑی ولمحات حمد باری نہیں کرسکتا اپنے ضعف و دوسری ضرورت واحتیاج کی مشغولیت کی بناپر۔لہٰذا یہ بھی کرم بالائے کرم ہوا کہ خالق جل مجدہ نے ایسے کلمات سکھلا دیئے کہ ایک ہی لفظ نے تمام نعمتوں کے بقدر حمد باری کے قائم مقام بنادیا۔اور بارگاہ بے نیاز میں مقبولیت کا بھی اتہ پتہ لگ گیا کہ نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کردیا گیا کہ جناب باری تعالیٰ یہ کلمات بندہ سے سن کرفرماتے ہیں صَـدَقَ عَبْـدِیُ، مَـغْـفُوْرًا لَهٗ اسی طرح اَلْـحَـمْـدُ لِـلّٰه کَعِزِّ جَلَالِهٖ کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ کی حمد ہے اس کی عزت بلندیٔ شان کے مناسب، حق جل مجدہ کی عزت وجلال کا مخلوق کو کیا پتہ ، اور پتہ لگانے کی قدرت بھی مخلوقات میں نہیں ہے اور میرا رب اپنی عزت وشانِ کبریائی کے مناسب بندہ سے حمد سننا چاہتا ہے۔تو اس نے خود ہی جو کلمات مناسبِ شان تھا، اس سے نوازا اور بندہ اس کو ادا کرکے وہ سب کچھ پالیتا ہے جو اس کو چاہیے۔یعنی مغفرت ورحمت۔

حق جل مجدہ کا بندہ سے کتنا گہرا ربط ہے کہ زبان پر بول جاری بھی وہی کرتا ہے، کلمات خیر بھی سکھلاتا وبتلاتا ہے، اوران کلمات کی صداقت کی شہادت بھی خود ہی دیتا ہے، اور مغفرت کا پروانہ بھی بندہ کو دے کر اپنی نوازشات وبرکات کا زمزمۂ مسرت سناتا ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ كَكَرَمِهٖ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَعِزِّ جَلَالِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔

لٰہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ چھینک آتے ہی اس سنتِ انبیاء کو فراموش نہ کریں غیروں کی راہ نہ جائیں وہی کلمات ادا کریں جو ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں بتلائے اور سکھلائے ہیں۔ اپنے بچوں کو گھروں میں ہر وقت عملی مشق کرائیں ، ہمارے عصری تعلیم کے شیدائی نہ معلوم کیا کیا غلط سلط کلمات چھینک کے وقت بولتے ہیں۔ اللہ ہماری نسل کو نبی مکرم ﷺ کی سنت پر گامزن فرما۔ آمین!

بَابُ : مَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَ الْأَرْضِ

باب: جس نے اے اللہ زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے کہا

(٤٠٤) عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه ﷺ قال:

”مَنْ قَالَ: اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ إِنِّىْ أَعْهَدُ اِلَيْكَ فِى هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا أَنِّىْ أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ، فَإِنَّكَ إِنْ تَكِلْنِىْ إِلَى نَفْسِىْ تُقَرِّبُنِىْ مِنَ الشَّرِّ وَ تُبَاعِدُنِىْ مِنَ الْخَيْرِ وَ إِنِّىْ لَا أَثِقُ إِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِىْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُوَفِّيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ إِلَّا قَالَ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: إِنَّ عَبْدِىْ قَدْ عَهِدَ إِلَىَّ عَهْدًا فَأَوْفُوْهُ إِيَّاهُ فَيُدْخِلُهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ.“ [ضعيف] (أخرجه أحمد ج ٦/١ ٣٩١)

بندہ کا حق تعالیٰ سے عہد اور داخلۂ جنت

(۴۰۴) ترجمہ : عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَ الْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ إِنِّىْ أَعْهَدُ اِلَيْكَ فِى هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا أَنِّىْ أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا

شَرِيْکَ لَکَ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَ رَسُوْلُکَ فَإِنَّکَ إِنْ تَکِلْنِیْ إِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبُنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَ تُبَاعِدُنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَ إِنِّیْ لَا أَثِقُ إِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ لِیْ عِنْدَکَ عَهْدًا تُوَفِّنِیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ إِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ.

اے اللہ! زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے، چھپے وظاہر کو جاننے والے، میں اس دنیاوی زندگی میں تجھ سے عہد و پیمان کرتا ہوں اور یہ شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا معبود کوئی نہیں، تو ایک اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ تیرے بندے و رسول ہیں۔ اے اللہ! اگر تو نے مجھ کو میرے نفس کے حوالہ کردیا تو شر کے قریب کردیا اور خیر سے دور کردیا اور میں تو سوائے آپ کی رحمتِ واسعہ کے کسی پر تکیہ و بھروسہ نہیں کرسکتا۔ یا اللہ! آپ اپنے پاس میرا یہ عہد محفوظ رکھیے تاکہ قیامت کے دن اس کا نیک صلہ عطا کرنا کہ بیشک آپ وعدہ خلاف نہیں ہیں۔

بندہ کی زبان سے یہ کلمات سن کر ربّ العزت فرشتوں کو قیامت کے دن فرمائیں گے: میرے بندہ نے میرے پاس ایک عہد کیا تھا اس کا بدلہ اس کو پورا پورا دو اور اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرائیں گے۔ (مسند احمد ۶/۳۹۱۶)

حق جل مجدہ بندہ کے عہد کو جنت کی شکل میں پورا کریں گے

اسلام میں عہد و میثاق کی پابندی کی تاکید کی گئی ہے اور اہلِ ایمان کو غیر معمولی اہتمام کے ساتھ نقضِ عہد سے روکا گیا ہے اور قرآن مجید نے تو واضح کردیا کہ ﴿اِنَّ الْعَهْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا﴾ عہد و میثاق کا قیامت کے دن سوال ہوگا۔ اب دیکھنا ہے کہ جس ربّ ذوالجلال نے اپنے بندوں کو عہد و میثاق کی پابندی کی تاکید ہے وہ خود بھی بندوں کے اس عہد و میثاق کی قدر کرتا ہے، کیونکہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرلیتا ہے کہ وہ پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ وحدہ لاشریک لہ کی وحدانیت کا پاسدار و پاسبان رہے گا۔ کسی کو ان کا شریک نہیں مانے گا نہ جانے گا اور حضرت محمد ﷺ اس کے رسول برحق ہیں اور ربّ

العزت کی حاکمیت کا اتنا قائل ہے کہ فریاد کررہا ہے کہ الٰہ العالمین اگر مجھ کو میرے نفس کے حوالہ کر دیا گیا تو پھر میری زندگی خیر و بھلائی سے دور ہوجائے گی اور شر و فساد سے اقرب ترین اور الٰہ العالمین میں اپنے اوپر کسی بھی حال میں بھروسہ نہیں کرسکتا۔ میں تو بس ہاتھ پاؤں توڑ کر سب کو چھوڑ کر، سب سے ٹوٹ کر، سب سے چھوٹ کر، فقط تیری ہی رحمت پر بھروسہ کرسکتا ہوں، یا اللہ! تجھ کریم ذات سے یہ ایک بندۂ عاجز کا عہد ہے، ربّ ذوالجلال! قیامت کے دن اس عہد کا ثمرہ تجھ سے چاہتا ہوں، جب یہاں کسی کا نہیں ہوں تو عالم آخرت میں پھر اپنی رحمتوں سے دور نہ کرنا، دراصل یہ اسی عہدِ الست کی تاکید اور تجدید تھی جو بندہ نے رب تبارک وتعالیٰ کی جناب میں پیش کر دیا۔ رب تعالیٰ بھی اس کی قدر کرتا ہے اور بندہ کو قیامت کے دن اس عہد کے اوپر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم!

بَابُ : مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنَامَ عَلٰى فِرَاشِهِ......ثُمَّ قَرَأَ : قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ......

باب: جو رات میں سونے کا ارادہ کرے تو سورۂ اخلاص پڑھے

(٤٠٥) عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

"مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنَامَ عَلٰى فِرَاشِهِ فَنَامَ عَلٰى يَمِيْنِهِ ثُمَّ قَرَأَ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الإخلاص) مِائَةَ مَرَّةٍ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ : يَا عَبْدِيْ اُدْخُلْ عَلٰى يَمِيْنِكَ الْجَنَّةَ. " [ضعيف] (أخرجه الترمذى ج٥/٢٨٩٨)

جنت میں داہنی جانب سے داخل ہونے کا رحمانی نسخہ

(۴۰۵) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے پھر داہنی کروٹ لیٹ کر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد پوری سورۃ سو بار تلاوت کرلے، تو جب قیامت کا دن ہوگا تو حق تعالیٰ اس شخص سے فرمائیں گے: اے میرے بندے! تو اپنی داہنی جانب سے جنت میں داخل ہوجا۔ (ترمذی)

توحید وصفاتِ باری کا بیان

سورۂ اخلاص میں از اول تا آخر ربّ العالمین کی توحید اور صفاتِ باری کا محکم اور عمیق بیان ہے۔ جس میں اللہ ربّ العالمین کا تعارف اور ان کی شانِ کبریائی اور عظمت و بے نیازی اور توحیدِ خالص کا اثبات اور تمام معبودانِ باطل کا مثبت رد کیا گیا ہے۔

حق تعالیٰ کا تعارف اور سورۂ اخلاص کا شانِ نزول

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے خدمتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ ابوالقاسم ﷺ! اللہ نے ملائکہ کو نورِ حجاب سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو گوندھی ہوئی لیسدار کیچڑ سے اور ابلیس کو آگ کے شعلوں سے اور آسمان کو دھوئیں سے اور زمین کو پانی کی جھاگوں سے اور اب اپنے رب کے متعلق بتاؤ (کہ وہ کس چیز سے بنا ہوا ہے) رسول اللہ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ اس پر جبرئیلؑ یہ سورت لے کر نازل ہوئے۔ (کتاب العظمۃ)

سورۂ اخلاص سے محبت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے جہاد کے لیے ایک سریہ بھیجا تھا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا تو یہ صاحب جب بھی نماز پڑھتے ہر رکعت میں سورت کے شروع کرنے سے پہلے سورۂ اخلاص پڑھاتے تھے تو لوگوں نے واپس آکر یہ بات آپ ﷺ سے بتائی (کیونکہ یہ چیز عام دستور اور طریقۂ صلوٰۃ سے مختلف تھی) تو حضور ﷺ نے اس شخص سے دریافت فرمایا اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ سورت صفت الرحمٰن ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو بتادو کہ اللہ بھی اس سے محبت فرماتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس سورت کی محبت نے اس کو جنت میں داخل کردیا۔

جنت کے محلات

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ختم سورۃ تک دس مرتبہ پڑھ لی۔ اس کے واسطے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل بنادے گا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر کہنے لگے پھر تو یا رسول اللہ ﷺ ہم جنت میں بہت سے محل بنالیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

فضائلِ سورۃ

امام احمدؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اس سورۃ (یعنی سورۂ اخلاص) سے بڑی محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کردیا۔ (ابن کثیر)

ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ: سب جمع ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا۔ جو جمع ہو سکتے تھے، جمع ہو گئے تو آپ ﷺ تشریف لائے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: یہ سورۃ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسلم فی صحیحہ)

ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص صبح وشام قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معوّذتین پڑھ لیا کرے تو یہ اس کے لیے کافی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اس کو ہر بلا سے بچانے کے لیے کافی ہے۔ (ابن کثیر)

امام احمدؒ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں تم کو ایسی تین سورتیں بتاتا ہوں کہ جو تورات، زبور، انجیل اور قرآن سب میں نازل ہوئیں اور فرمایا کہ رات کو اس وقت تک نہ سوؤ جب تک ان تینوں (معوذتین اور قل ھو اللہ احد) کو نہ پڑھ لو۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت سے میں نے ان کو

کبھی نہیں چھوڑا۔ (ابن کثیر، معارف مفتی اعظم)

عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ کے گستاخانہ سوالات

بغویؒ نے ابوظبیان اور ابوصالح کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ عامر نے عرض کیا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم کس کی طرف ہم کو بلاتے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی طرف! عامر نے کہا کہ اپنے رب کی حالت تو بیان کرو، کیا وہ سونے کا ہے، یا چاندی کا، لوہے کا ہے یا لکڑی کا؟ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور اربد پر بجلی گری اور اس طرح وہ مارا گیا اور عامر طاعون سے مرا۔ (گلدستہ ۷/ ۶۰۸)

اللہ تعالیٰ ہر طرح کی شراکت سے پاک ہے

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ میرے رب کے جو اوصاف تم پوچھتے ہو تو وہ اللہ ایک ہے، نہ اپنی حقیقت میں کسی کے ساتھ شریک نہ کسی وصف و کمال میں کوئی چیز اس کے مشابہ، جب ذات وصفات میں اس کی طرح کوئی نہیں تو لامحالہ نہ کوئی اس کی نظیر ہے نہ ضد نہ مثل۔ اسی لیے صوفیاء نے کہا ہے کہ اللہ کی احدیتِ ذات وصفات کا تقاضا ہے کہ وجود میں اس کا کوئی شریک نہ ہو، وجود تمام صفات کی جڑ ہے اور حیات تمام صفت کا مبداء، علم، قدرت، ارادہ، کلام، سمع، بصر اور تکوینِ حیات پر مبنی ہیں اور حیات وجود کی فرع ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسجدِ قبا کے امام کا عمل

ایک انصاری رضی اللہ عنہ مسجدِ قبا کے امام تھے، ان کی عادت تھی کہ الحمد ختم کر کے سورۂ اخلاص کو پڑھتے پھر جو بھی سورت پڑھنی ہوتی یا جہاں سے چاہتے قرآن پڑھتے۔ ایک دن مقتدیوں نے کہا کہ آپ اس سورۃ کو پڑھتے ہیں اور پھر دوسری سورۃ ملاتے ہیں یہ کیا؟ یا تو آپ صرف اسی کو پڑھیے یا چھوڑ دیجیے، دوسری سورۃ ہی پڑھا کیجیے۔ انھوں نے جواب دیا: میں تو جس طرح کرتا ہوں کرتا رہوں گا، تم چاہو تو مجھے امام رکھو اور کہو تو میں تمہاری امامت

چھوڑ دوں۔ اب انھیں یہ بات بھاری پڑی۔ جانتے تھے کہ ان سب میں یہ زیادہ افضل ہیں۔ ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کا نماز پڑھانا بھی انھیں گوارہ نہ ہوسکا۔ ایک دن جبکہ حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، تو ان لوگوں نے آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم کیوں اپنے ساتھیوں کی بات نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورۃ کو کیوں پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اس سورۃ سے بڑی محبت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا عمل

مسند احمد میں ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ساری رات اسی سورۃ کو پڑھتے رہے اور حضور ﷺ سے جب ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورۃ آدھے قرآن یا تہائی قرآن کے برابر ہے۔

تہائی قرآن

ایک دوسری روایت میں ہے کہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی کو اتنی طاقت ہے کہ وہ ہر رات قرآن کا تیسرا حصہ پڑھ لیا کرے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے یہ کس سے ہوسکے گا؟ آپ فرمانے لگے کہ سنو **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** الخ تہائی قران کے برابر ہے۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ابوایوب رضی اللہ عنہ سچ کہہ رہے ہیں۔ (مسند احمد)

ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جمع ہو جاؤ میں تمھیں آج تہائی قران سناؤں گا۔ لوگ جمع ہو کر بیٹھ گئے، آپ ﷺ گھر سے تشریف لائے اور سورۃ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** الخ پڑھی اور پھر گھر تشریف لے گئے۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم میں باتیں ہونے لگیں کہ وعدہ تو حضور ﷺ کا یہ تھا کہ تہائی قرآن سنائیں گے شاید آسمان سے کوئی وحی آگئی ہو۔ اتنے میں آپ ﷺ پھر تشریف لے آئے اور فرمایا میں نے تم

سے تہائی قرآن سنانے کا وعدہ کیا تھا، سنو! یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر دن تہائی قرآن پڑھ لیا کرو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم اس سے بہت عاجز اور بہت ضعیف ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سنو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تین حصے کیے ہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تیسرا حصہ ہے۔ (مسلم نسائی وغیرہ)

جنت واجب ہوگئی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے سن کر فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا جنت۔ (ترمذی)

ابویعلی کی ایک حدیث میں ہے کہ کیا تم میں کوئی اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو رات میں تین بار پڑھ لے، یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

کافی ہونے والی تین سورتیں

مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ ابن حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پیاسے تھے، رات اندھیری تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار تھا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے پڑھ۔ میں چپ رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پڑھ۔ میں نے عرض کیا کہ کیا پڑھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح وشام تین تین مرتبہ سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھ لیا کر، یہ کافی ہو جائیں گی۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ ہر چیز سے تجھے یہ کفایت کرے گی۔ دارمی میں ہے کہ دس مرتبہ پر ایک محل، بیس پر دو، تیس پر تین الخ یہ حدیث مرسل ہے۔

دوسوسال کے گناہ معاف

بزار کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورۃ کو دوسومرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دوسوسال کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

اسم اعظم کے ساتھ دعا

نسائی شریف میں آیت کی تفسیر میں ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دعا مانگ رہا ہے اپنی دعا میں کہتا ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِاَنِّی اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کی گواہی دے کر کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے بے نیاز ہے، نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ ہمسر اور ساتھی کوئی اور۔ آپ ﷺ یہ سن کر فرمانے لگے: کہ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے۔ اللہ کے اس بڑے نام کے ساتھ کہ جب کبھی اس کے نام کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا ہو اور جب کبھی اس نام کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہو۔

تین کام

ابو یعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تین کام ہیں جو انھیں ایمان کے ساتھ کرلے تو وہ جنت کے تمام دروازوں میں سے جس میں سے چاہے چلا جائے۔ اور جس کسی حور کے ساتھ چاہے نکاح کر دیا جائے جو اپنے قاتل کو معاف کرے اور پوشیدہ قرض ادا کر دے، اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۃ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھ لیا کرے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ جو ان تین کاموں میں سے ایک بھی کرلے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک پر بھی یہی درجہ ہے۔

تمام سورتوں سے بہترین سورۃ

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے جلدی سے آپ ﷺ کا ہاتھ تھام لیا، اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مومن کی نجات کس عمل پر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عقبہؓ زبان تھامے رکھ، اپنے گھر میں بیٹھا رہا کر اور اپنی خطاؤں پر روتا رہ۔ پھر دوبارہ جب میری حضور ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے خود میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: عقبہ رضی اللہ عنہ کیا میں تمہیں تورات اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اتری ہوئی تمام سورتوں سے بہتر تین سورتیں نہ بتاؤں؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمایئے، اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ پر فدا کرے۔ پس آپ ﷺ نے مجھے سورہ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ،قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ** اور **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ** پڑھائیں پھر فرمایا کہ: دیکھو عقبہؓ! انھیں نہ بھولنا اور ہر رات انھیں پڑھ لیا کرنا۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں انھیں نہ بھولا اور نہ کوئی رات انھیں پڑھے بغیر گذری۔ میں نے پھر آپ ﷺ سے ملاقات کی اور جلدی کر کے آپ ﷺ کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بہترین اعمال ارشاد فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سن! جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ جو تجھے محروم رکھے تو اسے دے اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگذر کر اور معاف کر دے۔ اس کا بعض حصہ امام ترمذی نے بھی زہد کے باب میں وارد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، مسند احمد میں بھی اس کی سند ہے۔

سوتے وقت کا مسنون عمل

بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ رات کے وقت جب بستر پر تشریف لے جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے جہاں جہاں تک ہاتھ پہنچے، پہنچاتے۔ پہلے سر پر پھر منہ پر پھر اپنے سامنے کے جسم پر تین مرتبہ اسی طرح

کرتے۔ یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمُ

﴿قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ﴾

(تو کہہ وہ اللہ ایک ہے)

اللہ تعالیٰ کا تعارف

یعنی جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے؟ ان سے کہہ دیجیے کہ وہ ایک ہے، جس کی ذات میں کسی قسم کا تعدد وتکثّر اور دوئی کی گنجائش نہیں، نہ اس کا کوئی مقابل، نہ مشابہ، اس میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں: خیر کا خالق یزداں اور شر کا اہرمن۔ نیز ہنود کی تردید ہوتی ہے جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

﴿اَللّٰہُ الصَّمَدُ﴾

اللہ بے نیاز ہے۔

لفظ ''صَــمَــدُ'' کی تفسیر کئی طرح کی گئی ہے۔طبرانی ان سب کو نقل کر کے فرماتے ہیں: ''وَ کُلُّ ھٰذِہٖ صَحِیۡحَۃٌ وَ ھِیَ صِفَاتُ رَبِّنَا عَزَّوَجَلَّ ھُوَ الَّذِیۡ یَصۡمُدُ اِلَیۡہِ فِی الۡحَوَائِجِ وَ ھُوَ الَّذِیۡ قَدِ انۡتَھٰی سُئُوۡدُہٗ وَ ھُوَ الصَّمَدُ الَّذِیۡ لَا جَوۡفَ لَہٗ وَ لَا یَاکُلُ لَا یَشۡرَبُ وَ ھُوَ الۡبَاقِیۡ بَعۡدَ خَلۡقِہٖ'' (ابن کثیر)۔ یہ سب معانی صحیح ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں وہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے یعنی سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں اور وہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہا کو پہنچ چکی ہے اور وہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے اور وہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔

جاہلوں اور آریوں کی تردید

اللہ تعالیٰ کی صفتِ صمدیت سے ان جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں نیز آریوں کے عقیدۂ مادہ وروح کی تردید بھی ہوئی کیونکہ ان کے اصول کے موافق اللہ تو عالم کے بنانے میں ان دونوں کا محتاج ہے اور یہ دونوں اپنے وجود میں اللہ کے محتاج نہیں۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

صمد کے معنی

اصل معنی صــمــد کے یہ ہیں کہ جس طرف لوگ اپنی حاجات اور ضروریات میں رجوع کریں اور جو بڑائی اور سرداری میں ایسا ہو کہ اس سے بڑا کوئی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ سب اس کے محتاج ہوں وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ (ابن کثیر)

اَللّٰہُ الصَّمَدُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیرؒ نے کہا کہ صمد کا معنی ہے نڈر یعنی جس کو کوئی خوف نہ ہو۔ ابن جریر رضی اللہ عنہ نے بریدہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

ابوالوئل شفیق بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا صمد وہ سردار ہے جس کی سیادت چوٹی پر پہنچ گئی ہو۔ یعنی جس کی سیادت بہمہ وجوہ کامل ہو۔ میرے نزدیک صمد کا حقیقی معنی ہے مقصود۔

مقصودِ مطلق وہی ہوسکتا ہے جس کے سب محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو، لامحالہ اس کے اندر تمام کمالات ہوں گے اور ہر طرح کی سیادت اس کو حاصل ہوگی اور تمام عیوب سے پاک ہوگا، اور ہر آفت سے منزہ ہوگا، کھانے پینے کا محتاج نہ ہوگا، قدیم ہوگا، اس لیے اس کا کوئی والد نہ ہوگا، اس کا کوئی ہم جنس نہ ہوگا، اس لیے اس کی کوئی اولاد نہ ہوگی۔ اس سے کوئی بالا نہ ہوگا بلکہ اس کی مثل بھی کوئی نہ ہوگا۔ غرض اس کے مرتبہ تک فہم وعقل کی رسائی نہ ہوگی، وہ سب سے اونچا ہوگا۔

صرف ربّ ہی مقصود ہے

جو صمدیت سے متصف نہ ہو وہ معبودیت کا مستحق نہیں۔ انسان کا مقصود صرف باری تعالیٰ ہونا چاہیے۔ اللہ کے علاوہ کوئی چیز مقصود نہیں ہونا چاہیے، اسی لیے صوفیہ کرام نے لَا اِلٰـہ اِلَّا اللّٰہ کا معنی 'لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ' کہا ہے اور صراحت کی ہے کہ انسان کا جو اصلی مقصود ہے وہی اس کا معبود ہے کیونکہ عبادت کا معنی ہے معبود کے سامنے انتہائی عاجزی اور فروتنی ظاہر کرنا اور انسان اپنے مقصود کے لیے انتہائی فروتنی اور انکساری کرتا ہے۔ پس جس کے لیے انتہائی فروتنی کی جائے یعنی جو مقصود ہو وہی معبود ہوگا۔

صوفیہ لا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر کرتے وقت غیر اللہ کی مقصودیت کی نفی کرتے ہیں اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کے مقصود ہونے کا خیال بھی ان کے دلوں سے دور ہو جائے۔ اللہ ہر مشکل آسان کرنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صَمَدُ، وہ ہے جو اپنی سرداری میں، اپنی شرافت میں، اپنی بزرگی میں اور اپنی عظمت میں، اپنے حلم و علم میں، اپنی حکمت و تدبر میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ میں ہی پائی جاتی ہیں، اس کا ہمسر اور اس جیسا کوئی اور نہیں۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب پر غالب اور اپنی ذات میں یکتا اور بے نظیر ہے صمد کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ جو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گا، جو ہمیشہ بقا والا سب کی حفاظت کرنے والا ہو، جس کی ذات لازوال اور غیر فانی ہو۔

اور بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعینؒ سے مروی ہے کہ صمد کہتے ہیں ٹھوس چیز کو جو کھوکھلی نہ ہو، جس کا پیٹ نہ ہو۔ شعبیؒ کہتے ہیں کہ جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو، عبداللہ بن بریدؒ فرماتے ہیں کہ صمد وہ نور ہے جو روشن ہو، اور چمک دمک والا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾

نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا۔

یہودیوں عیسائیوں اور مشرکوں کی تردید

یعنی نہ کوئی اس کی اولاد نہ وہ کسی کی اولاد۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہوا جو حضرت مسیحؑ کو یا حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ نیز جو لوگ مسیحؑ کو یا کسی بشر کو الٰہ مانتے ہیں ان کی تردید لَمْ یُوْلَدْ میں کر دی گئی ہے۔ یعنی اللہ کی شان یہ ہے کہ اس کو کسی نے جنا نہ ہو۔ اور ظاہر ہے حضرت مسیحؑ ایک پاکباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر وہ الٰہ کس طرح ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ والد نہیں ہے

لَمْ یَلِدْ مشرکوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، یہودی قائل تھے کہ عزیرؑ کا باپ اللہ ہے، عیسائی کہتے تھے کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کسی کا والد نہیں، کیونکہ اس کا کوئی ہم جنس نہیں نہ اس کو کسی مددگار کی ضرورت ہے نہ کوئی اس کا قائم مقام ہے، اس کو کسی کی حاجت نہیں، نہ اس پر فنا آ سکتی ہے۔

اللہ کا والد نہ ہونا اگرچہ دوامی ہے اور ہر زمانہ میں والدیت سے پاک تھا اور ہے اور رہے گا۔

اللہ مولود نہیں ہے

ولم یولد اور وہ نہ کسی کا جنا ہوا ہے کیونکہ ہر مولود حادث ہوتا ہے اور اللہ حدوث سے پاک ہے اور حدوث الوہیت کے منافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی

اللہ کے برابر کا کوئی نہیں

جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جورو یا بیٹا کہاں سے ہو۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہوگیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں اُٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں اللہ کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہو رہی ہے۔ اور یعقوبؑ اللہ کو پچھاڑ دیتے ہیں (العیاذ باللہ) ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ یَا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم (تفسیر عثمانی)

حدیثِ قدسی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ آدمؑ کا بیٹا مجھے جھوٹا قرار دیتا ہے حالانکہ اس کیلئے یہ جائز نہیں اور مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ اس کیلئے یہ درست نہیں، میری تکذیب تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے جیسا پہلے پیدا کر دیا تھا وہ ایسا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا۔ حالانکہ پہلے مرتبہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے میرے لیے سہل نہ تھا۔ اور گالی یہ دیتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنے لیے اولاد اختیار کی ہے حالانکہ میں واحد ہوں اور محتاج نہیں ہوں نہ والد ہوں نہ مولود اور نہ کوئی میری مثل ہے۔

سوتے وقت سو مرتبہ اخلاص پڑھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص سوتے وقت دائیں کروٹ لیٹ کر سو بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتا ہے قیامت کا دن ہوگا تو پروردگار اس سے فرمائے گا میرے بندے اپنے دائیں رخ سے جنت میں داخل ہو جا۔

(رواہ الترمذی وقال حسن غریب)

پچاس سال کے گناہ معاف

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص روز سو بار **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** پڑھتا ہے اس کے گناہ پچاس سال کے مٹا دیے جاتے ہیں۔ ہاں اگر اس پر کسی کا قرض ہو (تو وہ معاف نہیں ہوتا) (رواہ الترمذی والدارمی) ایک روایت میں پچاس بار کا لفظ آیا اور قرض سے استثناء کے الفاظ نہیں آئے۔ (تفسیر مظہری)

بَابُ : أَلَا أُعَلِّمُكَ أَوْ أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ

باب: کیا میں تم کو عرش کے نیچے جنت کا خزانہ بتلا دوں؟

(٤٠٦) عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال:

"أَلَا أُعَلِّمُكَ أَوْ قَالَ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ ؟ تَقُوْلُ: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : أَسْلَمَ عَبْدِيْ وَ اسْتَسْلَمَ." [صحيح] (أخرجه الحاكم في المستدرك ج ١ ص ٢١)

(۴۰۶) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو نہ سکھلا دوں یا یوں فرمایا: میں تم کو نہ بتلا دوں عرش کے نیچے کا کلمہ جو جنت کے خزانہ میں سے ہے؟ تم کہو **لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ** (یعنی بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے) تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرا بندہ میرا مطیع ہو گیا اور اپنے جملہ امور کو میرے سپرد کر دیا۔

(اخرجه الحاكم ١/٢١)

حقیر کا رسالہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ، دیکھ لیں۔
نیز تجلیاتِ قدسیہ کی حدیث ۳۸۵ دیکھ لیں۔ (ثمین اشرف)

بَابُ : مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ......

باب: جس نے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہا

(٤٠٧) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ انه سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول:

”مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ. قَالَ اللّٰهُ: أَسْلَمَ عَبْدِیْ وَ اسْتَسْلَمَ.“

[صحيح] (أخرجه الحاكم فی المستدرك ج ۱ ص۵۰۲)

میرا بندہ مطیع ہو گیا

(۴۰۷) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہتا ہے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ مطیع ہو گیا اور اپنے معاملہ کو میرے سپرد کر دیا۔

باب : مَا أُوْحِیَ إِلَیَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ

باب: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مال جمع کرنے اور تاجر بننے کی وحی نہیں فرمائی

(۴۰۸) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ ص عَنْ أَبِی مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِیِّ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُوْلُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:

”مَا أَوْحَى اللّٰهُ إِلَیَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَ أَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَ لٰكِنْ أَوْحَى إِلَیَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ.“ [ضعيف] (أخرجه أبونعيم فی الحلية ج ۲ ص۱۳۱)

میں بحکم الٰہی تاجر نہیں تسبیح و تحمید کرنے آیا ہوں

(۴۰۸) ترجمہ: ابو مسلم خولانی مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا:
حق جل مجدہ نے مجھ کو یہ وحی نہیں کی کہ مال جمع کروں اور میں تاجروں میں ایک تاجر بنوں؛ لیکن مجھ کو جو وحی کی گئی وہ یہ کہ، حق تعالیٰ کی خوب تسبیح و تحمید کروں اور سجدہ کرنے والوں میں رہوں (یعنی تسبیح و تحمید اور کثرت نوافل جو کہ کثرت سجدہ کا سبب ہے) اور موت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہوں۔ (ابونعیم ۲/۱۳۱)

اسبابِ اطمینان وانشراح

حق جل مجدہ نے ہمارے نبی ﷺ کو انتشار و انقباض کی کیفیت سے بچنے کا عظیم و مجرب عمل بتلا دیا جس پر کاربند رہ کر خود بخود اطمینان و انشراح کی کیفیت حاصل ہوجاتی ہے اور حق تعالیٰ کی تائیدِ غیبی کا دامن ہاتھ آجاتا ہے۔ وہ ہے تسبیح و تحمید میں مشغول ہوجانا اور سر بہ سجود رہنا۔

تسبیح سے حق جل مجدہ کی تنزیہہ وتقدیس ہوگی اور تحمید سے تقرّب الی اللہ میں اضافہ ہوگا اور نماز وسجود سے تعبّد و تذلل عیاں ہوگی۔ پھر کیوں کسی بات کا غم ستائے گا، تمام اذیت و تکلیف دہ چیزیں گوارہ ہی نہیں بلکہ شیریں ہوجائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۃ الحجر میں آخری دو آیتوں میں اسی راز کو کھولا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ کُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ

اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہو، سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور ہو سجدہ کرنے والوں میں سے۔

تنگدلی کا علاج

یعنی اگر ان کی ہٹ دھرمی سے دل تنگ ہو تو آپ ان کی طرف سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہیے۔ اللہ کا ذکر، نماز سجدہ، عبادت الٰہی وہ چیزیں ہیں

جن کی تاثیر سے قلب مطمئن ومنشرح رہتا ہے اور فکر وغم دور ہوتے ہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم بات فکر کی پیش آتی آپ نماز کی طرف جھپٹتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں، یعنی ہر چیز سے دل کو خالی کر کے اللہ کی حمد وتسبیح، اللہ کی پاکی کے اعتراف واظہار میں مشغول ہو جائیے، اللہ آپ کی کارسازی کرے گا۔ حمد وتسبیح میں مشغول ہونے سے دل کی کوفت اور سینہ کی بندش دور ہو جائے گی اور شدت غضب جاتی رہے گی۔

وَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ اور نماز پڑھنے والوں میں رہیں۔ ساجدین سے مراد ہیں تواضع اور اظہار فروتنی کرنے والے، ضحاکؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ امام احمد، ابوداؤد، ابن جریر نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے بھائی حضرت عبدالعزیزؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی امر ثقیل پیش آتا تھا تو آپ (گھبرا کر) نماز کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

دشمنوں کی ایذا سے تنگدلی کا علاج

وَلَقَدْ نَعْلَمُ سے معلوم ہوا کہ جب انسان کو دشمنوں کی باتوں سے رنج پہنچے اور دل میں تنگی پیش آئے تو اس کا روحانی علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وعبادت میں مشغول ہو جائے، اللہ تعالیٰ خود اس کی تکلیف کو دور فرما دیں گے۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

اس آیت کے اترنے سے پہلے تک حضور ﷺ پوشیدہ تبلیغ فرماتے تھے لیکن اس کے بعد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ نے کھلے طور پر اشاعت دین شروع کر دی۔ ان مذاق اُڑانے والوں کو ہم پر چھوڑ دے ہم آپ ہی ان سے نمٹ لیں گے۔ تو اپنی تبلیغ کے فریضے میں کوتاہی نہ کر، یہ تو چاہتے ہیں کہ ذرا سی سستی آپ ﷺ کی طرف سے دیکھیں تو وہ خود بھی دست بردار ہو جائیں۔ تو ان سے مطلقاً خوف نہ کر، اللہ تعالیٰ تیرا حافظ وناصر ہے۔ وہ تجھے ان کے شر سے بچالے گا، جیسے اور آیت میں ہے کہ اے رسول اللہ ﷺ جو کچھ تیری جانب اتارا گیا ہے تو اسے پہنچا دے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اپنے رب کی رسالت نہیں پہنچائی،

اللہ تعالیٰ خود ہی لوگوں کی برائی سے تجھے محفوظ رکھ لے گا۔

چنانچہ ایک دن حضور ﷺ راستے سے جا رہے تھے تو بعض مشرکوں نے آپ ﷺ کو چھیڑا، اسی وقت حضرت جبرئیلؑ آئے اور انہیں کچوکا مارا جس سے ان کے جسموں میں ایسا زخم ہو گیا جیسے نیزے کے زخم ہوں اسی میں وہ مر گئے، اور یہ لوگ مشرکین کے بڑے بڑے رؤسا تھے بڑی عمر کے تھے اور نہایت شریف گنے جاتے تھے۔ بنو اسد کے قبیلے سے تو اسود بن عبدالمطلب ابوزمعہ یہ حضو ﷺ کا بڑا ہی دشمن تھا، ایذائیں دیا کرتا تھا اور مذاق اڑایا کرتا تھا، آپ ﷺ نے تنگ آ کر اس کے لیے بددعا بھی کی تھی کہ، اے اللہ! اسے اندھا کر دے، بے اولاد کر دے، بنی زہرہ میں سے اسود تھا اور بنی مخزوم میں سے ولید تھا اور بنی سہم میں سے عاص بن وائل تھا۔ اور خزاعہ میں سے حارث تھا، یہ لوگ برابر حضور ﷺ کی ایذا رسانی کے درپے لگے رہتے تھے، اور لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف ابھارا کرتے تھے اور جو تکلیف ان کے بس میں ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا کرتے، جب یہ اپنے مظالم میں حد سے گزر گئے اور بات بات میں حضور ﷺ کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فَاصْدَعْ سے یَعْلَمُوْنَ تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ طواف کر رہے تھے تو حضرت جبرئیلؑ آئے۔ بیت اللہ میں آپ ﷺ کے پاس کھڑے ہو گئے اتنے میں اسود، ابن عبد یغوث آپ ﷺ کے پاس سے گزرا تو حضرت جبرئیلؑ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اسے پیٹ کی بیماری ہو گئی اور اسی میں وہ مرا، اتنے میں ولید بن مغیرہ گزرا، اس کی ایڑھی ایک خزاعی شخص کے تیر کے پھل سے کچھ یونہی چبھ گئی تھی۔ اور اسے دو سال گزر چکے تھے، حضرت جبرئیلؑ نے اس کی طرف اشارہ کیا وہ پھول گئی پکی اور اسی میں وہ مرا، پھر عاص بن وائل گزرا، اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا کچھ دنوں بعد یہ طائف کے لیے اپنے گدھے پر سوار چلا، راستے میں گر پڑا، اور تلوے میں کیل گھس گئی جس نے اس کی جان لی۔ حارث کے سر کی طرف اشارہ کیا اسے خون آنے لگا اور اسی میں مرا، ان سب موذیوں کا سردار ولید بن مغیرہ تھا اسی نے انہیں جمع کیا تھا۔ پس یہ پانچ یا سات شخص، دشمنان رسول ﷺ کے سردار

تھے۔اوران کے اشاروں سے اورلوگ بھی ذلیل وکمینہ پن کی حرکتیں کرتے رہتے تھے۔

﴿وَ اعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ﴾

اور بندگی کیے جا اپنے ربّ کی، جب تک آئے تیرے پاس یقینی بات۔

یعنی موت، یقین کا لفظ دوسری جگہ قرآن نے اسی معنی میں استعمال کیا ہے وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ حَتّٰی اَتٰنَا الۡیَقِیۡنُ (مدثر، رکوع۲) حدیث میں ایک میت کی نسبت آپ ﷺ نے فرمایا "اَمَّا ھُوَ فَقَدۡ جَآءَہُ الۡیَقِیۡنُ وَ اِنِّی لَاَرۡجُوۡ لَهُ الۡخَیۡرَ" جمہور سلف نے اس آیت میں "یقین" کو بمعنی موت لیا ہے یعنی مرتے دم تک اللہ کی عبادت میں لگے رہیے۔

اندریں رہ میتراش و میخراش

تادم آخر دے فارغ مباش

جن بعض عارفین نے اس جگہ یقین کو کیفیت قلبیہ کے معنی میں لیا ہے اس کی توجیہ روح المعانی میں مذکور ہے دیکھ لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ لوگ اس لغو حرکت کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے، انھیں اپنے کرتوت کا مزہ ابھی ابھی آجائے گا، اور بھی جو رسول اللہ ﷺ کا مخالف ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے، اس کا یہی حال ہے، ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کی بکواس سے اے نبی ﷺ تمہیں تکلیف ہوتی ہے دل تنگ ہوتا ہے لیکن تم ان کا خیال بھی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے، تم اپنے رب کے ذکر اور اس کی تسبیح اور حمد میں لگے رہو، اس کی عبادت جی بھر کر کرو، نماز کا خیال رکھو، سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دو۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم! شروع دن کی چار رکعت سے عاجز نہ ہو میں تجھے آخر دن تک کفایت کروں گا، حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کا معاملہ آپڑتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔

یقین سے مراد اس آخری آیت میں موت ہے، اس کی دلیل سورۂ مدثر کی وہ آیتیں ہیں جن میں بیان ہے کہ جہنمی اپنی برائیاں بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے، نہ

مسکینوں کو کھلاتے تھے، یہاں تک کہ موت آ گئی۔ یہاں بھی موت کی جگہ لفظ یقین ہے، ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے انتقال کے بعد جب حضور ﷺ ان کے پاس گئے تو انصار کی ایک عورت ام العلاءؓ نے کہا اے ابوالسائب! اللہ تعالیٰ کی تجھ پر رحمتیں ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے تیری تکریم وعزت کی۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا تجھے کیسے یقین ہوگیا کہ اللہ نے اس کا اکرام کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں پھر کون ہوگا جس کا اکرام ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! اسے موت آ چکی اور مجھے اس کے لیے بھلائی کی امید ہے۔ اس حدیث میں بھی موت کی جگہ یقین کا لفظ ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ نماز وغیرہ عبادت انسان پر فرض ہے، جب تک کہ اس کی عقل باقی رہے اور ہوش وحواس ثابت ہوں، جیسی اس کی حالت ہو اسی کے مطابق نماز ادا کرلے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ کھڑے ہوکر نماز ادا کرنا، نہ ہوسکے تو بیٹھ کر، نہ ہوسکے تو کروٹ پر لیٹ کر، بدمذہبوں نے اس سے اپنے مطلب کی ایک بات گھڑی ہے کہ جب تک انسان درجہ کمال تک نہ پہنچے اس پر عبادات ساقط ہوجاتی ہے۔ یہ سراسر کفر ضلالت اور جہالت ہے، یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ انبیاء اور خصوصاً سرور انبیاء علیہم السلام اور آپ ﷺ کے اصحاب معرفت کے تمام درجے طے کر چکے تھے اور ربّانی علم وعرفان میں سب دنیا سے کامل تھے۔ رب تعالیٰ کی صفات اور ذات کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے باوجود اس کے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور رب تعالیٰ کی اطاعت میں تمام دنیا سے زیادہ مشغول تھے اور دنیا کے آخری دم تک اسی میں لگے رہے پس ثابت ہے کہ یہاں مراد یقین سے موت ہے۔ تمام مفسرین صحابہ وتابعین وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔ فالحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مال جمع نہ کرنے کا حکم

بغوی وغیرہ نے حضرت جبیر بن نضیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے مال جمع کرنے اور تاجر بن جانے کا حکم بذریعہ وحی نہیں دیا گیا بلکہ

میرے پاس تو وحی بھیجی گئی کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ وَ اعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ۔حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مینڈھے کی کھال اوڑھے اور اس کی نطاق باندھے سامنے سے آتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: اس کو دیکھو اللہ نے اس کے دل کو نورانی کر دیا، میں نے وہ وقت بھی اس کا دیکھا تھا کہ اس کے ماں باپ اس کو اعلیٰ قسم کی غذا کھلاتے پلاتے تھے۔ایک جوڑا اس کے بدن پر دوسو درہم کا تھا، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت نے اس کی یہ حالت کر دی جو تمہارے سامنے ہے۔(تفسیر مظہری)

دنیا ہیچ است دکار دنیا ہمہ ہیچ

پیش دریائے قدر حرمت تو ۔۔۔ نہ محیط فلک حبابے نیست

داری آں سلطنت کہ در نظرت ۔۔۔ ملک کونین در حبابے نیست

(معارف القرآن کاندھلوی)

باب : (قُلْ لِأُمَّتِکَ یَقُوْلُوْا: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ......)

باب: اپنی امت کو لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی تاکید کیجیے

(٤٠٩) للدیلمی عنه (أبی بکر رضی اللہ عنہ):

"یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : قُلْ لِأُمَّتِکَ یَقُوْلُوْا : لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ عَشْرًا عِنْدَ الصَّبَاحِ وَ عَشْرًا عِنْدَ الْمَسَاءِ وَ عَشْرًا عِنْدَ النَّوْمِ : یُدْفَعُ عَنْهُمْ عِنْدَ النَّوْمِ بَلْوَی الدُّنْیَا وَ عِنْدَ الْمَسَاءِ مُکَایَدَةَ الشَّیْطَانِ وَ عِنْدَ الصَّبَاحِ اَسْوَأَ غَضَبِیْ." [ضعیف](کما فی کنزالعمال ٢/٣٦٠٧)

لاحول ولا قوّۃ کی برکت

(٤٠٩) ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ فرماتے ہیں: اے محمد ﷺ اپنی امت کو بتلا دیجیے کہ کلمہ لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ دس مرتبہ صبح میں،

دس مرتبہ شام میں اور دس مرتبہ سوتے وقت پڑھ لیا کرے، دس مرتبہ سوتے وقت پڑھنے سے، میں دنیوی آفتیں اور بلائیں دفع کردوں گا اور شام کو دس مرتبہ پڑھنے کی برکت سے شیطانی دھوکہ وفریب سے بچالوں گا اور صبح کو دس بار کی برکت سے میں اپنے غیظ وغضب سے نجات دوں گا۔

نسخۂ کیمیا اور خزانۂ عرش

کلمہ: **لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ** غیب کے خزانہ سے ہے اور ہر مشکل کا حل ہے اور پریشانی والجھن کا علاج تریاق ہے کہ اس کلمہ کے ذریعہ بندہ اپنے تمام مہمات کو ایک عظیم قوت صاحب قدرت کے حوالہ کردیتا ہے اور اس کلمہ کی حدیث پاک میں فضیلت آئی ہے۔ یہاں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: پیارے رسول ﷺ امت کو بتلا دیجئے کہ صبح میں دس بار پڑھ لیا کریں تو اس کی برکت سے میرے قہر وغضب سے محفوظ ہوجائیں گے اور شام کو پڑھنے سے شیطانی چالوں اور جالوں سے محفوظ ہوجائیں گے اور سوتے وقت پڑھنے سے دنیا کے تمام فتنوں سے بچ جائیں گے اور مومن انسان کو اس سے زیادہ اور کیا چاہیے کہ شیطان سے بچ جائے تو گویا کہ ایمان واعمال کی سلامتی نصیب ہوگئی اور اس دنیوی زندگی میں مرد مومن کا سرمایہ ومایہ جس کی بنیاد پر فلاحِ دارین موقوف ہے وہ شیطان سے بچنا ہے۔ دوسری طرف فتنہ دنیا کی مختلف شکلوں سے حفاظت تمام آفات وبلیات سے نجات کی خوش خبری اور سکون اطمینان کا ضامن ہے اور پھر حق جل مجدہ کے قہر وغضب سے بچ جانا تو مراد بعثت انبیاء ہے، جس کی خاطر اولیاء راتوں کو بلبلاتے ہیں، بستروں پر کروٹیں بدل بدل کر کانپتے ہوئے اٹھتے ہیں۔ الحمدللہ رب العالمین کہ رحمۃ للعالمین کی امت کو نجات کی تمام تدبیریں خالق نے خود بتلا دیں۔ اس پر بھی اگر کوئی ان رحمتوں سے لطف نہ اٹھائے تو پھر نقصان کس کا ہے۔ اللہ ہمیں اعمال صالحہ کی توفیق بخشے۔ آمین!

لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ کی قوت تاثیر کا اندازہ آیت ﴿وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہِ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجاً وَ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾ کے ضمن میں امام قرطبیؒ نے جو لکھا ہے وہ دیکھا

جاسکتا ہے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کلمہ کو پانچ سو بار پڑھنا مشکلات کے دفع کے لیے تریاق لکھا ہے اور خاص کر اہل سلوک کے راہ کی رکاوٹیں دور ہوتی ہیں اور فتوحات غیبی کا دروازہ کھلتا ہے اور سالکین کے دفع وساوس، ثبات قلب اور تمکین کے لیے از حد مفید ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی بِحَوْلِکَ وَ قُوَّتِکَ فَاِنَّہٗ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ.

باب : لَمَّا نَزَلَتِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ آیَۃُ الْکُرْسِیِّ......

باب: جب سورۃ فاتحہ اور آیۃ الکرسی نازل ہوئی

(٤١٠) للديلمي في مسند الفردوس عنه(أبي ايوب رضی اللہ عنہ):

"لَـمَّا نَزَلَتْ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" وَ آیَۃُ الْکُرْسِیِّ، وَ"شَھِدَ اللّٰہُ" وَ "قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ" إِلٰی "بِغَیْرِ حِسَابٍ" تَعَلَّقْنَ بِالْعَرْشِ وَ قُلْنَ : أَنْزَلْتَنَا عَلٰی قَوْمٍ یَعْمَلُوْنَ بِمَعَاصِیْکَ؟ فَقَالَ: وَ عِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ وَ ارْتِفَاعِ مَکَانِیْ لَا یَتْلُوْکُنَّ عَبْدٌ دُبُرَ کُلِّ صَلَاۃٍ مَکْتُوْبَۃٍ إِلَّا غَفَرْتُ لَہٗ مَا کَانَ فِیْہِ وَ أَسْکَنْتُہٗ جَنَّۃَ الْفِرْدَوْسِ وَ نَظَرْتُ إِلَیْہِ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً وَ قَضَیْتُ لَہٗ سَبْعِیْنَ حَاجَۃً أَدْنَاھَا الْمَغْفِرَۃُ. (كما في السلسلة الضعيفة للألباني ج ٢/٢٩٩)

حق جل مجدہ ستّر بار نظرِ رحمت سے دیکھتے ہیں اور ستّر حاجت پوری کرتے ہیں

(۴۱۰) ترجمہ : حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب سورۃ فاتحہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن " اور آیۃ الکرسی اور شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اور قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ سے بِغَیْرِ حِسَابٍ تک نازل ہوئی تو تمام آیتیں عرش سے مل گئیں اور عرض کرنے لگیں: رب العزت آپ نے مجھ کو ایسی قوم پر نازل کیا ہے جو معاصی کا ارتکاب کرتی ہے!

حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا: مجھ کو میری عزت وجلال ، بلندئ مکان کی قسم، جب بھی کوئی بندہ فرض نماز کے بعد تیری تلاوت کرے گا تو میں ضرور اس کی مغفرت کروں گا،

خواہ وہ جیسا کیسا ہو اور میں اس کو ضرور جنت الفردوس میں داخل کروں گا اور روزانہ میں ستّر بار نظر رحمت سے اس کو دیکھوں گا اور اس کی ستّر حاجتیں پوری کروں گا اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اس کی مغفرت کردوں گا۔ (سلسلة الضعيفه للالبانی ۲/۶۹۹)

باب : إِنَّ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ......

باب: فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور آلِ عمران کی فضیلت

(٤١١) عن علی ابن أبی طالب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ:

" إِنَّ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ وَ الْآيَتَيْنِ مِنْ آلِ عِمْرَانَ:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ﴾ (آل عمران: ١٨)

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ (آل عمران :٢٦)

إِلٰى قَوْلِهِ:

﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

مُشَفَّعَاتٌ، مَا بَيْنَهُنَّ وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ. لَمَّا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يُنْزِّلَهُنَّ تَعَلَّقْنَ بِالْعَرْشِ، وَ قُلْنَ: يَا رَبِّ! تُهْبِطُنَا إِلَى الْأَرْضِ وَ إِلٰى مَنْ يَعْصِيكَ. فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: حَلَفْتُ لَا يَقْرَؤُكُنَّ أَحَدٌ مِنْ عِبَادِي دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ إِلَّا جَعَلْتُ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُ عَلٰى مَا كَانَ مِنْهُ وَ إِلَّا أَسْكَنْتُهُ حَظِيْرَةَ الْقُدْسِ، وَ إِلَّا نَظَرْتُ إِلَيْهِ بِعَيْنِي الْمَكْنُوْنَةِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ نَظْرَةً وَ إِلَّا قَضَيْتُ لَهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ حَاجَةً أَدْنَاهَا الْمَغْفِرَةُ وَ إِلَّا أَعَذْتُهُ مِنْ كُلِّ عَدُوٍّ وَ نَصَرْتُهُ مِنْهُ وَ لَا يَمْنَعُهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ. (أخرجه ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة/ ١٢٤)

وسعتِ رزق کا مجرب عمل

(۴۱۱) ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، اور دو آیت آل عمران کی۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (آل عمران: ۱۸) اور
'قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ' سے 'وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ' تک۔
(آل عمران:٢٦)
سفارش کرنے والی ہیں۔ان آیتوں اور رب تبارک وتعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ جب حق تعالیٰ نے ان آیتوں کواتارنے کا ارادہ فرمایا تو یہ آیتیں عرش سے مل گئیں اور عرض کرنے لگیں کہ: ربّ العزت آپ ہم کو زمین پر اتار رہے ہیں ان بندوں کے پاس جو آپ کی معصیت کریں گے۔تو ربّ العزت نے ارشاد فرمایا: میں نے قسم کھالی ہے کہ جو بندہ بھی ان آیتوں کو ہر فرض نماز کے بعد پابندی سے تلاوت کرے گا تو میں اس کا ٹھکانہ جنت کو بناؤں گا۔خواہ وہ جیسا تیسا ہواور اس کو اپنے حظیرۃ القدس میں جگہ دوں گا اور اس کی ستّر حاجتیں پوری کروں گا اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اس کی مغفرت کروں گا اور ہر دشمن و بدخواہ سے پناہ میں رکھوں گا اور ان پر اس کو غالب رکھوں گا مرتے ہی جنت میں داخل ہوجائے گا۔(اخرجه ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة ص١٢٤)

حظیرۃ القدس میں ٹھکانہ

امام بغویؒ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد پوری سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی، اور آل عمران کی تین آیتیں ایک آیت شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآاِلٰـهَ اِلَّا هُوَ آخر تک ۱۸ اور دوسرے ۲۶ اور تیسری ۲۷ آیت یعنی آیت ۱۸/۲۶/۲۷/ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ سے بِغَیْرِ حِسَابٍ تک پڑھا کرے تو میں اس کا ٹھکانہ جنت میں بنادوں گا اور اس کو حظیرۃ القدس میں جگہ دوں گا اور ہر روز اس کی طرف ستّر مرتبہ نظر رحمت کروں گا اور اس کی ستّر حاجتیں پوری کروں گا۔اور ہر حاسد اور دشمن سے پناہ دوں گا اور ان پر اس کو غالب رکھوں گا۔(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۲/۴۷)

تقریباً ۱۹۷۳ء کی بات ہے جبکہ بندہ مترجم محمد ثمین اشرف دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم پنجم کا پہلا سال تھا، جلالین جلد اوّل حضرت مولانا صوفی فیض الحسنؒ کے پاس تھی جب

یہ آیت آئی تو مولانا مرحوم نے دورانِ درس یہ حدیث سنائی تھی اس وقت تو اتنی شُد بُد نہیں تھی، مگر یہ جستجو ایک طالب علمانہ تھی کہ اس پرعمل کروں۔حق تعالیٰ کا کس قدر شکر بجالاؤں کہ اس کی برکت سے اس عاجز وآثم کو ہی نہیں، حقیر کے جملہ خاندان کو اس کی برکت سے کسی نہ کسی درجہ میں اللہ نے فضل سے نوازا۔اور ہر شخص حق جل مجدہ کے نظر رحمت میں مسرور و مطمئن ہے۔

دوستو! اللہ پاک کے کلام میں بڑی عجیب محیر العقول تاثیر موجود ہے۔ یقین و استقامت چاہیے۔اللہ کا کلام کیسے بے اثر ہوسکتا ہے! آپ کسی کو کوئی گندی گالی دیں فوراً اس کا چہرہ متغیر ہوجاتا ہے، رنگ وروپ بدل جاتا ہے۔ جب گندے کلمات میں اتنی تاثیر ہے تو ربّ ذوالجلال کا کلام کتنا پُرتاثیر ہوگا؛ مگر محسوس کرنے والا دل اور دیکھنے والی آنکھ چاہیے اور ایمان ویقین کے ساتھ پڑھنے والی زبان۔

باب : إِنَّ مُوْسٰی بْنَ عِمْرَانَ لَقِیَ جِبْرَائِیْلَ فَقَالَ لَهُ....

باب:موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات جب جبرئیل علیہ السلام سے ہوئی تو ان سے فرمایا

(٤١٢) للحکیم الترمذی عنه(ابن عباس رضی اللہ عنہ):

”إِنَّ مُوْسٰی بْنَ عِمْرَانَ لَقِیَ جِبْرِیْلَ فَقَالَ لَهُ: مَا لِمَنْ قَرَأَ آیَةَ الْکُرْسِیِّ کَذَا وَ کَذَا مَرَّةً؟ فَذَکَرَ نَوْعاً مِنَ الْأَجْرِلَمْ یُقْوَ عَلَیْهِ مُوْسٰی، فَسَأَلَ رَبَّهٗ أَنْ لَا یُضْعِفَهُ عَنْ ذٰلِکَ، ثُمَّ أَتَاهُ جِبْرِیْلُ مَرَّةً أُخْرىٰ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ لَکَ: مَنْ قَالَ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلَاةٍ مَکْتُوْبَةٍ مَرَّةً وَاحِدَةً: اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أُقَدِّمُ إِلَیْکَ بَیْنَ یَدَیْ کُلِّ نَفَسٍ وَ لَمْحَةٍ وَ لَحْظَةٍ وَ طُرْفَةٍ یَطْرُفُ بِهَا أَهْلُ السَّمَاوَاتِ وَ أَهْلُ الْأَرْضِ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ هُوَ فِیْ عِلْمِکَ کَائِنٌ أَوْ قَدْ کَانَ أُقَدِّمُ إِلَیْکَ بَیْنَ یَدَیْ ذٰلِکَ کُلِّهٖ.

﴿اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾

إِلٰی قَوۡلِهٖ:

﴿وَهُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ﴾ (البقرة: ٢٥٥)

فَإِنَّ اللَّيۡلَ وَ النَّهَارَ أَرۡبَعَةٌ وَ عِشۡرُوۡنَ سَاعَةً لَيۡسَ مِنۡهَا سَاعَةٌ إِلَّا يَصۡعَدُ إِلَيَّ مِنۡهُ فِيۡهَا سَبۡعُوۡنَ أَلۡفِ أَلۡفِ حَسَنَةٍ حَتّٰى يُنۡفَخَ فِي الصُّوۡرِ وَ تَشۡتَغِلَ الۡمَلَائِكَةُ.'' [صعيف جداً] (كما فى كنز العمال ج٢ /٣٤٦٨)

فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے والے کو سات کروڑ ثواب روزانہ قیامت تک ملتا رہے گا

(۴۱۲) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، موسیٰ بن عمران جبرئیل علیہ السلام سے ملے، موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جبرئیلؑ سے عرض کیا کہ: جب کوئی بندہ آیۃ الکرسی اتنی اتنی بار پڑھتا ہے تو اس کے لیے کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: اتنا اتنا ثواب ملے گا (ایک حصہ اجر وثواب کا تذکرہ کیا) جو موسیٰ علیہ السلام سن کر برداشت نہ کر سکے۔ (یعنی اس قدر زیادتی ثواب پر حیران رہ گئے) موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا: کیا اس سے زیادہ ثواب نہیں مل سکتا؟ پھر جبرئیل علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے اور فرمایا کہ: حق جل مجدہ ارشاد فرماتا ہے: جو شخص ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ مندرجہ ذیل دعاء اور آیۃ الکرسی پڑھتا ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيۡ أُقَدِّمُ إِلَيۡكَ بَيۡنَ يَدَيۡ كُلِّ نَفَسٍ وَ لَمۡحَةٍ وَ لَحۡظَةٍ وَ طُرۡفَةٍ يَطۡرُفُ بِهَا أَهۡلُ السَّمَاوَاتِ وَ أَهۡلُ الۡأَرۡضِ فِيۡ كُلِّ شَيۡءٍ هُوَ فِيۡ عِلۡمِكَ كَائِنٌ أَوۡ قَدۡ كَانَ أُقَدِّمُ إِلَيۡكَ بَيۡنَ يَدَيۡ ذٰلِكَ كُلِّهٖ، اور پھر آیۃ کرسی، اللّٰه لا اله الا هو الحى القيوم، سے العلى العظيم تک۔''

(ترجمہ: اے اللہ! میں پیش کر رہا ہوں آپ کی جناب میں جو کچھ بھی ہے، ہر ذی روح کے سامنے، ہر لمحہ ولحظہ، اور تمام زمین وآسمان کی حرکت، اور ہر چیز جو تیرے علم میں

ہے، جو وجود میں آکر ہو چکی، اور ہونے والی ہے، تمام کی تمام کو آپ کے لیے قربان کرتا ہوں اور پیش کرتا ہوں۔)

تو بے شک رات و دن کے چوبیس گھنٹوں ساعتوں میں سات کروڑ نیکیاں لکھی جاتی ہیں، یہاں تک کہ صور پھونکا جائے گا اور فرشتے مشغول ہو جائیں گے۔(یعنی فرشتے بروز قیامت جب اعمال نامے لانے میں مشغول ہو جائیں گے اس وقت تک یہ تمام نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی)۔

آیۃ الکرسی کتاب اللہ کی سب سے بڑی آیت ہے

آیۃ الکرسی اعظم آیت کتاب اللہ ہے۔ اس آیت میں حق جل مجدہ کی عظمت شان توحید ذات اور اس کا تقدس وجلال اعلیٰ صفات وکمالات، غایتِ عظمت وفضیلت کا بیان ہے۔ ایک شخص نے کہا حضور ﷺ قرآن کی آیت کون سی بہت بڑی ہے؟ آپ ؐ نے آیۃ الکرسی پڑھ کر سنائی۔ (طبرانی)

آیۃ الکرسی کے فضائل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام آیات قرانی کی سردار ہے، وہ آیۃ الکرسی ہے جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے، شیطان اس سے نکل جاتا ہے۔ دیگر صحابہ سے بھی منقول ہے تمام آیتوں کی سردار اور سب سے بڑی آیت آیت الکرسی ہے۔ (درمنثور)

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا قرآن میں سب سے بڑھ کر عظمت والی آیت کون سی ہے فرمایا: آیۃ الکرسی۔ عرض کیا گیا سب سے عظمت والی سورت کون سی ہے فرمایا: **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔**

اسمِ اعظم اور اس کی برکت

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔

ایک آیت الکرسی، دوسری آیت الٓمّٓ اللّٰہُ لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ......(مسند احمد)

حدیث میں ہے اسم اعظم کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے جو دعا مانگی جائے اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں، وہ تین سورتوں میں ہے، بقرہ، آلِ عمران، طٰہٰ۔ بقرہ کی آیت الکرسی، اورآل عمران کی پہلی ہی آیت۔اور طٰہٰ کی وَ عَنَتِ الْوُجُوْہُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مردوں کو زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ پڑھ کر دعا فرماتے۔

آصف بن برخیا نے جب بلقیس کا عرش لانے کا ارادہ کیا تو یَـا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ پڑھ کر دعا مانگی۔(قرطبی)

آیت الکرسی کی ایک زبان اور دولب ہیں

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوالمنذرؓ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت کونسی ہے، میں نے عرض کیا اَلـلّٰہُ لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ حضور ﷺ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا تجھ کو علم مبارک ہو۔ پھر فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس آیت کی ایک زبان اور دولب ہیں۔

عرش کے پایہ کے پاس فرشتہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔(مسلم)

یعنی فرشتے اس آیت کی تلاوت کر کے حق جل مجدہ کی تقدیس کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ عالم مثال میں ہر چیز کی ایک صورت ہے یہاں تک کہ قرآن کی اور آیات قرآن کی اور رمضان کی بھی عالم مثال میں شکلیں ہیں۔ واللہ اعلم

آیت الکرسی پڑھنے کے فوائد

رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا اس کو موت کے علاوہ جنت کے داخلہ سے اور کوئی چیز روکنے والی نہ ہوگی۔ ایک روایت میں ہے جو شخص

سوتے وقت بستر پر آیت الکرسی پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے گھر کو، اس کے ہمسایہ کے گھر کو، اور ارد گرد دوسرے گھر والوں کو، اپنی امان میں رکھے گا۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا اللہ تعالیٰ اگلی نماز تک اس کا محافظ رہے گا اور اس کی پابندی صرف نبی کرتا ہے یا صدیق یا شہید۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبریلؑ نے آکر مجھ سے کہا جن یا شیطان تمہیں فریب و دھوکا دینے کی گھات میں لگا رہتا ہے۔ لہٰذا جب بستر پر پہنچا کر وتو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ ابوقتادہؓ کی روایت ہے کہ جو شخص بے چینی کے وقت آیت الکرسی پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ (گلدستہ تفاسیر ا)

آیت الکرسی سورۂ بقرہ کا دل ہے

آیت الکرسی سورۂ بقرہ کا قلب ہے اور الحی القیوم بمنزلۂ روح اور جان کے ہے، اور باقی آیات بمنزلۂ اعضاء اور جوارح کے ہیں، اس سورت کے تمام مطالب اسی آیت کے گرد گھومتے ہیں، جس طرح اعضاء اور جوارح، جان کے شؤن اور مظاہر ہوتے ہیں اسی طرح اس سورۃ کی تمام آیتیں الحی القیوم کے شؤن و مظاہر ہیں۔ سورۃ بقرہ کے کل چالیس رکوع ہیں کوئی ایسا نہیں کہ جس میں حیات اور قیومیت اور ہمیشہ کی زندگانی کا مضمون مذکور نہ ہو۔ (معارف القرآن کاندھلوی، گلدستہ ۱۲/۴۱۲)

حق جل مجدہ کا علم اور اسی کی قدرت سے ہر چیز قائم ہے

کائنات عالم کی کوئی چیز و شئے اپنی ذات سے قائم نہیں اللہ تعالیٰ ہی ہر شئے کا قائم رکھنے والا ہے، ممکنات اپنے وجود و بقاء میں اس سے کہیں زائد اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، ممکنات کی حیات اور وجود اسی واجب الوجود کی حیات کا ایک ادنیٰ عکس اور پرتو ہے۔ غرض یہ کہ حق تعالیٰ تمام عالم کا قائم رکھنے والا اور اس کی تدبیر کرنے والا ہے ایک لمحہ بھی تدبیر

سے غافل نہیں اور ذرہ ذرہ کا اس کا علم ازلی محیط ہے۔

ربّ ذوالجلال کا علم ذاتی اور تام ہے اور مخلوق کے تمام احوال کو محیط ہے جو اس کی وحدانیت اور قیومیت اور کمال عظمت پر دال ہے اور بندوں کا علم نہایت قلیل اور ناتمام بلکہ برائے نام ہے۔ بندہ بدون اس کی تعلیم کے ایک ذرہ کو بھی نہیں جان سکتا اور ایک ذرہ کے بھی تمام احوال اور کیفیات اور جہات اور حیثیات کا احاطہ نہیں کرسکتا، اگر ایک حال کو جان لیتا ہے تو سو (۱۰۰) حال سے جاہل اور بے خبر رہتا ہے اور اس کا علم ناتمام احوال کو محیط ہو بغیر اس کی اجازت کے ممکن نہیں اس لیے کہ شفاعت وہاں ہوتی ہے کہ جہاں شفاعت کرنے والا بادشاہ کو ایسی چیز سے آگاہ کرے کہ جس کی بادشاہ کو خبر نہ ہو یا اس کے عفو کی مصلحت کی خبر نہ ہو اور بارگاہ رب العزت میں یہ ناممکن ہے کہ اس کو کسی شئے کا علم نہ ہو اور اس کی مالکیت تمام کائنات عالم کو محیط ہے۔ (کاندھلویؒ، گلدستہ ۱/۴۱۰)

باب : رَأَيْتُ عَلِيًّا أُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا......

باب: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سواری کے وقت دعا پڑھی

(٤١٣) عن علي بن ربيعة رضی اللہ عنہ قال: رَأَيْتُ عَلِيًّا أُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ قَالَ:

" بِسْمِ اللّٰهِ. فَلَمَّا اسْتَوىٰ عَلَيْهَا قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَ الَّذِى سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَ إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، ثُمَّ حَمِدَ اللّٰهَ ثَلاثاً وَ كَبَّرَ ثَلاثاً، ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ مِمَّ ضَحِكْتَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؟ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ: مِمَّ ضَحِكْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: يَعْجَبُ الرَّبُّ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا قَالَ: رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَ يَقُوْلُ: عَلِمَ عَبْدِىْ أَنَّهُ لا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ غَيْرِىْ." [ضعيف] (أخرجه أحمد ج ٢/٧٥٣)

سوار ہونے کی دعا

(۴۱۳)ترجمہ: علی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالبؓ کو دیکھا کہ جب سواری پر اپنا قدم رکھا تو بسم اللّٰہ پڑھا۔ پھر جب اس پر ٹھیک سے بیٹھ گئے تو کہا: الحمدُ لِلّٰہِ، سُبُحَانَ الَّذِی سَخَّرَ لنا ھذا وما کنا له مُقرِنین و إنا إلی ربنا لمنقلبونَ، پھر تین بار الحَمدُ لِلّٰہ کہا، پھر اللّٰہ اکبر تین بار پھر سبحانَکَ لاإلٰہ إلا أَنتَ قد ظلمتُ نَفُسِی فاغفرُلی کہا، پھر ہنسے۔

میں نے کہا: امیر المومنین رضی اللہ عنہ آپ ہنسے کیوں؟ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا، جس طرح میں نے کیا۔ پھر ہنسے تو میں نے سوال کیا: آپ کس بات پر ہنسے یارسول اللہ ﷺ؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ: حق جل مجدہ اپنے بندہ کے اس عمل سے خوش ہوتے ہیں جب بندہ کہتا ہے رَبِّ اغفِرُ لِیُ۔ حق جل مجدہ فرماتا ہے: میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کے گناہ کی مغفرت میرے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔

(اخرجہ احمد۲/۷۵۳)

حق تعالیٰ کی جانب سے جانوروں اور سواریوں کی نعمت

چوپایوں کا نعمت ہونا تو بالکل ظاہر ہے کہ وہ انسان سے کئی گنا زائد طاقتور ہوتے ہیں لیکن اللہ نے انہیں انسان کے آگے ایسا رام کردیا ہے کہ ایک بچہ بھی ان کے منہ میں لگام یاناک میں نکیل ڈال کر جہاں چاہتا ہے انھیں لے جاتا ہے، اسی طرح وہ سواریاں بھی اللہ کی بڑی نعمت ہیں جن کی تیاری میں انسانی صنعت کو دخل ہے۔ ہوائی جہاز سے لے کر معمولی سائیکل تک یہ ساری سواریاں اگرچہ بظاہر انسان نے خود بنائی ہیں لیکن ان کی صنعت کے طریقے سمجھانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے؟

یہ وہ قادر مطلق ہی تو ہے جس نے انسانی دماغ کو وہ طاقت عطا کی ہے جو لوہے کو موم بنا کر رکھ دیتی ہے، اس کے علاوہ ان کی صنعت میں جو خام مواد استعمال ہوتا ہے وہ اس کے خواص وآثار تو براہِ راست اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق ہیں۔

کشتی پر یا سوار ہوتے وقت اللہ کا احسان دل سے یاد کرو

چوپایہ یا کشتی پر سوار ہوتے وقت اللہ کا احسان دل سے یاد کرو کہ ہم کو اس نے اس قدر قوی اور ہنرمند بنایا کہ اپنی عقل و تدبیر سے ان چیزوں کو قابو میں لے آئے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ورنہ ہم میں اتنی طاقت اور قدرت کہاں تھی کہ ایسی ایسی چیزوں کو مسخر کر لیتے نیز دلی یاد کے ساتھ زبان سے سواری کے وقت دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

سوار ہونے کے اذکار و دعائیں

کتاب الاذکار والادعیہ میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سفر شروع کرتے وقت سواری پر سوار ہونے کے بعد یہ کلمات دعائیہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو تین بار تکبیر اور تین بار سُبْحَانَ اللّٰه فرماتے، ایک بار لَا إِلٰـه إِلَّا اللّٰهُ اور ایک روایت میں ہے کہ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ بھی تین بار فرماتے اور پھر یہ آیت مبارکہ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا پڑھتے۔ اس کے بعد یہ کلمات فرماتے اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِیْ هٰذَا مِنَ الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا السَّفَرَ وَ اَطْوِلَنَا الْبُعْدَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَ الْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِصْحَبْنَا فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا وَاخْلِفْنَا فِیْ اَهْلِنَا ۔ (معارف کاندھلوی ج ۷، ص ۲۸۹)

سفر سے واپسی کی دعاء

جب سفر سے آپ ﷺ گھر کی طرف لوٹتے تو فرماتے: اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ عٰبِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ یعنی واپس لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، ان شاء اللہ عبادتیں کرنے والے، اپنے رب تعالیٰ کی تعریفیں کرنے والے۔ (مسلم ابوداؤد ونسائی وغیرہ)

سواری کے وقت دعا پڑھنے کی حکمت

ابوالآس خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ رسول

اللہ ﷺ نے ہماری سواری کے لیے ہمیں عطا فرمایا کہ ہم اس پر سوار ہو کر حج کو جائیں۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نہیں دیکھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر اونٹ کی کوہان میں شیطان ہوتا ہے اور تم جب اس پر سوار ہو تو جس طرح میں تمہیں حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو پھر اسے اپنے لیے خادم بنالو، یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی سوار کرتا ہے۔ (مسند احمد)

حضرت ابوالآس کا نام محمد بن اسود بن خلف ہے رضی اللہ عنہ۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر اونٹ کی پیٹھ پر شیطان ہے۔ تو تم جب اس پر سواری کرو تو اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو پھر اپنی حاجتوں میں کمی نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر)

صاحب عقل کا کام اور مومن و کافر کا فرق

ایک صاحب عقل و باہوش انسان کا کام یہ ہے کہ وہ منعم حقیقی کی نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے غفلت و بے پرواہی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اس بات پر دھیان دے کہ یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، لہٰذا مجھ پر اس کے شکر کی ادائیگی اور عجز و نیاز کا اظہار واجب ہے، نیز ایک مومن و کافر میں درحقیقت یہی فرق ہے کہ کائنات کی نعمتوں کو دونوں استعمال کرتے ہیں، لیکن کافر انھیں غفلت اور بے پرواہی سے استعمال کرتا ہے اور مومن اللہ تعالیٰ کے انعامات کو مستحضر کر کے اپنا سر نیاز اس کے حضور جھکا دیتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے قرآن وحدیث میں مختلف کاموں کی انجام دہی کے وقت صبر و شکر کے مضامین پر مشتمل دعائیں تلقین کی گئی ہیں۔ اور اگر انسان اپنی روزمرہ زندگی میں اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ان دعاؤں کو اپنا معمول بنالے تو اس کا ہر کام عبادت اور ذخیرۂ آخرت بن جائے۔ اور ذکر کثیر کی زندہ عملی تفسیر کا نمونہ ہو جائے۔ غفلت سے ہوش دردم کا لطف وسرور حاصل ہو جائے۔ جو کام غیر عادتاً کرتا ہے، ایمان والا عبادتاً کرتا ہے۔ یہی فرق ہے مسلمان اور غیر مسلم کا۔ واللہ اعلم۔

باب : أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ غَدَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: عَلِّمْنِي......

باب:ام سلیمؓ حضرت ﷺ کے پاس گئیں اور فرمایا ہم کو کچھ سکھلا دیں

(٤١٤) عن أنس بن مالک ﷺ :

"أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ غَدَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: عَلِّمْنِي كَلِمَاتٍ أَقُوْلُهُنَّ فِيْ صَلَاتِيْ فَقَالَ: كَبِّرِي اللّٰهَ عَشْرًا أَوْ سَبِّحِي اللّٰهَ عَشْرًا وَاحْمَدِيْهِ عَشْرًا ثُمَّ سَلِي مَا شِئْتِ. يَقُوْلُ: نَعَمْ نَعَمْ." [حسن] (أخرجه الترمذی ج٢/ ٤٨١)

کلماتِ دعا

(۴۱۴) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور فرمایا: ہم کو کچھ سکھلا دیں تو میں نماز میں پڑھ لیا کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس بار اللہ اکبر کہہ لیا کرو یا دس بار سبحان اللہ کہہ لیا کرو اور دس بار الحمد للہ کہہ لیا کرو۔ پھر جو چاہو اللہ تعالیٰ سے مانگ لو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ نعم نعم! ہاں دیا، ہاں دے دیا۔ (ترمذی۲/۴۸۱)

نسخۂ قبولیتِ دعاء

(٤١٥) عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: جاء ت أم سليم إلى النبي ﷺ فقالت: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي كَلِمَاتٍ أَدْعُوْ بِهِنَّ. قَالَ:

"تُسَبِّحِيْنَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَشْرًا وَ تَحْمَدِيْنَهُ عَشْرًا وَ تُكَبِّرِيْنَهُ عَشْرًا ثُمَّ سَلِيْ حَاجَتَکِ فَإِنَّهُ يَقُوْلُ : قَدْ فَعَلْتُ قَدْ فَعَلْتُ."

[حسن] (أخرجه أحمد ج ٣ص ١٢٠)

(۴۱۵) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلیم نبی اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھ کو کچھ سکھلا دیں جس کو میں پڑھ کر دعا مانگ لیا کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمد للہ کہہ لیا کر،

پھر اپنی حاجت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کردے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہاں! میں نے تیری حاجت پوری کردی۔ ہاں! تیری حاجت پوری کردی۔ (اخرجہ احمد ۳/۱۲۰)

باب : إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَسَبِّحِيُ اللّٰهَ عَشْرًا

باب: جب نماز کے لیے کھڑی ہوا کرو تو دس بار سبحان اللہ کہہ لیا کرو

(٤١٦) عن أم رافع رضي الله عنها أنها قالت: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيُ عَلٰى عَمَلٍ يَأْجِرُنِى اللّٰهُ عَلَيْهِ قَالَ:

"يَا أُمَّ رَافِعٍ إِذَا قُمْتِ إِلَى الصَّلَاةِ فَسَبِّحِي اللّٰهَ عَشْرًا، وَ هَلِّلِيْهِ عَشْرًا، وَ كَبِّرِيْهِ عَشْرًا، وَ اسْتَغْفِرِيْهِ عَشْرًا . فَإِنَّكِ إِذَا سَبَّحْتِ عَشْرًا قَالَ : هٰذَا لِيُ، وَ إِذَا هَلَّلْتِ عَشْرًا قَالَ: هٰذَا لِيُ. وَ إِذَا كَبَّرْتِ عَشْرًا قَالَ: هٰذَا لِيُ. وَ إِذَا حَمِدْتِ قَالَ: هٰذَا لِيُ. وَ إِذَا اسْتَغْفَرْتِ قَالَ: قَدْ غَفَرْتُ لَكَ."

[ضعيف](أخرجه ابن السنى فى عمل اليوم والليلة/١٠٦)

نبی اللہ ﷺ کا اُمّ رافعؓ کو مغفرت کا خزانہ بتلانا

(۴۱۶) ترجمہ: ام رافع رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ کوئی ایسا عمل بتلادیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر مجھ کو اجر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام رافعؓ جب تو نماز کے لیے کھڑی ہوا کرو تو دس بار **سبحان اللّٰہ**، دس بار **لاالہ الاالـلّٰہ**، دس بار **اللّٰہ اکبر**، دس بار **استغفر اللّٰہ** کہہ لیا کر۔ اس لیے کہ جب تو دس مرتبہ **سبحان اللّٰہ** کہے گی تو اللہ فرماتا ہے: ہاں! یہ میرے لیے ہے اور جب دس مرتبہ **لاالہ الا اللّٰہ** کہے گی، اللہ فرماتا ہے: ہاں یہ میرے لیے ہے اور جب تو دس بار **اللّٰہ اکبر** کہے گی، اللہ فرماتا ہے: ہاں یہ میرے لیے ہے اور جب تحمید یعنی **الحمد للّٰہ** کہے گی، اللہ فرماتا ہے: ہاں یہ میرے لیے ہے اور جب استغفار کرے گی تو اللہ فرماتا ہے: ہاں میں نے تیری مغفرت کردی۔

(اخرجه ابن السنى فى عمل اليوم والليلة، ص١٠٦)

اُمِّ رافع رضی اللہ عنہا کو قبولیت دعا کا عمل

ام رافع رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ایسا عمل سکھلا دیں کہ جس پر ہمیں اجر وثواب ملے۔ اور ام سلیم حضرت انسؓ کی والدہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ کچھ کلمات سکھلا دیں جس کو میں پڑھ لیا کروں، دونوں روایت کا حاصل ایک ہے، جس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ام رافعؓ کو فرمایا کہ: جب نماز کے لیے کھڑی ہوا کرو تو **سُبۡحَانَ اللّٰہُ** دس بار، **لاإله إلَّا اللّٰهُ** دس بار، **اَللّٰهُ اَكۡبَرُ** دس بار، اور **اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰه** دس بار پڑھ لیا کرو، یا کہہ لیا کرو، جس کے جواب میں حق جل مجدہ فرماتے ہیں: ہاں یہ میرے لیے، ہاں یہ میرے لیے، اور جب کہتے ہو **اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰه** تو ربِّ کریم فرماتے ہیں میں نے تیری مغفرت کردی۔

اور حضرت اُم سلیمؓ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ انہی کلمات کو دس دس بار پڑھ کر جو دعا مانگیں گی، قبول ہوگی۔

دونوں روایتوں پر عمل کرلیا کریں۔ یعنی رات میں یا دن میں جب بھی نفل پڑھیں تو پہلے بھی انہی کلمات کو دس دس بار کہہ لیں اور نماز بعد بھی دس دس بار کہہ کر دعا مانگ لیا کریں تو نورٌ علیٰ نور۔ نماز بھی قبول دعا بھی قبول، تمام عبادات بھی قبول، اور آپ کی جملہ حاجات کی براری کا نسخہ نبوی آپ کو ہاتھ آ گیا۔ ہمارے عجمی ملکوں میں ان تسبیحات جن کو الباقیات الصالحات کہنا چاہیے۔ جو عوام میں تسبیح فاطمی سے جانا جاتا ہے نہ معلوم بعد نماز عصر اور بعد نماز فجر ہی کیوں لوگوں کا عمل ہے۔ جبکہ پنجوقتہ نمازوں کے بعد ان کا اہتمام والتزام ہونا چاہیے۔ عصر و فجر کی تخصیص کا سبب معلوم نہ ہوسکا۔ عربوں میں پنجوقتہ نمازوں کے بعد کا معمول ہے۔ یہی عجموں کے یہاں بھی ہونا چاہیے۔

حاصل یہ ہوا کہ کم سے کم عدد الباقیات الصالحات کا دس ہے اور افضل عدد، **اَلۡحَمۡدُ لِلّٰه** ۳۳، **سُبۡحَانَ اللّٰه** ۳۳، **اَللّٰهُ اَكۡبَر** ۳۴ بار ہے اور اس حدیث سے نماز کے بعد دعا مانگنے کا بھی ثبوت ملتا ہے لہٰذا بدعت کہنا صحیح نہیں، اور حدیث سے لاعلمی کی دلیل ہے۔ البتہ

جن فرائض کے بعد سنن ونوافل ہیں مثلاً ظہر، مغرب، عشاء، سنن ونوافل کے بعد تک ان کلمات الباقیات الصالحات کو مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ اور غالباً ہمارے مجموں میں عصر و فجر بعد اسی لیے الباقیات الصالحات کا التزام و اہتمام ہوتا ہے۔ ان دونوں نمازوں کے بعد نماز نفل نہیں، مگر پنجوقتہ نمازوں کے بعد ان کلمات کا اہتمام اولیٰ و افضل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ہادی رحمۃ للعالمین کی ہدایات پر عمل کرنے والا بنائے۔ آمین ثم آمین۔

باب : إِذَا نَامَ الْعَبْدُ عَلٰى فِرَاشِهِ ... ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ ...

باب: بندہ جب رات میں نیند سے بیدار ہو تو چوتھا کلمہ پڑھے

(٤١٧) عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ:

"إِذَا نَامَ الْعَبْدُ عَلٰى فِرَاشِهِ أَوْ مَضْجَعِهِ مِنَ الْأَرْضِ الَّتِيْ هُوَ فِيْهَا فَانْقَلَبَ فِـي لَيْـلَتِـهِ عَـلٰى جَنْبِهِ الْأَيْمَنِ أَوْ جَنْبِهِ الْأَيْسَرِ ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهٗ لَا شَـرِيْكَ لَـهٗ. لَـهُ الْـمُـلْكُ وَ لَـهُ الْـحَمْدُ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وَ هُوَ حَيٌّ لَايَـمُـوْتُ بِيَـدِهِ الْـخَيْـرُ وَ هُـوَ عَـلٰى كُـلِّ شَـيْءٍ قَـدِيْـرٌ. يَقُوْلُ اللّٰـهُ عَزَّوَجَلَّ لِمَلَائِكَتِهِ: اُنْظُرُوْا إِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا لَمْ يَنْسَنِيْ فِي هٰذَا الْوَقْتِ. أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ رَحِمْتُهٗ وَ غَفَرْتُ لَهٗ ذُنُوْبَهٗ."[ضعيف] (أخرجه ابن السنى فى عمل اليوم والليلة/٧٥٣)

رات کو جب بیدار ہو اللہ پاک کی رحمت و مغفرت کا تحفہ وصول لو

(۴۱۷) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب بندہ اپنے بستر پر سوتا ہے یا یونہی زمین پر لیٹتا ہے۔ جس سے پیدا کیا گیا ہے اور رات کو دائیں یا بائیں کروٹ بدلتے ہوئے:

أَشْهَـدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وَ هُوَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

(ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اس کا کوئی

شریک نہیں، اسی کا ملک ہے اور قابل تعریف صرف اللہ کی ذات ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہ خود ہمیشہ سے ہے، کبھی ختم نہ ہوگا اور تمام بھلائیاں اسی کے دست قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

پڑھ لیتا ہے تو حق جل مجدہ ارشاد فرماتے ہیں: اے فرشتو! میرے اس بندہ کو دیکھو جو سوتے ہوئے کروٹ بدلنے میں بھی مجھ کو نہیں بھولا، میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس بندہ پر رحم کیا اور اس کی مغفرت کر دی۔

شعور و بے شعوری کے عالم میں حضور حق کی حاضری پر انعام

فضل الٰہی سے جس بندہ پر انابت اور رجوع الی اللہ کا باب رحمت کھل جاتا ہے تو پھر صحیح معنی میں بندہ کو بندگی کا لطف و سرور محسوس ہوتا ہے، اور قدرت اس فضل کو بندہ کے کھاتہ میں ڈال کر نوازتی رہتی ہے، رات کی تاریکی میں نیند کی غفلت اور بے شعوری کی کیفیت میں کروٹ بدلنا اور پھر حق جل مجدہ کے جلال و کبریائی، عظمت وسطوت کا دیدۂ باطن پر استحضار وادراک کا غالب رہنا اور باطن کے احوال کا نطق و گویائی کے زبان حال سے ترجمان بن کر ربّ العزت کی جناب اور حضور حق کی بارگاہ میں، ایک الٰہِ حق کی شہادت اور اس کی وحدانیت و توحید کا اعلان، اس کی ذات وصفات میں شرکت کی نفی، اس کی ذات کے لیے ملک وملکوت کا ثبوت، حمد وثنا کے قابل ولائق، مخلوقات کی حیات وممات کا مالک کل، اور خالق کے لیے حیات جاودانی کا اقرار واثبات، ہر خیر و بھلائی کا منبع و وہّاب اور پھر غفلت ونیند، خودی و بے خودی، شعور و بے شعوری کے عالم میں ان کلمات کے زمزمہ کو گنگنانا ہر ہما شما کا کام نہیں، یہ تو انہی مردانِ حق کا نصیب بنتا ہے جن پر فضل و رحمتِ حق کا سایہ ہو ورنہ انسان چاہ کر بھی ان اوقات میں لب نہیں ہلا سکتا۔ مگر قدرت جب چاہتی ہے تو لمحہ بھر کی غفلت کو مغفرت کا ذریعہ بنا کر آغوش رحمت میں لے لیتی ہے۔ اور عالم ملکوت میں ملائک کو مقام شہادت پر کھڑا کر کے رحمت و مغفرت کا اعلان کر دیتی ہے، اور بندۂ عاجز وناتواں ہے کہ کروٹ بدل کر پھر سو جاتا ہے یہ کتنا ہی خوش نصیب وخوش بخت ہے کہ چند

کلمات قدسیہ کا بول بول کر اور عالم ملکوت میں رحمت و مغفرت کی نعمت پا کر فرشتوں کی شہادت کے بعد پھر راحت وصحت کی بقا کے لیے عالم نیند میں جا چکا اور وہ سب کچھ پا چکا جو ایک مومن کامل کا پوری زندگی کا مطلوب ومقصود، یعنی رحمت و مغفرت کا حصول تھا، اللہ تعالیٰ ہماری زندگی کا ہر لمحہ ذکر وفکر، رحمت و مغفرت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

باب : إِذَا مَا اِسْتَيْقَظَ الرَّجُلُ مِنْ مَنَامِهِ فَقَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ ......

باب: آدمی جب رات میں نیند سے بیدار ہو تو سبحان اللہ پڑھے

(٤١٨) عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"إِذَا مَا اِسْتَيْقَظَ الرَّجُلُ مِنْ مَنَامِهِ فَقَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِیْ يُحْيِیْ الْمَوْتٰی وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ. قَالَ اللّٰهُ: صَدَقَ عَبْدِیْ وَ شَكَرَ. قَالَ: وَ يَقُوْلُ عِنْدَ ذٰلِکَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ يَوْمَ تَبْعَثُنِیْ مِنْ قَبْرِیْ. اللّٰهُمَّ قِنِی عَذَابَکَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ." [ضعيف] (أخرجه الخرائطي في مكارم الأخلاق ص ٧٩)

مجھے نجات دینا جس دن اپنے بندوں کو اٹھانا

(۴۱۸) ترجمہ: ابی سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب رات میں کسی آدمی کی نیند کھلتی ہے اور کہتا ہے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِیْ يُحْيِیْ الْمَوْتٰی وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ.

پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو مردوں کو زندہ کرتی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تو حق تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے سچ کہا اور میرا شکر ادا کر دیا اور اسی وقت کہہ دیتا ہے اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِی ذَنْبِی يَوْمَ تَبْعَثُنِیْ مِنْ قَبْرِیْ (یا اللہ میرے گناہ کی مغفرت کر دے جس دن مجھے قبر سے اٹھانا۔ اللّٰهُمَّ قِنِی عَذَابَکَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ. یا اللہ اپنے عذاب وعقاب سے مجھے نجات دے دینا جس دن آپ اپنے بندوں کو اٹھائیں گے۔

(مکارم الاخلاق، ص۷۹)

اللہ تعالیٰ سے حتمی و یقینی نجات کا سوال اور تسبیحِ خالقِ کائنات کا انعام

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ نیند سے بیدار ہو کر بندہ کسلان و گم نام ہوتا ہے، انگڑائی لیتا ہے، انگلیاں چٹخا تا ہے، جماہی لیتا ہے، بیدار ہو کر بھی بے شعور و بے ہوش و خرد ہوتا ہے، مگر الحمدللہ مومن کی شان بھی عام لوگوں کے مقابلے میں ذی شان ہوتی ہے، نیند کھلی اور اپنی عبدیت و فنائیت کا دھیان اور اللہ پاک کی حیات و قیومیت کا اقرار اور اس دنیاوی بیداری کو آخرت کے دن کی آخری بیداری کے استحضار کا خیال رکھ کر عرض کرتا ہے، ربّ العزت میرے الٰہ و معبود جب میں آخری بار دنیاوی نیند سے آخرت کی بیداری کے عالم میں داخل ہوں گا تو آپ اپنے غضب و عقاب سے بچانا، الٰہ العٰلمین آج میں اپنی جگہ اس دنیاوی زندگی میں بیدار ہوا ہوں مگر اس دن تو آپ کے سبھی بندے بیدار کیے جائیں گے۔ آج میں اٹھا ہوں اس دن سبھی اٹھیں گے۔ یا اللہ جس طرح بیدار ہونا اور اٹھنا یقینی ہے، آپ کے عقاب و عذاب سے بھی امن و امان حتمی اور یقینی بنا دے، اور اس کا سوال میں آپ سے ہی کر رہا ہوں کہ ہمیں اٹھائیں گے آپ ہی، میرے اللہ میں آپ کے اٹھانے پر یقین رکھتا ہوں، اسی لیے آپ کے اٹھانے سے پہلے ہی آپ سے امن و امان، عذاب و عقاب سے حفاظت و سلامتی کا دامن پھیلا رہا ہوں، جس طرح میرا اٹھنا یقینی، آپ کا اٹھانا یقینی میرے امن و امان کو بھی آپ حتمی و یقینی بنا دیں۔ یا اللہ یہ دعا ہم سب کے حق میں قبول فرما، آمین یا ارحم الراحمین۔

الغرض مومن بندہ کا کبھی کوئی لمحہ غافل نہیں رہتا نہ ہی غفلت کو قریب آنے دیتا ہے نیند کھلتے ہی، ہوش میں آتے ہی جو لمحات نیند اور عدم ذکر میں گزرا اس کی تلافی اور تدارک کے لیے بارگاہ رب العزت میں، سُبْحَانَ اللّٰہ الَّذِیْ یُحْیِیُ الْمَوْتیٰ وہ ذات جو سوئے ہوئے مردوں کو جگاتا اور زندہ کرتا ہے۔ تمام تر احتیاج سے بالاتر و بے نیاز ہے۔ حیات و قیومیّت کی ایسی بلند و بالا شان رکھتا ہے کہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ہر چیز پر قادر مطلق علی الاطلاق ہے۔ رب العزت کی شان رحیمی و کریمی دیکھئے، کہ صداقت کی مُہر ان

کلمات پر لگادی جاتی ہیں۔ اور ان بول کو شکر اور شاکرین کے میزان میں شمار کرلیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تربیت وتہذیب اور تزکیہ وتطہیر کا خود ہی جب چاہتا ہے تو نظم کرتا ہے۔ یہ تمام باتیں انہی کے فضل وکرم سے ملتی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ وَالصَّادِقِیْنَ وَالْمُخْلِصِیْنَ وَالْمُفْلِحِیْنَ ، آمِیْن یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

باب : مَنْ قَالَ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ

باب: جو لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ کہے اس کا جواب منجانب اللہ ملتا ہے

(٤١٩) عن الأغر أبی مسلم رضی اللہ عنہ قَالَ : أَشْهَدُ عَلٰی أَبِیْ سَعِیْدٍ وَ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:

”مَنْ قَالَ : لَا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ، صَدَّقَهُ رَبُّهُ فَقَالَ : لا إِلٰـهَ إِلَّا أَنَا وَ اَنَا اَكْبَرُ. وَ إِذَا قَالَ: لَاإِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ قَالَ: يَقُوْلُ: لا إِلٰـهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِیْ. وَ إِذَا قَالَ: لا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لا شَرِيْكَ لَهُ. قَالَ اللّٰهُ: لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِیْ لَا شَرِيْكَ لِیْ، وَ إِذَا قَالَ: لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ قَالَ: لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنَا لِیَ الْمُلْكُ وَ لِیَ الْحَمْدُ. وَ إِذَا قَالَ: لا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِیْ وَ كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ قَالَهَا فِیْ مَرَضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ.“ [صحیح] (أخرجه الترمذی ج ۵/۳۴۳۰)

کلماتِ ذکر اور اس کا منجانب اللہ جواب

(۴۱۹) ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص لاإلـهَ الَّا اللّٰهُ و اللّٰهُ أكبر کہتا ہے تو اللہ پاک اس کی تصدیق کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: لاإلـه إلَّا أَنـا و أَنَا أكبرُ اور جب بندہ لا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وحدهٗ کہتا ہے، تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا إلٰـهَ إلَّا أَنَـا وحدی اور جب بندہ لاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وحدهٗ لاشريكَ له کہتا ہے، تو اللہ پاک فرماتے ہیں: لَا إِلٰـهَ

إِلَّا أَنَا وحدی لا شریکَ لی اورجب بندہ لا إِله إِلَّا اللّٰهُ له المُلْکُ وَ لَهُ الْحَمْدُ کہتا ہے،تو اللہ پاک فرماتا ہے: لا إِلـه إِلَّا أَنَا لِی الملکُ و لی الحمدُ اور جب بندہ لا إِلـه إِلَّا الـلّٰـهُ و لا حولَ و لا قوۃَ إِلا باللّٰهِ کہتا ہے، اللہ پاک لا إِله إِلَّا أَنَا و لا حـــولَ و لا قُـوَّةَ إِلَّا بِـیْ فرماتے ہیں۔حضورﷺفرماتے تھے: کہ جوشخص اس کلمہ کومرض الوفات میں پڑھ لے اس کوجہنم کی آگ نہیں کھائے گی۔

بندہ کی شہادت پر حق جل مجدہ کی صداقت کی مہر

اور جب بندہ لا إِله إِلَّا اللّٰهُ، له المُلْکُ وَ لَهُ الْحَمْد کی صدائیں بلند کرتا ہے تو ربّ العالمین فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے سچ کہا لا إِلـه إِلَّا أَنـا لِـی الملکُ و لی الحمد۔ ملک میرا ہی ہے اور حمد بھی میری ہی ذات احد کے لیے پڑھتا ہے، یہ بات قرینِ عقل وہوش اور عام ذہن سے بالکل قریب ہے کہ جس کا ملک اسی کا سکّہ۔تو جب ملک اللہ کا ٹھہرا تو پکار بھی صاحب ملک کی، جو مٰلک یوم الـدّیـن ہے اسی کی ہونی چاہیے۔وہ لوگ جو اللہ کے ملک میں غیر اللہ کو امداد کے لیے پکارتے ہیں ان کی مثال بعینہٖ اس مجرم کی سی ہے جو ایک بادشاہ کے ملک میں کھاتا پیتا ہو، بادشاہ کا اور بادشاہ کے خلاف سازش چلاتا ہو، آیا کیا دنیا کا کوئی بھی بادشاہ اس کو گوارہ کرے گا؟ قطعاً نہیں، پھر ملک الملک کیونکر گوارہ کرے گا کہ آپ کھائیں پیئیں رہیں سہیں اللہ کے ملک میں اور نام لیں غیر اللہ کا۔اسی کو عام زبان میں غالبًا نمک حرام کہتے ہیں۔کہ کھائے تو مالک کا اور گائے پرائے اور بیگانے کا۔ اور جب بندہ لا إِله إِلَّا اللّٰهُ و لا حولَ و لا قوۃَ إِلا باللّٰه کے نورانی الفاظ سے اپنے معبود حقیقی کو یاد کرتا ہے تو حق جل مجدہ فرماتے ہیں میرے بندہ نے صحیح کہا۔

لا إِله إِلَّا أَنَا وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّابی

اس کا مفہوم بھی عوام میں کچھ عجیب سا لیا جاتا ہے جو غلط ہی نہیں بلکہ اسلام سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔عام طور پر عوام لا حـولَ و لا قـوۃَ إِلا بـاللّٰه کا ورد زبان پر اسی

وقت لاتے ہیں جب شیطان سے پناہ چاہی جائے حالانکہ ایسا نہیں، شیطان سے پناہ چاہیے مگر اس کا مفہوم ذہن نشین کر لیجئے لا حولَ و لا قوۃَ: لاحول کا مطلب یہ ہے کہ ربّ العزّت ہم جملہ منکرات ومنہیات سے نہیں بچ سکتے اور نہ ہی جملہ ماموارت کا امتثال کر سکتے ہیں مگر آپ کی طاقت وقوت کے ساتھ۔

اس کی مثال لیجیے: مؤذن پکارتا ہے حیّ علی الصّلوٰۃ آؤ نماز کی طرف جو فعل خیر نہیں بلکہ امہات الخیر ہے، اور شارع علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب تم اس جملہ کو سنو تو کہو لا حولَ و لا قوۃَ إلا باللّٰہ تو اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ یا اللہ ہم دنیا کے کاموں کو ترک کر کے نماز کی طرف نہیں آ سکتے، مگر آپ کی اعانت و مدد سے تو اس جملہ کا حاصل یہ نکلا کہ یا اللہ آپ میری برائیوں سے بچنے میں مدد کیجئے اور نیک کاموں کا بھی میرے قلب پر الہام کیجئے اور بغیر آپ کی نصرت و مدد کے ہم نہ برائی سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور نہ ہی نیکی کر سکتے ہیں۔

اور جس خوش نصیب کو یہ کلمہ آخر وقت میں نصیب ہو گیا اس کو نار جہنم نہیں چھوئے گی، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا عِنْدَ الْمَوْتِ درحقیقت تمام زندگی جملہ عبادت کا حاصل بھی یہی تھا کہ یہ کلمہ طیبہ آخر وقت میں زبان سے رواں ہو جائے تا کہ ابدی حسرت و ندامت سے بچ کر دائمی لازوال نعمتوں کا مستحق بن جائے۔ آمین!

ربّ العالمین اپنے بندہ کے اقرار توحید وتکبیر پر ارشاد فرماتا ہے کہ لا إلٰہ إلّا أنَا وَ أَنَا اللّٰہُ أَکْبَرُ درحقیقت بندہ کے اقرار توحید پر حق سبحانہ کی شہادت کی مہر ثبت ہو رہی ہے۔ کیونکہ کائنات عالم میں معبود حقیقی کی نصرت کو تسلیم کرنا اور جملہ امور کا محتاج ہونا خالق کی ذات کبریائی کو ماننا ہے۔

حق جل مجدہ مشکل کُشا ہیں

اس لیے ربّ العالمین بھی فرماتا ہے کہ اَنَا اللّٰہُ اَکْبَرُ میں ہی اللہ ہوں اور بڑا بھی۔ یعنی کائنات عالم میں ہر چیز کو وجود میں عطا کرتا ہوں، میں ہی سب کو رزق دیتا ہوں

میں ہی سب کو مارتا اور جلاتا ہوں، اور ہر قسم کی نعمتوں کا مالک حقیقی بھی میں ہی ہوں۔ چاہے وہ اولاد کی نعمت ہو، یا مال وجان کی یا عزت وآبرو کی یا صحت وعافیت کی ،اور کیونکر نہ ہو کہ میں ہی اللہ اکبر ہوں۔ میں نے ہی انبیاء کو تاج نبوت عطا کیا ،نزول کتاب اللہ کے لیے ان کا انتخاب کیا، اوران کو بھی اظہار عبودیت کی راہ میں نے بتلائی، اور انبیاء کے متبعین کو میں نے ہی صدیقین ،شہدا، صالحین، ابرار واخیار، غوث، قطب، ابدال، نجباء، نقباء کے مقام پر فائز کیا۔ لہٰذا مرادوں کا پوری کرنے والا میں ہوں نہ کہ وہ۔ وہ تو خود میری صفت عطا کے محتاج ہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے میری عبادت کی تو میں نے ان کو یہ منصب عطا کیا۔ لہٰذا جو بھی ان کی طرح راہ عبودیت طے کرے گا، میں اس کو بھی ان مقدس صالحین کی گروہ میں داخل کروں گا۔ لہٰذا معیار میری عبودیت کلی ہے نہ کہ غیروں کی۔ اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ لا إلـه إلَّا اللّٰهُ، واللّٰهُ أكبر میں توحیداور کبریائی کا اقرار ہے، اب اس جملہ کے بعد ضروری تھا کہ بندہ شرک جیسی خبیث چیز کی نفی بھی کر دے گر چہ اقرارِ توحید میں ضمناً شرک کی نفی موجود تھی، مگر جب صراحتاً نفی ہو تو لطف ہی اور ہے گویا کہ موحد خالص بن گیا اور زبان حال سے پکار اٹھتا ہے (لا إلـه إلَّا اللّٰهُ وَحْدَه) اس جملہ پر بھی خالق جل مجدہ فرماتے ہیں میرے بندے نے سچ کہا (یعنی) حقیقت امر کا اقرار کیا۔ لا إله إلَّا أَنَا وحدی یہ جملہ توحید خالص کو مزید موکد کر دیتا ہے، کہ اللہ کی ذات ایک ہے، اور جب بندہ توحید کی حلاوت سے اپنے قلب میں یک گونہ جلا ونورانیت محسوس کرتا ہے تو پکار اٹھتا ہے لا إلـه إلَّا اللّٰهُ وَحْدَه لا شريک له گویا جملہ ابواب شرک پر عظمت ربّ العالمین کا تالہ ڈال رہا ہے، تو ربّ العالمین فرماتے ہیں میرے بندے نے سچ کہا اور میرے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی میرا کوئی ذات وصفات میں شریک ہے۔ مگر ہائے بدنصیب قوم کہ ذاتِ باری میں تو شریک نہیں کرتے مگر صفاتِ ربّ العالمین میں بے حد شریک بنا رکھا ہے۔ کوئی درختوں سے مرادیں مانگتا ہے تو کوئی پتھر کے صنم سے تو کوئی اولیاء کی امداد چاہتا ہے تو کوئی قبروں سے اولاد مانگتا ہے تو کوئی زندہ فقیروں سے۔

اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم۔

حمد و کبریائی حق تعالیٰ کو ہی زیب دیتی ہے

(٤٢٠) عن الأغر أبی مسلم أنه شهد علی أبی هريرة رضی اللہ عنہ وأبی سعيد رضی اللہ عنہ أنهما شهدا علی رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم قال:

"إِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: صَدَقَ عَبْدِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَ أَنَا أَكْبَرُ. وَ إِذَا قَالَ الْعَبْدُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ. قَالَ: صَدَقَ عَبْدِی لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِیْ. وَ إِذَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ. قَالَ: صَدَقَ عَبْدِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اَنَا وَ لَا شَرِيْكَ لِیْ. وَ إِذَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ. قَالَ: صَدَقَ عَبْدِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا لِی الْمُلْكُ وَ لِی الْحَمْدُ. وَ إِذَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ. قَالَ: صَدَقَ عَبْدِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّابِیْ.

مَنْ رُزِقَ هُنَّ عِنْدَ مَوْتِهِ لَمْ تَمَسَّهُ اَلنَّارِ."

[صحيح] (أخرجه ابن ماجه ج ٢/٣٧٩٤)

(۴۲۰) ترجمہ: اَغر ابو مسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے گواہی دی کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ لا إلـــه إلّا اللّٰهُ و اللّٰهُ أكبرُ کہتا ہے، تو اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندے نے سچ کہا لا إله إلّا أنَا وَأَنَا أكبرُ. میرے سوا کوئی معبود نہیں مگر میں، اور میں سب سے بڑا ہوں، اور جب بندہ لا إلـه إلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ. کہتا ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندے نے سچ کہا لا إلـه إلَّا أنَا وحدی؛ میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اکیلا ہوں، اور جب بندہ لا اله اللّٰـه لا شريک له کہتا ہے اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: لا إلـه إلّاأنا ولا شريک لی، کوئی میرے سوا معبود نہیں مگر میں اور میرا کوئی شریک وساتھی نہیں، اور جب بندہ لا إله إلّا اللّٰـه لـهُ الملکُ ولـهُ الحمدُ کہتا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ ہی مالک

اوراس کے لیے حمد وتعریف زیبا ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندے نے سچ کہا، لا إلٰہ إلّا أنا لی الملکُ ولی الحمدُ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، ملک میرے لیے ہے اور حمد وتعریف میری ذات کے لیے زیبا ہے؛ اور جب بندہ لا إلٰہ إلّا اللّٰہُ ولا حولَ ولا قوّۃَ إلا باللّٰہِ کہتا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور برائی سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں مگر اللہ کی ذات پاک کی اعانت ومدد سے، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے اور ارشاد فرماتے ہیں: لا إلٰـہَ إلّا أنَا وَلا حَوْلَ وَلا قُوَّۃَ إلّا بی۔ یعنی میرے سوا کوئی معبود نہیں، اور برائی سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں مگر اللہ کی ذات پاک کی اعانت ومدد سے، (اغر راوی حدیث نے کہا:) جو موت کے وقت ان کلمات کو پڑھ لے گا اس کو نارِ جہنم نہیں لگے گی)۔

باب : وَاحِدَۃٌ لِیْ وَ وَاحِدَۃٌ لَّکَ وَ وَاحِدَۃٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ......

باب: ایک تیرے لیے اور ایک میرے لیے

(۴۲۱) عن سلمان رضی اللہ عنہ قال:

"لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ آدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ: وَاحِدَۃٌ لِّیْ وَ وَاحِدَۃٌ لَکَ وَ وَاحِدَۃٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ. فَأَمَّا الَّتِیْ لِیْ: تَعْبُدُنِیْ وَ لَا تُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا، وَ أَمَّا الَّتِی لَکَ: فَمَا عَمِلْتَ مِنْ شَیْءٍ جَزَیْتُکَ بِہٖ، وَ أَنَا أَغْفِرُ وَ أَنَا غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، وَ أَمَّا الَّتِیْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ: مِنْکَ الْمَسْأَلَۃُ وَ الدُّعَاءُ وَعَلَیَّ الْإِجَابَۃُ وَ الْعَطَاءُ." [صحیح] (أخرجه أحمد فی کتاب الزهد له/ص۴۷)

صفاتِ ثلاثہ

(۴۲۱) ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سے ایک میرے لیے اور ایک تیرے لیے اور ایک میرے اور تیرے درمیان ہے۔

جو محض میری ذات کے لیے ہے وہ تیری ایسی عبادت جس میں تو میرے علاوہ کسی دوسرے کو شریک نہ کرے، اور جو محض تیرے لیے ہے وہ تیرے اعمال حسنہ وسیئہ ہیں۔ جس کا تجھے بدلہ ملے گا۔ نیکی پر اجر وثواب اور اگر بدی وسیئہ ہیں تو میں معاف کردوں گا؛ کیوں کہ میں غفور رحیم ہوں اور جو تیرے اور میرے مابین ہے، وہ تیری جانب سے سوال کرنا، مانگنا اور دعا کرنا ہے اور میرا کام تیری دعاؤں کو قبول کرنا، تجھے دینا اور تیرے سوال کو پورا کرنا ہے۔

تو مانگتا جا میں قبول کرتا جاؤں گا

(٤٢٢) عن أنس عن النبی ﷺ قال:

"یَقُولَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی: یَا ابْنَ آدمَ! وَاحِدَةٌ لَکَ وَ وَاحِدَةٌ لِیْ وَ وَاحِدَةٌ فِیْمَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ، فَأَمَّا الَّتِیْ لِیْ فَتَعْبُدُنِی وَ لَا تُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا وَ أَمَّا الَّتِیْ لَکَ فَمَا عَمِلْتَ مِنْ شَیْءٍ أَوْ مِنْ عَمَلٍ وَفَّیْتُکَهُ. وَ أَمَّا الَّتِیْ فِیْمَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ فَمِنْکَ الدُّعَاءُ وَ عَلَیَّ الْإِجَابَةُ."

[ضعیف] (أخرجه البزار فی مسنده ج ١/ ١٩ کشف الأستار)

(۴۲۲) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے بیان کرتے ہیں، حق جل مجدہ فرماتا ہے: اے آدمؑ کی اولاد! ایک چیز تیرے لیے ایک میری ذات کے لیے اور ایک میرے اور تیرے درمیان منقسم ہے۔ جو محض میری ذات کے لیے ہے وہ تیری عبادت ہے، جس میں کسی کی شرکت تیری جانب سے مجھ کو گوارا نہیں، جو تیرے لیے ہے وہ تیرے وجود سے نکلا ہوا عمل، تیرے حرکات وسکنات ہیں جن کا پورا پورا بدلہ میں تجھ کو دوں گا اور جو تیرے اور میرے درمیان ہے، وہ تیری جانب سے دعاؤں کا مانگنا اور میرا کام قبول کرنا ہے۔

صفاتِ اربعہ کا متحمل انسان

(٤٢٣) ولأبی یعلی عن أنس رضی اللہ عنہ:

رفعه عن النبی ﷺ فیما یرویه عن ربه قال:

" أَرْبَعُ خِصَالٍ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ لِیْ وَ وَاحِدَةٌ لَکَ وَ وَاحِدَةٌ فِیْمَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ وَ وَاحِدَةٌ فِیْمَا بَیْنَکَ وَ بَیْنَ عِبَادِیْ. فَأَمَّا الَّتِیْ لِیْ: فَتَعْبُدُنِیْ لَا تُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا ، وَ أَمَّا الَّتِیْ لَکَ فَمَا عَمِلْتَ مِنْ خَیْرٍ جَزَیْتُکَ بِهِ، وَ أَمَّا الَّتِیْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ فَمِنْکَ الدُّعَاءُ وَ عَلَیَّ الْإِجَابَةُ، وَ أَمَّا الَّتِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَ عِبَادِیْ فَارْضَ لَهُمْ مَا تَرْضَی لِنَفْسِکَ."

[ضعیف] (کما فی المطالب العالیة ج٣/٣٢٨٦)

(۴۲۳) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، حق تعالیٰ نے فرمایا: چار عادتیں و خصلتیں ؛ جن میں سے ایک خاص میری ذات کے لیے ہے اور ایک خاص تیرے لیے ہے اور ایک میرے اور تیرے درمیان ہے اور ایک تیرے اور میرے بندوں کے درمیان ہے۔

وہ جو میری ذات کے لیے خاص ہے اور اس میں میرا کوئی شریک نہیں، وہ یہ ہے کہ تو میری عبادت کرے اور اس عبادت میں تو میرے علاوہ کسی کو ذرہ برابر بھی شریک نہ ٹھہرائے اور جو محض تیرے لیے مجھ پر ہے اور اس میں کوئی بھی شریک نہیں، وہ تیری نیکیاں ہیں، جس کا بدلہ میں تم کو دوں گا اور جو میرے اور تیرے درمیان میں ہے، وہ یہ ہے کہ تیرا کام دعا کرنا اور مجھ پر تیری دعاؤں کو قبول کرنا ہے اور جو تیرے اور میرے بندوں کے درمیان ہے، وہ یہ ہے کہ تو میرے بندوں کے لیے وہی پسند کر جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔

جمالی وکمالی صفاتِ اربعہ

حق جل مجدہ نے عظیم ترین ادب اورتربیتِ ظاہرو باطن کی نشان دہی فرمائی ہے:
عبادت صرف ایک اس ذات کی ہونی چاہیے جو مالک کائنات اور رب کائنات ہے۔اس میں شرکت کا تصور بھی ممکن نہیں؛ اس لیے ادنیٰ شرک بھی،ظلم عظیم ہے،خواہ ذات میں ہو یا صفات میں۔

دوسرے جس ذات کے لیے عبادت کی جاتی ہے اسی سے امیدِ اجر بھی ہونی چاہیے اور جب ایک عامل کی اجرت دوسرے عامل کو نہیں دی جاتی ،تو ’عبادت‘ جو اعلیٰ ترین ہے، اس کی اجرت، احکم الحاکمین کی عدالت عالیہ سے دوسروں کو بھلا کیسے ملے گی۔

تیسرے، دست سوال پھیلانا ہے؛ ہم ناقص ، ہماری تدبیریں ناقص، ہماری ذات اپنے وجود میں ذات حق کی محتاج، ہماری صفات ازاول تا آخر،سب خالق کی نعمتوں کی محتاج۔ یہاں تک کہ ہر لمحہ، ہر آن ،ایک ایک سانس کے ہم محتاج ؛ لہٰذا سوال لازمی ہے، بغیر مانگے نہ ذات کا مسئلہ حل ہوگا اور نہ ہی ہماری صفات کا۔

اب سوال یہ ہے کہ مانگیں اس سے جس کے خزانۂ غیب میں کمی نہیں اور جو خود کسی کا محتاج نہیں۔بادشاہ سے بھی مانگوتو وہ اپنی شہنشاہیئت کا ایک ایک لمحہ محتاج ہے اور محتاج کسی محتاج کے احتیاج کو ابدی طور پر دور کر ہی نہیں سکتا؛ کیوں کہ وہ اپنی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر سائل کو دے گا اور ذات حق ،اللہ الصمد! وہ بے نیاز ہے ”**وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ**“ وہ کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا”**وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ**“ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم سب فقیر ہو؛ لہٰذا بندہ کے سوال کو پورا کرنا،صرف ذات حق ہی کے لیے ممکن ہے۔حدیث میں ہے کہ: انسان سے مانگوتو وہ ناراض اور اللہ تعالیٰ سے مانگوتو وہ خوش! انسان سے نہ مانگوتو خوش! اللہ سے نہ مانگوتو ناراض! اللہ تعالیٰ اپنے دَر کا ہی سوالی رکھے! (آمین) لہٰذا بندے پر دعا کرنا ضروری اور حق جل مجدہ کا بندوں کی دعاؤں کو قبول کرنا۔وعدۂ حتمی ویقینی۔

چوتھا ادب یہ بتلایا گیا کہ: دیکھو! جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسرے

بندوں کے لیے پسند کرو! نفع ونقصان ہر دو کو انسان خوب اچھی طرح جانتا ہے اور اس کے حصول کی، یا دفع کی کوشش بھی کرتا ہے؛ مگر محض اپنی ذات کے لیے، حق تعالیٰ نے انسان کو ادب بتلایا کہ اپنے نفع ونقصان کو حیوان ودرندے بھی جانتے ہیں اور تم انسان ہو، کچھ تو خیال رکھو! بلکہ بعض حیوان اور چرند و پرند کو دیکھا گیا کہ خطرہ سے بچنے کے لیے ایک ایسی آواز لگائی کہ اپنے ہم جنس کو متنبہ کر دیا اور سبھی بچ گئے۔ خاص کر شکار کے موقع پر اس کا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک پرندہ اڑا اور اس نے آواز دی جس سے تمام پرندوں نے راہ فرار اختیار کر لی۔ اللہ اکبر! مگر انسان پر جب شہوت اور حرص کا بھوت سوار ہوتا ہے تو یہ درندوں سے بھی آگے نکلتا ہے۔ اور یہ نہیں دیکھتا کہ میرے اس عمل سے انسانیت سے تعلق رکھنے والوں کو کس قدر اذیت ہوگی، یہ معاملہ تو اسلام میں، کفار کے ساتھ بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے۔ اللہ ہمیں سمجھ دے! (آمین)

باب : لَأَقْطَعَنَّ أَمَلَ كُلِّ مُؤَمِّلٍ دُوْنِيْ بِالْإِيَاسِ

باب: دوسروں سے امید رکھنا محرومی کا سبب ہے

(٤٢٤) للديلمی عنه (أبی ذر رضی اللہ عنہ):

"يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : لَأَقْطَعَنَّ أَمَلَ كُلِّ مُؤَمِّلٍ دُوْنِي بِالْإِيَاسِ وَ لَأُلْبِسَنَّهُ ثَوْبَ الْمُذِلَّةِ بَيْنَ النَّاسِ، وَ لَأُنَحِيَنَّهُ مِنْ قُرْبِيْ، وَ لَأُبْعِدَنَّهُ مِنْ وَصَلِي، أَيُؤَمِّلُ عَبْدِيْ غَيْرِيْ فِي الشَّدَائِدِ وَ الشَّدَائِدُ بِيَدِيْ، وَ أَنَا الْحَيُّ الْكَرِيْمُ، وَ يَرْجُوْ غَيْرِيْ وَ بِيَدِيْ مَفَاتِيْحُ الْأَبْوَابِ، وَ بَابِيْ مَفْتُوْحٌ لِمَنْ دَعَانِيْ. مَنْ ذَا الَّذِيْ أَمَّلَنِيْ لِعَظِيْمِ نَوَائِبِهِ فَقَطَعْتُ بِهِ دُوْنَهَا! أَمْ مَنْ ذَا الَّذِيْ رَجَانِيْ لِعَظِيْمِ جُرْمِهِ فَقَطَعْتُ رَجَاءَهُ مِنِّيْ جَعَلْتُ آمَالَ عِبَادِيْ مُتَّصِلَةً بِيْ وَ مَلَأْتُ سَمَاوَاتِيْ مَنْ لَا يَمَلُّ تَسْبِيْحِيْ فَيَا بُؤْسًا لِلْقَانِطِيْنَ مِنْ رَحْمَتِيْ! وَ يَا شَقْوَةً لِمَنْ عَصَانِيْ وَ لَمْ يُرَاقِبْنِيْ. [ضعيف] (كما فی كنزالعمال ج ١٦/ ٤٣٧٥٥)

اللہ پاک سے امیدیں رکھنا اور غیروں سے مکمل ناامید ہونا کمالِ توحید وایمان ہے

(۴۲۴) ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ فرماتے ہیں: لوگو! میرے سوا دوسرے سے جو بھی کوئی امید رکھے، میں اس کی امید کو مایوسی کے ذریعہ توڑ دوں گا اور برسرعام اس کو ذلت کا لبادہ پہنا دوں گا اور اپنے ذات حق سے قریب نہیں ہونے دوں گا اور اپنے وصل سے دور کردوں گا۔ کیا میرا بندہ ہوکر غیروں سے امیدیں لگاتا ہے جبکہ میں حیّ کریم ہوں۔ دوسروں سے تمنائیں کرتا ہے جب کہ ہر مشکل کے آسان کرنے کی چابی میرے پاس ہے اور میرا دروازہ ہر وقت اس شخص کے لیے کھلا ہے جو مجھ کو ہی پکارے۔ کون ہے جس نے اپنے سخت ترین، مشکل حالات میں مجھ سے امیدیں لگائیں ہوں اور میں نے اس کی حاجت روائی نہ کی ہو۔ کون ہے جس نے بڑی سے بڑی معصیت وجرم کا ارتکاب کرنے کے بعد میری مغفرت کی امیدیں لگائیں ہوں اور میں نے اس کو تمنائے مغفرت و رحمت سے مایوس کیا ہو۔ میں تو اپنے بندوں کی امیدوں، تمناؤں، آرزوؤں، خواہشوں کو اپنی ذات سے جوڑے ہوا ہوں۔ (کہ بندہ خواہش ظاہر کرتا ہے اور میں اس کی بھلائی کے ساتھ تدبیریں کرتا رہتا ہوں، کبھی بعینہٖ اس کی مراد پوری کرتا ہوں، کبھی اس کی خواہش کو پوری نہ کر کے بڑی آفت و بلا کو ٹال دیتا ہوں، کبھی خواہش سے اچھی چیز دے دیتا ہوں، کبھی اس کے لیے اس کا بدلہ عالم آخرت میں دینا طے کرتا ہوں؛ دیتا ہوں ضرور مگر بندہ کی مصلحت کو دیکھ کر، کہ مانگنے والے کو خود ہی پتہ نہیں ہوتا کہ یہ مل کر مجھ کو کیا نقصان ہوگا، اس لیے مجھ سے مایوس نہ ہوا کرو۔) میں نے تمام آسمانوں کو نعمتوں سے بھر دیا ہے، اس شخص کے لیے جو مانگنے سے نہ تھکے، میری تسبیح سے نہ اکتائے، میری ذات کی طرف توجہ رکھنے سے نہ گھبرائے۔ افسوس حیرانی و پریشانی ہے اس شخص کے لیے جو میری رحمت سے ناامید ہو، افسوس بدبختی و بدنصیبی ہے اس شخص کے لیے جو میری نافرمانی کرے اور مجھ کو اپنا نگہبان اور احوال سے باخبر نہ جانے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی حاجتوں کو اپنی ذات سے وابستہ رکھا ہے

اس حدیث قدسی میں حق جل مجدہ نے اپنے بندوں کو ہدایت دی ہے کہ اپنی تمام امیدیں، تمنائیں، آرزوئیں صرف اور صرف ذات حق **بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ، بِیَدِہٖ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٍ** سے مستحکم و مضبوط کرلیں۔ اپنا تعلق باقی سے کرلیں فانی سے نہ رکھیں، ورنہ خالق کل شئی **فعال لما یرید** تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ذلیل ورسوا کردے گا۔ مقام عزت میں ذلت اور راحت وطمانیت کو نقمت ولعنت میں بدل کر زندگی پریشان کن اور تلخ بنادے گا، لہٰذا اپنی ظاہری و باطنی دینی ودنیوی تمام حاجتیں اس رب کریم کے سامنے پیش کریں جس کے خزانہ رحمت میں سب کچھ بدرجۂ اتم واکمل موجود ہے۔ غیروں سے وابستگی اس قدر جرم ہے کہ مقام قرب وصل جو مومنین کاملین کا اصل مایہ زندگی ہے حق جل مجدہ اس عظیم نعمت سے اس کو دور رکھتے ہیں اور پھر شکایت کررہے ہیں کہ تم اپنی ضرورتوں، حاجتوں کو غیروں سے بیان کرتے ہو جب کہ میں حی وکریم ہوں، امیدیں اور حاجات انسانی کی تکمیل کے لیے میرے خزانہ غیب میں ہر حاجت روائی کے لیے اس کا حل وافی وشافی موجود ہے، ہر مشکل کو دور کرنے کی چابی میرے پاس ہے، میں نے اپنے بندوں کی حاجتوں کو اپنی ذات سے وابستہ کیا ہے، غیروں کو اپنے بندوں کا حاجت روا بنایا ہی نہیں، لہٰذا میرے بندے میرے بن کر رہیں۔

بندوں کی حاجتیں حق تعالیٰ سے جڑی ہوئی ہیں

حق جل مجدہ اپنے بندوں کو قریب سے اقرب کرنے کے لیے فرمارہے ہیں کہ میرا دروازہ بلا امتیاز ذاکر وغافل، مطیع وعاصی، شقی وسعید، اپنے بیگانے سبھی کے لیے ہر وقت کھلا ہوا ہے، کوئی پکار کر تو مجھ کو دیکھے، ہے کوئی ایسا جس نے مجھ کو پکارا ہو اور میں نے اس کی پکار پر لبیک نہ کہا ہو، ہے کوئی جس نے فریاد کی ہو اور میں نے اس کی دادرسی نہ کی ہو، ہے کوئی جس سے مشکلات اور سخت ترین حالات میں مجھ سے وابستگی رکھی ہو اور میں نے اس کی

منزل کو آسان نہ کیا ہو۔اور ہے کوئی جس نے اپنی نافرمانیوں سے میری انتہا نہ کردی ہو اور پھر امید عفو وکرم کے ساتھ میرے در پہ آیا ہو، اور میں نے اس کو واپس کردیا ہو، دن رات نہ معلوم کتنے عادی مجرم باب رحمت پر دستک دے کر مغفرت کا پروانہ حاصل کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے بندوں کی آرزؤں کو، امیدوں کو، تمناؤں کو، اپنی ذات سے وابستہ رکھا ہوا ہے، اپنے بندوں کا حاجت روا میں خود ہوں، اور میں نے تمام آسمانوں کو اپنی بے نیازی کی تسبیح سے پُر کیا ہوا ہے۔ بدنصیبی وحرماں نصیبی ہے اس شخص کے لیے جو میری رحمت سے مایوس ہو رہا ہے۔ جبکہ میری رحمت وسیع ہے، اور بدبختی ہے اس شخص کے لیے جو میری نافرمانی کرتا ہے، جبکہ اللہ پاک کی نگاہ حراست میں پھر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معیت کا استحضار عطا فرمائے آمین!

باب: لَمَّا نَزَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ
﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ﴾
باب: جب رسول اللہ ﷺ پر لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ نازل ہوئی

(٤٢٥) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال:

"لَمَّا نَزَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ:

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ وَ إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (البقره: ٢٨٤)

قَالَ: فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلٰی أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ بَرَكُوا عَلَی الرُّكَبِ فَقَالُوْا: أَيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ! كُلِّفْنَا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا نُطِيْقُ: اَلصَّلَاةَ وَ الصِّيَامَ وَ الْجِهَادَ وَ الصَّدَقَةَ وَ قَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيْكَ هٰذِهِ الْآيَةَ وَ لَا نُطِيْقُهَا. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

أَ تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَقُوْلُوْا كَمَا قَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ مِنْ قَبلِكُمْ : سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا؟ بَلْ قُوْلُوْا: سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ إِلَيْکَ الْمَصِيْرُ.

قَالُوْا: سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ إِلَيْکَ الْمَصِيْرُ. فَلَمَّا اقْتَرَأَهَا الْقَوْمُ ذُلَّتْ بِهَا أَلْسِنَتُهُمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْ إِثْرِهَا.

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوا سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ إِلَيْکَ الْمَصِيْرُ. (البقره: ٢٨٥)

فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِکَ نَسَخَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفساً إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾

(قَالَ: نَعَمْ)

﴿رَبَّنَا وَ لَا تَحمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾

(قَالَ :نَعَمْ)

﴿رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾

(قَالَ :نَعَمْ)

﴿وَاعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْلَنَا وَ ارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقره: ٢٨٦)

(قَالَ :نَعَمْ)"

[صحيح] (أخرجه مسلم ج ١ ص١١٥)

حق تعالیٰ کے علم، قدرت اور ملک کا کمال

(۴۲۵) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ پر آیت:

﴿لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْأَرْضِ وَ إِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاءُ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (البقرہ: ۲۸۴)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے، حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے (پھر بجز کفر و شرک کے) جس کے لیے منظور ہوگا بخش دیں گے اور جس کو منظور ہوگا سزا دیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر شیئ پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔)

تک نازل ہوئی۔ تو اصحاب رسول اللہ ﷺ کو سخت فکر و غم لاحق ہوگیا۔ سب کے سب نبی کریم ﷺ کے پاس آکر گھٹنے کے بل بیٹھ گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم کو مکلّف بنایا گیا ان اعمال کا جن کی ہمیں استطاعت وقدرت ہے۔ روزہ، نماز، جہاد، صدقہ اور آپ پر یہ آیت نازل ہوئی (کہ دل کی چھپی ہوئی باتوں پر بھی ہمارا مواخذہ و پکڑ ہوگا جس پر ہمارا کوئی دخل نہیں) تو ہم اس کی قدرت نہیں رکھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح اہل کتاب نے آپ سے پہلے کہا تھا، کہ ہم نے سن لیا مگر مانیں گے نہیں۔ تم بھی یہی کہو۔ نہیں! تم لوگ تو کہو سَمِعْنَا ہم نے سنا وَ اَطَعْنَا اور خوشی سے مانا۔ غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پالنہار! اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔

صحابہؓ نے بیک زبان کہنا شروع کردیا۔

سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ إِلَیْکَ الْمَصِیْرُ. سب لوگ اس کو پڑھنے لگے، یہاں تک کہ ان کی زبانیں خشک ہوگئیں۔ تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَیْهِ مِن رَّبِّهِ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ

مَـلٰـئِـكَتِـهٖ وَ كُتُبِـهٖ وَ رُسُـلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوا سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ إِلَيْكَ الْمَصِيْر .

اعتقاد رکھتے ہیں رسول (ﷺ) اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کہ ہم اس کے سب پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور خوشی سے مانا ،ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔

جب مذکورہ آیت آمن الرسول سے غفرانک ربنا والیک المصیر تک پڑھا (گویا کہ امر وحکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو پھر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا مگر اس کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو، اس کو ثواب بھی اسی کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے، اے ہمارے رب ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: نعم ہاں میں نے وہ قبول کرلیا جو تم نے کہا۔

﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾

اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: نعم ہاں میں نے وہ قبول کرلیا جو تم نے کہا۔

﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾

اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار (دنیا یا آخرت کا) نہ ڈالیے جس کی ہم کو سہار نہ ہو۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **نعم** ہاں میں نے وہ قبول کرلیا جو تم نے کہا۔

﴿وَ اعۡفُ عَنَّا وَ اغۡفِرۡ لَنَا وَ ارۡحَمۡنَا اَنۡتَ مَوۡلٰنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ﴾

اور درگذر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر آپ ہمارے کارساز ہیں (اور کارساز طرفدار ہوتا ہے) سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **نعم** ہاں میں نے وہ قبول کرلیا جو تم نے کہا۔(اخرجہ مسلم ۱/ ۱۱۵)

جب ثابت ہو چکا کہ رذائلِ نفس کا مواخذہ اعمال بدنیہ کے مواخذہ سے زیادہ سخت ہے اور طاقت سے زیادہ آدمی مکلّف نہیں ہے گو اگر بندہ اپنی امکانی کوشش کرے اور مجاہدہ نفسانی کے ذریعہ امراض نفسانی کو دور کرنے کی جدوجہد کو کام میں لائے اور خواہش نفس کے پیچھے نہ پڑ جائے اور رذائل نفس کو دور کرنے کے لیے فقراء کے دامن سے وابستہ ہو جائے تو امید ہے کہ اللہ اس کے اندرونی معاصی معاف فرمادے گا مواخذہ نہ کرے گا، کیونکہ طاقت سے زیادہ بندہ مکلّف نہیں اور ممنوعات الٰہی پر کار بند ہونے کی وہ امکانی کوشش کر چکا، لیکن جو شخص اپنے اندرونی عیوب کی طرف توجہ ہی نہ کرے اور رذائل نفس کو دور کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو، وہ یقیناً دوزخ میں جائے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقراء کے دامن سے وابستہ ہونا ایسا ہی فرض ہے جیسے کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے احکام کو سیکھنا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: میں نے تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑی ہیں، ایک کتاب اللہ دوسری اپنی آل، پس اللہ کی کتاب کو استنباط احکام درسی اعمال، نصیحت پذیری، اور مدارج قرب کی ترقی کے لیے پکڑنا ضروری ہے اور مرضی مولیٰ کے مطابق باطن کی صفائی اور نفس کے تزکیہ کے لیے آلِ رسول ﷺ کے دامن سے وابستہ ہونا بھی لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت میں مومن کی پردہ پوشی کرے گا

ایک حدیث میں ہے کہ ہم طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے حضور ﷺ سے سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایمان والے کو اپنے پاس بلالے گا، یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا پھر اس سے کہے گا بتا تو نے فلاں فلاں گناہ کیا، فلاں دن فلاں گناہ کیا؟ وہ غریب اقرار کرتا جائے گا، جب بہت سے گناہوں کا اقرار کرلے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا سن! دنیا میں بھی میں نے تیرے ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن میں ان تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہوں، اب اس سے اس کی نیکیوں کا صحیفہ اس کے داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا، ہاں البتہ کفار و منافق کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا، ان کے گناہ ظاہر کیے جائیں گے اور پکارا جائے گا کہ یہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، ان ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار رہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا حضرت عائشہؓ سے سوال

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب سے میں نے آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں پوچھا ہے تب سے لے کر آج تک مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا، آج تو نے پوچھا ہے، سن! اس سے مراد بندے کو تکلیفیں مثلاً بخار وغیرہ تکلیفیں پہنچنا ہے، یہاں تک کہ مثلاً ایک جیب نقدی رکھی ہے اور خیال رہا کہ اس کی دوسری جیب میں ہے ہاتھ ڈالا نہیں نکلی دل پر چوٹ سی پڑی پھر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا وہاں سے مل گئی، اس پر بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح خالص سرخ سونا ہو۔ (ترمذی)۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیت کے نزول پر صحابہؓ کی حالت

بخاری ومسلم اورامام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اورمسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْتُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰه نازل ہوئی تو صحابہؓ پر یہ بات بہت شاق گزری اور دوزانو بیٹھ کر انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نماز، روزہ، جہاد اورخیرات کا حکم دیا گیا تھا اس کو ادا کرنے کی ہم میں طاقت تھی، لیکن اب آپ پر آیت نازل ہوئی اس کو برداشت کرنے کی تو ہم میں طاقت نہیں (ہم نفسانی اورقلبی خطرات پر کس طرح قابو پاسکتے ہیں اور کس طرح محاسبہ سے بچ سکتے ہیں) حضور اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کیا تم وہ بات کہنی چاہتے ہو جوتم سے پہلے دونوں کتابوں والوں نے کہی تھی، انھوں نے کہا تھا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا نہیں ایسا نہ کہو بلکہ یوں کہو ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ إِلَيْکَ الْمَصِيْرُ﴾ حسب الحکم لوگ یہ آیت پڑھنے لگے جب زبانوں پر یہ الفاظ خوب رواں ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

رسول اللہ ﷺ اورمومن ان آیات پر ایمان رکھتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے رب کی طرف سے ان پر اتاری گئی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آیت: وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْتُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰه الخ کے نزول کے بعد شاید صحابہؓ یہ سمجھے کہ خطرات نفس وساوس کا بھی اللہ محاسبہ فرمائے گا، یا انکسار نفس کی وجہ سے انھوں نے نفسانی گناہوں کے ساتھ اپنے کو آلودہ قرار دیا اس لیے آیت کی حکم آمیز اطلاع ان پر شاق گزری، آخر رسول اللہ ﷺ نے تسلیم ورضا اور توکل کا راستہ ان کو بتایا کیونکہ یہ نفوس مطمئنہ کی ہی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کا ازالہ کردیا کہ خطرات پر بھی محاسبہ ہوگا اوران کو تسلی دی کہ تمہارے ایمان سچے ہیں تمہاری نیتیں درست ہیں تمہارے نفس پاکیزہ ہیں اور دل صاف ہیں رذائل نفس کا زوال ایمان کا مقتضا ہے اوراللہ نے ان کے مومن ہونے کی

شہادت آیت مذکورہ میں دی ہے تو گویا رذائل نفسانی سے ان کے نفوس کو پاک اور دلوں کو صاف قرار دیا ہے کیونکہ کامل ایمان حقیقی اسی وقت ہوتا ہے جب نفس اور رذائل نفس بالکل فنا ہو جائیں اور آیت میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہی ہے۔

حضور پُرنور ﷺ نے انتظار وحی میں از خود آیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کو ادب کی تعلیم اور تلقین فرمائی۔ صحابہؓ نے فوراً ہی سمعنا اور اطعنا کہا اور کلمات ایمان دل وجان سے کہے، اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کی یہ بات پسند آئی۔ اس پر آئندہ آیتیں یعنی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ نازل ہوئی، جس میں اول کی دو آیتوں میں صحابہؓ کی مدح اتری اور تفصیل کے ساتھ ان کی اطاعت کو بیان فرمایا تاکہ ان کے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عشاق محبین کے دلوں میں جو خلجان اور اضطراب ہو وہ دور ہو جائے اور پھر ان کی اس مدح کے بعد ان کے اس خلجان اور اشکال کا جواب جو ان کو پیش آیا تھا، لَایُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا الخ سے ذکر فرمایا کہ جو چیز بندہ کی طاقت اور اختیار سے باہر ہے بندہ اس کا مکلّف نہیں، لہٰذا دل میں جو گناہ کا خیال اور خطرہ آجائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، جب تک خود اپنے اختیار اور ارادہ سے اس پر عمل نہ کرے یا زبان سے اس کا تکلم اور تلفظ نہ کرے۔ اور علی ہذا بھول چوک پر بھی کوئی مواخذہ نہیں، البتہ جو باتیں بندہ کی قدرت اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا۔

خطا اور نسیان پر مواخذہ

اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ خطا اور نسیان پر مواخذہ عقلاً وشرعاً ممتنع نہیں، نشہ آور چیزوں کے استعمال سے غیر اختیاری طور پر افعال کا صدور ہوتا ہے، مگر عقلاً وشرعاً شراب پینے والا مواخذہ سے بری نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ یہ افعال اگرچہ غیر اختیاری ہیں مگر ان غیر اختیاری افعال کا سبب تو فعل اختیاری ہے یعنی نشہ آور چیز کا استعمال۔ اس شخص نے اپنے اختیار کے بے محل استعمال سے حفاظت کیوں نہیں کی اس لیے قابلِ مواخذہ ہے۔ نسیان اگرچہ بالذات غیر اختیاری ہے مگر اس کا سبب عموماً اختیار ہوتا ہے، اسی وجہ سے

بسا اوقات بھولنے والے پر لا اُبالیت اور بے پروائی کا الزام عائد کرتے ہیں، اور خطا کار پر سہل انگاری اور بے احتیاطی اور بے توجہی کا الزام رکھتے ہیں، عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

لا تؤاخذنا ان نسینا شدہ گواہ — کہ بود نسیاں بوجہے ہم گناہ
زانکہ استکمال تعظیم او نکرد — ورنہ نسیاں در نیاوردے نبرد

(معارف کاندھلویؒ)

اخفاءِ شہادت کا خیال

شعبیؒ اور عکرمہؒ نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اخفاء شہادت کا جو خیال تمہارے دلوں کے اندر ہوگا اس کو ظاہر کرو یا نہ کرو، اللہ اس کی حساب فہمی کرے گا۔

غیر مادّی مخلوقات

بکثرت ممکنات غیر مادی ہیں انسانوں کی روحیں ملائکہ وغیرہ سب مادہ سے خالی ہیں، اہل دل واقف ہیں کہ قلب روح سر خفی اخفیٰ تمام کے تمام غیر مادی ہیں اللہ ہی اپنی مخلوق سے واقف ہے کہ کتنی ہے۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔

بغیر حساب جنت میں جانے والے

رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار شخص ہوں گے اور پھر میرے رب کے تین لپ بھر بھی بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ (رواہ احمد ترمذی وابن ماجہ)

حضرت اسماءؓ بنت یزید کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا پھر ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے تھے کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے مگر وہ تھوڑے

ہوں گے، ان کو جنت میں بلاحساب داخل کردیا جائے گا پھر باقی لوگوں کوحساب کے لیے جانے کا حکم ہوگا۔ (رواه البیهقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے ہوں گے، شگون نہیں لیتے ہوں گے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہوں گے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عباسؓ سے ایک طویل حدیث میں اسی طرح مروی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کی رفتار عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاحساب جنت میں جانے والے اہل تصوف ہی ہوں گے جو اللہ کے عاشق ہیں کیونکہ آیت:

﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْ اَنْفُسِكُمْ﴾ میں اللہ نے حساب فہمی کو نفسانی گناہوں سے متعلق فرمایا ہے اس آیت میں اظہار اور اخفا دونوں کو محاسبہ کے لیے مساوی قرار دیا ہے جیسے آیت ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ میں استغفار اور عدم استغفار کو مساوی قرار دیا ہے۔ حساب فہمی اگرچہ اعمالِ اعضاء کی بھی ہوگی کچھ نفسانی گناہوں کی ہی خصوصیت نہیں ہے لیکن اعمال کے مقابلہ میں نفسانی رذائل شدید ترین ہوتے ہیں ان کی بدی زیادہ ہے جسمانی گناہ بھی انہی سے پیدا ہوتے ہیں، تزکیۂ نفس اور جلاء قلب کے بعد گناہوں کا ارتکاب بہت ہی کم ہوتا ہے اس لیے صرف باطنی گناہوں کے حساب فہمی کا ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدن کے اندر ایک ایسی بوٹی ہے کہ جب وہ درست ہوتی ہے تو سارا بدن درست ہوجاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے۔

تمام آلودگیوں سے قلب کی صفائی اور نفس کے پاکیزہ و مطمئن ہونے کے بعد بھی آدمی سے کبھی گناہ کا صدور ہوجاتا ہے تو اس کو فوراً ندامت ہوتی ہے اور توبہ کرلیتا ہے اس

طرح اس کی بدیاں نیکیوں سے بدل جاتی ہیں، اللہ غفور رحیم ہے اس کو معاف کر دیتا ہے، حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوع روایت ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہوجاتا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی)

شرح السنۃ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث آئی ہے کہ پشیمانی توبہ ہے، صوفیہ ہی وہ لوگ ہیں جن کو حدیث مبارک میں فقراء مؤمنین کے نام سے ذکر کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت کے دروازہ کی زنجیر کو ہلانے والا سب سے پہلے میں ہی ہوں گا۔ اللہ جنت کا دروازہ سب سے پہلے میرے لیے کھول دے گا اور مجھے اندر داخل فرمائے گا۔ اس وقت میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور میرا یہ کلام بطور فخر نہیں ہے۔

فقیر وہی ہوتا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو صوفیہ کے پاس بھی کچھ نہیں ہوتا، نہ اپنا وجود نہ متعلقات وجود وہ اپنی ہستی، مرضی مولیٰ کے حصول کے لیے وقف کر دیتے ہیں، امراضِ نفسانیہ اور باطنی گناہ تو ان سے بالکل ہی سلب ہوجاتے ہیں۔ وجود اور کمالات ہستی ان کے پاس ضرور ہوتے ہیں مگر وہ ان کمالات کو اللہ کی امانت اور ودیعت سمجھتے ہیں اور ہر کمال کو اللہ کی عطاء جانتے ہیں۔ ہر نیکی کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں گویا اپنی ذات کو نیکی سے متصف ہی نہیں کرتے اور نہ کسی اچھے کام کا صدور اپنی ذات سے جانتے ہیں اسی لیے کسی اچھے کام سے ان کے اندر نہ غرور پیدا ہوتا ہے نہ فخر نہ الوہیت باطلہ کا کوئی شائبہ۔ حدیث مذکور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ستر ہزار کا داخلہ بتایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے، غالباً اول ستر ہزار سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد وہ لوگ ہیں جو بجائے خود شامل ہونے کے بعد دوسرے کاملوں کے لیے رہنما ہوتے ہیں جیسے انبیاء اور بہت سے اولیاء مرشدین، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایسے ستر ہزار علماء راسخین اور اولیاء صالحین اور صدیقین ہوں گے، جن کے لیے اول گروہ، راہنما اور مرشد ہوتا ہے، اول گروہ کامل گروہوں کا ہے۔ اور دوسرا کاملوں کا، رہا اللہ کے تین لپ بھر لوگوں کو داخلہ تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد کثرت ہے، ورنہ اللہ کے لپ کا نہ کوئی مفہوم ہے نہ لپوں کی تعداد

کا) اللہ کے تو ایک لپ میں اول آخر سارا جہان آجاتا ہے (تین لپ کا کیا معنی) قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں اور تمام آسمان لپیٹے لپٹائے اس کے دست قدرت میں ہوں گے پس غالبًا تین لپ فرمانے سے انسانوں کی تین قسمیں مراد ہیں۔ ایک گروہ وہ جنھوں نے راہ حق میں اپنی جانیں دیدیں یعنی شہدا، دوسرا وہ جنھوں نے مرضی مولیٰ کی طلب میں اپنی عمریں اس کی اطاعت میں صرف کردیں۔ یہ گروہ ان باصفا مریدوں کا ہے جو مذکورہ بالا مکملین وکاملین کے دامن سے وابستہ ہے۔ تیسرا گروہ جنھوں نے مرضی مولیٰ حاصل کرنے کے لیے اپنے مال خرچ کیے یہ گروہ اول اور دوسرے نمبر کے گروہ کے درجہ تک تو نہ پہنچ سکا مگر ان کی راہ پر چلنے والا ضرور ہے، پس یہی تین گروہ اللہ کے تین لپوں میں ہوں گے، اور ہر لپ بھر کر اللہ ایک ایک گروہ کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ ربّ پر ہی بھروسہ رکھنا صوفیہ کی باطنی صفت ہے اور راتوں کو ذکر وعبادت کے لیے بستروں سے پہلو الگ رکھنا ظاہری علامت ہے۔

آخری دو آیتوں کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس شخص نے رات میں دو آیتیں پڑھ لیں تو یہ اس کے لیے کافی ہیں، اور ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے دو آیتیں جنت کے خزائن میں سے نازل فرمائی، جس کو تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا جو شخص ان کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لے تو وہ اس کے قیام اللیل یعنی تہجد کے قائم مقام ہوجاتی ہیں اور مستدرک حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے سورہ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے، جو مجھے اس خزانہ خاص سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے، اسی لیے تم خاص طور پر ان آیتوں کو سیکھو اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ، اسی لیے حضرت فاروق اعظمؓ اور علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ کوئی آدمی جس کو کچھ بھی عقل نہ ہو بقرہ کی ان دونوں آیتوں کو پڑھے بغیر نہ سوئے گا۔

پوشیدہ چیزوں کا جائزہ لیا جائے گا

اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ قیامت کے روز فرمائے گا کہ یہ وہ ہے جس میں پوشیدہ چیزوں کا جائزہ لیا جائے گا، اور دلوں کے پوشیدہ راز کھولے جائیں گے، اور یہ کہ میرے کاتب اعمال فرشتوں نے تو تمہارے صرف وہ اعمال لکھے ہیں جو ظاہر تھے، اور میں ان چیزوں کو بھی جانتا ہوں جن پر فرشتوں کو اطلاع نہیں، اور نہ انھوں نے وہ چیزیں تمہارے نامہ اعمال میں لکھی ہیں، اور اب وہ سب تمہیں بتلاتا ہوں، اور ان پر محاسبہ کرتا ہوں، پھر جس کو چاہوں گا بخش دوں گا اور جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا، پھر مئومنین کو معاف کر دیا جائے گا اور کفار کو عذاب دیا جائے گا۔ (قرطبی)

اعمالِ ظاہرہ و باطنہ کا محاسبہ

اور تفسیر مظہری میں ہے کہ انسان پر جو اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیے گئے ہیں یا حرام کیے گئے ہیں وہ کچھ تو ظاہری اعضاء و جوارح سے متعلق ہیں، نماز روزہ، زکوٰۃ، حج اور تمام معاملات اسی قسم میں داخل ہیں اور کچھ اعمال واحکام وہ بھی ہیں جو انسان کے قلب اور باطن سے تعلق رکھتے ہیں، ایمان واعتقاد کے تمام مسائل تو اسی میں داخل ہیں، اور کفر وشرک جو سب سے زیادہ حرام وناجائز ہیں، ان کا تعلق بھی انسان کے قلب سے ہی ہے، اخلاق صالحہ تواضع ،صبر، قناعت، سخاوت، وغیرہ اسی طرح اخلاق رذیلہ کبر، حسد، بغض، حب دنیا، حرص وغیرہ یہ سب چیزیں ایک درجہ میں حرام قطعی ہیں، ان سب کا تعلق بھی انسان کے اعضاء و جوارح سے نہیں بلکہ دل سے اور باطن سے ہے۔

اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ کا حساب قیامت میں لیا جائے گا، اسی طرح اعمال باطنہ کا بھی حساب ہوگا، اور خطا پر مواخذہ ہوگا۔

اس سے مراد وہ سخت اعمال ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد تھے، کہ کپڑا پانی سے پاک نہ ہو، بلکہ کاٹنا یا جلانا پڑے، اور قتل کے بغیر توبہ قبول نہ ہو، یا مراد یہ ہے کہ دنیا میں ہم پر عذاب

نازل نہ کیا جائے جیسا کہ بنی اسرائیل کے اعمال بد پر کیا گیا، اور یہ سب دعائیں حق تعالیٰ نے قبول فرمانے کا اظہار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کر دیا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت شیخ سیّد نور محمد بدایونی

حضرت شیخ شہیدؒ نے اپنے شیخ سید نور محمد بدایونی رحمہ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب شیخ بدایونی کے پاس کھانا یا کچھ اور چیز ہدیہ میں آتی تھی تو شیخ بصیرت کی نظر سے اس پر غور کرتے تھے، اگر اس کے اندر کسی قسم کی تاریکی نظر نہ آئی تو خود کھا لیتے یا استعمال کر لیتے یا دوسرے کو دیدیتے اور کبھی ہدیہ میں آئے ہوئے کھانے کو زمین میں دفن کرا دیتے۔ کسی بے بصیرت شخص نے پوچھا، شیخ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، کسی دوسرے کو ہی کھلا دیا کریں، فرمایا: سبحان اللہ، اگر مسلمان کو کھانے میں زہر ملا نظر آ جائے اور وہ خود نہ کھائے تو کیا دوسرے کو کھانے کے لیے دینا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِسۡتَفۡتِ قَلۡبَکَ وَ اِنۡ اَفۡتَاکَ الۡمُفۡتُوۡنُ کا روئے خطاب انہی لوگوں کی طرف ہے یعنی چاہے مفتی تم کو فتویٰ دے چکے ہوں پھر بھی اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو، (اگر مفتیوں کے جائز قرار دینے کے باجود تمہارا دل اس کے جواز کی طرف راغب نہ ہو تو مت اختیار کرو)۔

خطا ونسیان معاف ہے

حدیث سے ثابت ہے اور اجماع بھی منعقد ہے کہ اس امت کی خطاء نسیان کو اللہ نے معاف فرما دیا ہے۔ ایسی صورت میں آیت میں جو دعا مذکور ہے اس کا ورد صرف طلب دوام اور شمار نعمت کے لیے رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ میری امت سے خطا ونسیان اور مجبوری کا مواخذہ اٹھا دیا اور اس کو اگر پڑھا جائے گا تو ضرور سیدھا راستہ اللہ دکھا دے گا اور دوسرے ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَا اِنۡ نَسِیۡنَا﴾ سے آخر سورۃ تک اگر پڑھا جائے گا تو اس کو اللہ قبول فرمائے گا۔ اور حسب دعا عطا کرے گا اور یہ دونوں نور صرف رسول اللہ ﷺ کو ہی عطا کیے گئے ہیں اسی لیے آپؐ کے بعد آپؐ کی امت بحیثیت مجموعی قیامت تک گمراہ نہ ہوگی۔

ایک گروہ حق پر قائم رہے گا

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایاہے کہ میری امت بحیثیت مجموعی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔دوسری حدیث صحیحین میں معاویہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا مدد نہ کرنے والے اس کو ضرر نہ پہنچاسکیں گے،اور نہ ان کی مخالفت کرنے والے نقصان پہنچاسکیں گے۔اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کا امر یعنی قیامت برپا ہونے کا حکم آجائے گا۔

سدرۃ المنتہیٰ پر عطاء کی گئی تین چیزیں

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب معراج میں لے جایا گیا اورآپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے،سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے،زمین سے چڑھنے والے اعمال بھی اسی جگہ تک پہنچتے ہیں لے لیے جاتے ہیں اور اوپر سے اترنے والے احکام بھی اسی جگہ تک پہنچتے اور لے لیے جاتے ہیں۔سدرۃ المنتہیٰ پر ہی وہ چیز چھائی ہوئی ہے جس کا ذکر آیت: ﴿اِذْ یَغْشٰی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی﴾ میں آیا ہے یعنی سنہری پتنگے۔ اس جگہ آپ کو تین چیزیں عطا ہوئیں: پانچ وقت کی نمازیں،سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیت، اورآپ ﷺ کی اُمت کے ان لوگوں کے کبائر کی معافی جو شرک نہیں کرتے۔(رواہ مسلم)

نماز،روزہ میں بھول کا ازالہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا جو نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنی بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے، بھول چوک کے عذر سے اجماعاً روز کی نماز کی قضاء ساقط نہیں، نماز میں سہو ہو جائے تو سجدہ سہو بالاجماع واجب ہے۔

قتلِ خطا

قتلِ خطا موجبِ کفارہ ہے اور میراث سے بھی اجماعاً محروم کر دیتا ہے۔

یہودیوں کو دیے گئے احکام

﴿كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا﴾، اللہ نے یہودیوں پر پچاس وقت کی نماز فرض کی تھی، اور زکوٰۃ میں ایک چوتھائی مال دینے کا حکم دیا تھا، ان کو یہ بھی حکم تھا کہ اگر کپڑے پر نجاست لگ جائے تو کپڑے کو کاٹ دیا جائے، اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جاتا تو صبح کو اس کے دروازہ پر لکھا ہوا پایا جاتا۔

بقرہ کی دو آیتیں

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۂ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں ہیں جو رات کو ان کو پڑھے گا (رات بھر کے لیے) وہ اس کے لیے کافی ہوں گی۔ (روۃ الائمۃ الستۃ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آسمان وزمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے اللہ نے ایک تحریر لکھ دی تھی جس میں سے دو آیات سورۂ بقرہ کے خاتمہ والی نازل فرمادیں جس گھر میں یہ دونوں آیات تین رات پڑھی جائیں تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ شیطان اس کے قریب آسکے۔ (رواہ البغوی)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنت کے خزانوں میں سے دو آیات نازل فرمائیں ان آیات کو مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا جو شخص عشاء کی نماز کے بعد ان کو پڑھ لے گا قیام شب کی جگہ یہ اس کے لیے کافی ہوں گی۔ (اخرجہ ابن عدی فی الکامل)

قرآن کا میزان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سورۃ جس میں بقرہ کا ذکر ہے میزان قرآن ہے، تم لوگ اس کو سیکھو، اس کا سیکھنا برکت ہے اور اسکا چھوڑ دینا باعث حسرت ہے، باطلین اس کی تاب نہیں لاسکتے۔ عرض کیا گیا باطلین کون

ہیں؟ فرمایا: جادوگر۔ (اخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، تفسیر مظہری)

وسوسہ معاف ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو وسوسے دل میں پیدا ہوتے ہیں جب تک ان پر عمل نہ ہو ان کو زبان سے نہ کہہ دیا جائے اللہ نے میری امت کو ان سے درگزر فرمایا ہے۔ (متفق علیہ، گلدستہ تفاسیر۔ ج۱، ص۴۵۶)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، عطاؒ اور اکثر اہل تفسیر کے نزدیک آیت: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِکُمْ میں خطرات نفس یعنی وسوسے مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

حق تعالیٰ علیم وخبیر ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں

(٤٢٦) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: لما نزلت هذه الآية:

﴿وَ إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (البقرة:٢٨٤)

قَالَ: دَخَلَ قُلُوْبَهُمْ مِنْهَا شَيْءٌ لَمْ يَدْخُلْ قُلُوْبَهُمْ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

قُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا وَ سَلَّمْنَا. قَالَ فَأَلْقَى اللّٰهُ الْإِيْمَانَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾

قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ

﴿رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾.

قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ.

﴿وَ اغْفِرْلَنَا وَ ارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا﴾. (البقرة:٢٨٦)

قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ."

[صحيح](أخرجه مسلم ج ١ ص١١٦)

(۴۲۶) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾

(یعنی) جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے، حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔

تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دل کو اس غم سے سخت فکر و رنج لاحق ہوگیا جو کسی اور سبب سے نہیں ہوسکتا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کو محسوس کر لیا تو فرمایا: سب کہو **سمعنا واطعنا وسلمنا** (ہم نے سن لیا اور خوشی سے مان لیا اور سر تسلیم خم کر دیا) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو خوب راسخ کر دیا اور آیت نازل ہوئی۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا، مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔

حق جل مجدہ نے فرمایا: میں نے قبول کر لیا اور تمہارے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔

﴿رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾.

اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔

حق جل مجدہ نے فرمایا: میں نے ایسا ہی کیا ہے۔

﴿وَ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا﴾

اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر، آپ ہمارے کارساز ہیں۔

(اخرجه مسلم ۱/ ۱۱۶)

اٰمَنَ الرَّسُولُ جب نازل ہوئی

(٤٢٧) عن ابن عباس ﷺ قال:

"لَمَّا نَزَلَتْ

﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ﴾

قَرَأَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا قَالَ:

﴿غُفْرَانَکَ رَبَّنَا﴾

قَالَ اللّٰه : قَدْ غَفَرْتُ لَکَ .قَالَ:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾.

قَالَ اللّٰهُ : لَا أُؤَاخِذُکَ. فَلَمَّا قَالَ:

﴿ وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾

قَالَ :لَا أَحْمِلُ عَلَيْكُمْ. فَلَمَّا قَالَ :

﴿وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾

قَالَ : لَا أُحَمِّلُكُمْ . فَلَمَّا قَالَ :

﴿وَ اعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْ لَنَا ﴾

قَالَ اللّٰهُ قَدْ عَفَوْتُ عَنْكُمْ وَ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. فَلَمَّا قَالَ :

﴿وَ ارْحَمْنَا﴾

قَالَ: قَدْ رَحِمْتُكُمْ . قَالَ :

﴿ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرة ٢٨٦)

قَالَ : قَدْ نَصَرْتُكُمْ."

[صحيح لغيره] (أخرجه أبوعوانه فی مسنده ج ١ ص٧٦)

(۴۲۷) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت نازل ہوئی۔

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ﴾

اعتقاد رکھتے ہیں رسول (ﷺ) اس چیز کا جوان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاوت کی، جب غُفْرَانَکَ رَبَّنَا پڑھا۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا یقیناً میں نے آپ کی مغفرت کردی۔ جب

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾۔ پڑھا۔

حق تعالیٰ نے فرمایا میں آپ کا مواخذہ وداروگیر نہیں کروں گا۔

جب ﴿وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا﴾

اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے، پڑھا۔

حق جل مجدہ نے فرمایا: تم پر سخت حکم نہیں بھیجوں گا۔

جب ﴿ وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾

اور ہم پر کوئی ایسا بار (دنیا وآخرت کا) نہ ڈالیے جس کی ہم کو سہار نہ ہو۔

حق تعالیٰ نے فرمایا: ایسا بار نہیں ڈالوں گا جس کی قدرت نہ ہو۔

جب ﴿وَ اعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْ لَنَا﴾

اور درگزر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو۔

حق جل مجدہ نے فرمایا: یقیناً میں نے تم کو معاف کردیا اور یقیناً میں نے تیری مغفرت کردی۔

جب وَ ارْحَمْنَا۔ (اور رحم کیجئے ہم پر)

حق تعالیٰ نے فرمایا اور رحم کردیا میں نے تم پر۔

جب ﴿ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾

سو آپ ہم کو کافروں پر غالب کردیجیے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا: میں نے کافروں پر تمہاری مدد کردی۔

(اخرجه ابوعوانه فی مسنده ۱/۷٦)

دو آیتیں جو جنت کے خزانہ سے نازل ہوئی ہیں

یہ تین آیتیں 'سنام القرآن' سورۂ بقرہ کی ہیں۔ یعنی قرآن کا سب سے بلند حصہ۔ سورۂ بقرہ کا نام حدیث میں 'سنام القرآن' آیا ہے۔ حق تعالیٰ نے واضح کردیا کہ انسان کے اعمال خواہ ظاہری ہوں یا باطنی، بندہ اپنے خالق سے چھپا نہیں سکتا اور قیامت کے دن اس کا باطنی اعمال پر اتنا ہی حساب ہوگا جتنا ظاہری پر اور جتنا ظاہری اعمال رب پر واضح ہے اتنا ہی باطنی اعمال اس پر روشن ہے۔ جس طرح بندہ دنیا کی عدالت میں مخفی اعمال سے بے خطر رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ممکن نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ علیم وخبیر ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، وہ رقیب وحفیظ بھی ہے۔ ذرہ ذرہ کا حساب چکتا لے گا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر سخت غم وفکر لاحق ہوگیا۔ حق تعالیٰ نے صحابہؓ کے اس غم کو دور کردیا اور اگلی دو آیتیں آمن الرسول سے نازل ہوئی۔ تفسیر کی کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے۔ مثلاً رات کو جو ان دو آیتوں کو پڑھے گا، تو یہ اس کے حق میں کافی ہیں۔ یہ دو آیتیں جنت کے خزانہ سے نازل ہوئی ہیں۔ جس کو تمام مخلوقات کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا۔ جو شخص بعد نماز عشاء ان کو پڑھ لے گا تو اس کے حق میں رات بھر عبادت کے برابر ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کو خاص خزانہ جو عرش کے نیچے ہے وہاں سے ملی ہے۔

ان دو آیتوں کو خود سیکھو، بچوں کو، عورتوں کو سکھلاؤ۔ فوائد عثمانی سے ہم بعینہٖ فائدہ نقل کردیتے ہیں۔ جو نہایت ہی اہم ہے اس سورت میں اصول وفروع عبادات ومعاملات جانی ومالی ہر قسم کے احکامات بہت کثرت سے مذکور فرمائے اور شاید اس سورت کے سنام القرآن فرمانے کی یہی وجہ ہو، اس لیے مناسب ہے کہ بندوں کو پوری تاکید وتہدید بھی ہر طرح سے فرمادی جائے تاکہ تعمیل احکام مذکورہ میں کوتاہی سے اجتناب کریں۔ سو اسی غرض

کے لیے آخر سورت میں احکام کو بیان فرما کر اس آیت کو بطور تہدید وتنبیہ ارشاد فرما کر تمام احکام مذکورہ سابقہ کی پابندی پر سب کو مجبور کر دیا اور طلاق ونکاح قصاص و زکوٰۃ بیع وربوٰ وغیرہ میں جو اکثر صاحب حیلوں اور اپنی ایجاد کردہ تدبیروں سے کام لیتے ہیں اور ناجائز امور کو جائز بنانے میں خودرائی اور سینہ زوری سے کام لیتے ہیں، ان کو بھی اس میں پوری تنبیہ ہوگئی۔

دیکھئے! جس کو ہم پر استحقاق عبادت حاصل ہوگا اس کو مالک ہونا چاہیے اور جو ہماری ظاہری اور مخفی تمام اشیاء کا محاسبہ کر سکے اس کو تمام امور کا علم ہونا ضروری ہے اور جو ہماری تمام چیزوں کا حساب لے سکے اور ہر ایک کے مقابلہ میں جزا وسزا دے سکے، اس کو تمام چیزوں پر قدرت ہونی ضروری ہے، سوانہی تین کمالات یعنی ملک، علم اور قدرت کو یہاں بیان فرمایا اور انہی کا آیۃ الکرسی میں ارشاد ہو چکا ہے، مطلب یہی ہے کہ ذات پاک سبحانہ تمام چیزوں کی مالک اور خالق اس کا علم سب کو محیط اس کی قدرت سب پر شامل ہے تو پھر اس کی نافرمانی کسی امر ظاہر یا مخفی میں کر کے بندہ کیونکر نجات پا سکتا ہے۔

پہلی آیت سے جب یہ معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو اس پر حضرات صحابہؓ گھبرائے اور ڈرے اور ان کو اتنا صدمہ ہوا کہ کسی آیت پر نہ ہوا تھا آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا **قولوا سمعنا و اطعنا** یعنی اشکال نظر آئے یا دقت مگر حق تعالیٰ کے ارشاد کی تسلیم میں ادنیٰ توقف بھی مت کرو اور سینہ ٹھوک کر **سمعنا و اطعنا** عرض کردو۔ آپ کے ارشاد کی تعمیل کی تو انشراح کے ساتھ یہ کلمات زبان پر بیساختہ جاری ہوگئے۔ مطلب ان کا یہ ہے کہ ہم ایمان لائے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کی یعنی اپنی دقت اور خلجان سب چھوڑ کر ارشاد کی تعمیل میں مستعدی اور آمادگی ظاہر کی۔ حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوئی تب یہ دونوں آیتیں اتریں، اول یعنی **آمن الرسول** اس میں رسول کریم ﷺ اور ان کے بعد صحابہؓ جن کو اشکال مذکور پیش آیا تھا ان کے ایمان کی حق سبحانہ نے تفصیل کے ساتھ مدح فرمائی، جس سے ان کے دلوں میں اطمینان ترقی پاوے اور خلجان

سابق زائل ہو اس کے بعد دوسری آیت لا یکلف اللّٰہ نفسًا الخ۔ میں فرمادیا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی۔ اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے۔ غرض صاف فرمادیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے بُرے کام کا خیال وخطرہ یا بھول چوک ان پر مواخذہ نہیں۔ ہاں جو باتیں بندہ کے ارادے اور اختیار میں ہے ان پر مواخذہ ہوگا۔ اب آیت سابقہ کو سن کر جو صدمہ ہوا تھا اس کے معنی بھی اسی پچھلے قاعدے کے موافق لینے چاہئیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خلجان مذکور کا اب ایسا قلع قمع ہو گیا کہ سبحان اللہ۔

اول آیت پر حضرات صحابہؓ کو بڑی پریشانی ہوئی تھی، ان کی تسلی کے لیے یہ دو آیتیں آمن الرسول الخ اور لا یکلف اللّٰہ نفسا الخ نازل ہوئیں اب اس کے بعد ربنا لا تواخذنا آخر سورت تک نازل فرما کر ایسا اطمینان دیا گیا کہ کسی صعوبت اور دشواری کا اندیشہ بھی باقی نہ چھوڑا کیونکہ جن دعاؤں کا ہم کو حکم ہوا ہے، ان کا مقصود یہ ہے کہ بیشک ہر طرح کا حق حکومت اور استحقاق عبادت تجھ کو ہم پر ثابت ہے۔ مگر اے ہمارے رب اپنی رحمت وکرم سے ہمارے لیے ایسے حکم بھیجے جائیں جن کے بجالانے میں ہم پر صعوبت اور بھاری مشقت نہ ہو، نہ بھول چوک میں پکڑے جائیں، نہ مثل پہلی امتوں کے ہم پر شدید حکم اتارے جائیں، نہ ہماری طاقت سے باہر کوئی حکم ہم پر مقرر ہو اس سہولت پر بھی ہم سے جو قصور ہو جائے اس سے درگذر اور معافی اور ہم پر رحم فرمایا جائے۔ حدیث میں ہے کہ یہ سب دعائیں مقبول ہوئیں اور جب اس دشواری کے بعد جو حضرات صحابہؓ کو پیش آچکی تھی، اللہ کی رحمت سے اب ہر ایک دشواری سے ہم کو امن مل گیا، تو اب اتنا اور بھی ہونا چاہیے کہ کفار پر ہم کو غلبہ عنایت ہو، ورنہ ان کی طرف سے مختلف دقتیں دینی اور دنیوی ہر طرح کی مزاحمتیں پیش آکر جس صعوبت سے اللہ اللہ کر کے اللہ کے فضل سے جان بچی تھی کفار کے غلبہ کی حالت میں پھر وہی کھٹکا موجب بے اطمینانی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی، ص۶۲)

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ط لَھَا مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ ط رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ج وَ اعْفُ عَنَّا ، وَ اغْفِرْ لَنَا ، وَ ارْحَمْنَا ، اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ﴾

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو، اس کو ثواب بھی اس کا ملے گا جو ارادہ کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر دار و گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔اے ہمارے پروردگار! ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے۔ جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔اے ہمارے رب! ہم کو کوئی ایسا بار (دنیا یا آخرت) نہ ڈالیے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور درگزر کیجیے ہم سے اور بخش دیجے ہم کو اور رحم کیجیے ہم پر، آپ ہمارے کارساز ہیں، آپ ہم کو کافروں پر غالب کیجیے۔

بیانِ اعذار میں حکمت

جیسے ایک شخص نمازی ہے، نماز کو ضروری سمجھتا ہے اس کی پابندی بھی کرتا ہے، وضو کو بھی ضروری سمجھتا ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ بیماری کی حالت میں بھی وضو کو ترک نہیں کرتا، وہاں ضرورت ہے اعذارِ شرعیہ بتلانے کی کہ ان اعذار سے وضو ساقط ہوکر تیمّم جائز ہوجاتا ہے۔ تطہیرِ ثیاب معاف ہوکر ناپاک کپڑوں ہی سے نماز درست ہوجاتی ہے، استقبالِ قبلہ معاف ہوکر جس طرح بھی نماز پڑھ سکے نماز صحیح ہے اور قیام پر قادر نہ ہو تو قعود سے اور قعود پر قدرت نہ ہو تو اضطجاع سے نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ایسے وقت میں بیان اعذار کی ضرورت کا راز یہ ہے کہ اگر ایسے شخص کو اعذار نہ بتلائے جائیں تو اس کو اعتقادی اور عملی تنگی پیش آئے گی۔اعتقادی تنگی تو یہ ہوگی کہ اس کو ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾ کے صدق

میں وسوسہ اور شبہ ہوگا جو کہ زوال یا ضعفِ ایمان کا سبب ہے اور عملی تنگی یہ پیش آئے گی کہ اگر اس کو تیمّم کا قاعدہ نہ بتلایا گیا تو وہ عذر کے وقت مجبور ہوکر وضوترک کرے گا اور چونکہ وضو کو شرط سمجھتا ہے اس لیے بے وضو نماز پڑھے گا نہیں یہ عملی تنگی ہے، پس ایسے شخص کے سلامت ایمان اور سلامت اعمال کے لیے ضروری ہے کہ اس کو اعذارِ شرعیہ کے احکام سے مطلع کیا جائے، اس سے اس کا ایمان یوں سلامت رہے گا کہ اس کو ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا﴾ کے صدق میں وسوسہ نہ ہوگا اور عمل یوں سلامت رہے گا کہ وہ کسی عذر کے وقت عمل کو فوت نہ کرے گا۔

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا ط لَھَا مَا کَسَبَتۡ وَ عَلَیۡھَا مَا اکۡتَسَبَتۡ﴾ اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں کرتے بلکہ ثواب و عذاب کا مدار کسب و اکتساب پر ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان اختیارات کا مکلّف ہے اور احوال اختیاری نہیں اس لیے ان کا مکلّف نہیں اور یہ بات اس آیت کے شانِ نزول سے زیادہ واضح ہوجائے گی کیونکہ اس کا نزول احوال کی تحقیق میں ہے۔ شانِ نزول اس آیت کا یہ ہے کہ جب آیت ﴿اِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ﴾ نازل ہوئی تو صحابہ اس سے ڈر گئے کیونکہ ﴿مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ﴾ بظاہر عام ہے وساوس غیر اختیاریہ وعزائم اختیاریہ سب کو تو صحابہؓ یہ سمجھے کہ شاید ان سب پر مواخذہ ہوگا اور اس خیال کا منشا صحابہؓ کی قلّت علم نہ تھا بلکہ اس کا منشا غلبہ عشق تھا جس کی شان یہ ہے ؎

با سایہ ترا نمی پسندم
عشق ست و ہزار بدگمانی

عاشق کو ضعیف احتمالات پر بھی بڑی فکر رہتی ہے ورنہ صحابہؓ قواعد سمعیہ وعقلیہ سے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُمورِ غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہ فرمائیں گے کیونکہ مقتضائے رحمت کے خلاف ہے مگر عشق و محبت کی وجہ سے خشیت کا غلبہ تھا۔ آیت میں عموم دیکھ کر ڈر گئے اور

حضور ﷺ سے اس کو عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم ﴿سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا﴾ کہنا چاہتے ہو۔ ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ کہو کہ ہم نے سن لیا اور ہم اطاعت کریں گے۔ صحابہؓ نے ادب سے کام لیا اور ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ کہا۔ گو زبان لڑکھڑاتی تھی کیونکہ اندیشہ تھا کہ وساوس غیر اختیاریہ میں شاید اس حکم کی تعمیل نہ ہو سکے مگر ادب کی وجہ سے اطاعت کا وعدہ کر ہی لیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا پسند آ گئی۔ اس پر ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے آخر سورۃ تک آیت نازل ہوئیں اور ادب کی برکت سے آیت کی تفسیر کر دی گئی۔ ادب بڑی چیز ہے۔ مولانا نے ادب کے متعلق قصہ لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور ان پر عتاب ہوا اور حضرت آدم نے ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا﴾ کہا اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو بعد میں ان سے پوچھا کہ اے آدم! خالق افعال تو میں ہوں تم نے ﴿ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا﴾ کیونکر کہاں؟ آدم علیہ السلام نے جواب دیا

لیک من پاس ادب نگزاشتم
گفت من ہم پاس آنت داشتم

اسی طرح حضور ﷺ نے بھی یہاں ادب سے کام لیا کہ خود اس آیت کی تفسیر نہ کی ورنہ آپ خود بھی تفسیر کر سکتے تھے مگر آپؐ نے وحی کا انتظار کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اوّل رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہؓ کی تعریف ہے کہ سب نے ایمان پر استقامت ظاہر کی اور ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ کہا اور جس کی کوتاہی کا اندیشہ تھا اس نے استغفار کیا ﴿غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ﴾ اس تعریف کے بعد آیتِ سابقہ کی تفسیر کی گئی ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ میں جس کا حاصل یہ ہے کہ مدارِ تکلیف کا صرف اختیار ہے اور خطرات اختیاری نہیں تو عبد اُن کا مکلّف بھی نہیں۔ اب اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ غیر اختیاری کا مکلّف تو نہ ہو مگر اس پر مواخذہ ہو جاوے، اس کا جواب آئندہ جملے میں ارشاد فرمایا گیا۔

امورِ غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہ ہوگا

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ کیونکہ کسب واکتساب کے معنی عمل بالاختیار کے ہیں اور ''لَهَا وَ عَلَيْهَا'' میں لام اور علی کا مدلول ثواب وعقاب ہے، پھر دونوں مجرور کو مقدم کیا گیا ہے جو مفیدِ حصر ہے۔ اس حصر سے معلوم ہوگیا کہ استحقاق ثواب و عقاب صرف امورِ اختیاریہ ہی پر ہے۔ پس آیتِ بالا کی تفسیر ہوگئی کہ مراد ﴿مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ﴾ سے اعمالِ اختیاریہ ہیں اور مسئلہ کا منصوص ہونا ثابت ہوگیا جس کا میں نے دعویٰ کیا تھا۔ اس مسئلے پر اپنے مقصود کی پھر تصریح کرتا ہوں کہ جب ثواب وعقاب کا مدار اختیار پر ہے اور مقصود عبد کا صرف حصولِ ثواب اور نجات عن العقاب ہے پھر غیر اختیاری کے فکر میں کیوں پڑے؟ یہاں ایک اور سوال کے جواب پر بھی متنبہ کرتا ہوں۔ وہ سوال یہ ہے کہ بعض مصائب ایسے آتے ہیں جو تحمل سے زیادہ ہوتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہاں تکلیف سے مراد تکلیفِ شرعی ہے، تکلیفِ تکوینی مراد نہیں، سو اس کی یہاں نفی نہیں، پس امورِ تکوینیہ میں فوقِ طاقت کا وقوع ہوسکتا ہے۔ شاید اس پر یہ سوال کہ جب تشریعات میں رحمت کی وجہ سے یہ قاعدہ ہے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ تو تکوینیات میں بھی رحمت کا مقتضی کیوں ظاہر ہوا؟ جواب یہ ہے کہ تکوینیات میں بوجہِ زیادت اجر کے فوقِ طاقت کا وقوع خلافِ رحمت نہیں۔ رہا یہ سوال کہ پھر تشریعیات میں بھی زیادتِ اجر کے لیے ایسا کیا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تشریع سے عمل مقصود ہے اور فوقِ طاقت کا صدور کیونکر ہوتا اور تکوینیات میں صدور اس کا فعل نہیں۔ ایک دوسری بات مطلوب ہے جو کہ وہ اختیاری ہے یعنی صبر کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت نہ کرے اور اس میں بھی اتنی توسیع ہے کہ حقیقی شکایت نہ کرے گو صورت شکایت ہوجائے تو وہ معاف ہے۔

بس شکایت حقیقی نہ ہونا چاہیے اور یہ امر اختیاری ہے اور تکوینیات میں انسان اسی کا مکلّف ہے۔ اس کے سوا کسی عمل وغیرہ کا مکلّف نہیں۔ پس تکوینیات میں فوق الطاقت کا وقوع جائز ہے اور تشریعیات میں ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہاں تکوینیات کے بارے میں آگے دعا

کی تعلیم ہے کہ فوق الطاقت مصائب سے بچنے کی بھی دعا مانگا کرو۔ چنانچہ ﴿رَبَّنَا وَ لَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا﴾ کے بعد جو کہ تشریعیات کے باب میں ہے، اس کا اضافہ بھی فرمایا گیا ﴿رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ ۔ ایک نکتہ اس مقام میں قابل غور یہ ہے کہ ﴿لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَ عَلَيۡهَا مَا اكۡتَسَبَتۡ﴾ میں دو عنوان کیوں اختیار کیے گئے حالانکہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَ لٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ﴾ اور ایک مقام پر ارشاد ہے ﴿لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَ لَكُمۡ مَا كَسَبۡتُمۡ﴾ ۔ ان جگہوں میں اکتساب نہیں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ اکتساب میں کسب سے زیادت ہے کیونکہ افتعال کی خاصیت تکلف ہے۔ اب خیر کے لیے کسب اور شر کے لیے اکتساب اختیار کرنے میں نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاصی کے لیے انسان کو اہتمام زیادہ کرنا پڑتا ہے، گو وقوع اس کا سہولت سے ہو جائے مگر اہتمام شر کے لیے زیادہ ہوتا ہے اور خیر کے لیے اس قدر اہتمام کی ضرورت نہیں کیونکہ انسان کی اصلی فطرت خیر ہے جیسا کہ حدیث "كُلُّ مَوۡلُوۡدٍ يُوۡلَدُ عَلَى الۡفِطۡرَةِ" سے معلوم ہوتا ہے اور فطریات کے لیے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی نیز خیر سے مانع کوئی قوی قوت انسان کے اندر نہیں رکھی گئی اور شر سے مانع ایک قوی قوت اس کے اندر موجود ہے یعنی عقل۔ عقل خود معاصی سے روکتی ہے، اسی لیے بعد معاصی کے انسان کو ندامت بے حد ہوتی ہے، اس لیے شر کے واسطے اکتساب فرمایا اور خیر کے لیے کسب اور جو حدیث میں ہے "حُفَّتِ الۡجَنَّةُ بِالۡمَكَارِهِ وَ حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ" وہ اس تقریر کے منافی نہیں کیونکہ شر میں فی نفسہٖ سہولت نہیں، ہاں عادت کے غلبے سے وہ سہل اور مرغوب ہو جاتی ہے اور خیر میں فی نفسہٖ دشواری نہیں، ہاں عادت نہ ہونے سے اس میں عارضی دشواری ہو جاتی ہے اور اسی درجہ کے لحاظ سے ان کو مکارہ کہا گیا ہے۔ اب کچھ اشکال نہ رہا۔ (میں کہتا ہوں کہ یہاں کسب و اکتساب میں تبدیل عنوان کی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خیر میں مطلق کسب پر اجر ملے گا خواہ اتفاقاً خیر کا صدور ہو جائے اور شر میں مطلق کسب پر عذاب نہیں بلکہ تعمد کسب پر مواخذہ ہوتا ہے۔ چنانچہ خطا و نسیان عفو ہے۔ واللہ اعلم)

ایک سوال و جواب یہاں حصر کے متعلق ہے جو 'لہا' اور 'علیہا' کی تقدیم سے حاصل ہوا ہے وہ یہ کہ اس حصر سے لازم آتا ہے کہ جیسے عقاب بلا کسب نہیں ہونا چاہیے کہ ثواب بھی بلا کسب نہ ہو حالانکہ ثواب کبھی بلا عمل محض فضل سے بھی مل جاتا ہے جیسا کہ نصوص میں وارد ہے۔ جواب یہ ہے کہ حصر باعتبار حصول کے نہیں بلکہ اعتبار استحقاق کے ہے یعنی استحقاق تو ثواب کا بھی بدونِ کسب نہیں گو عطا ہو جاوے اور اوپر میرے کلام میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ اے ہمارے رب! ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسا ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔ اے ہمارے رب! اور ہم کو کوئی ایسا بار نہ ڈالیے جس کی ہم کو سہار نہ ہو۔

جو چیزیں اس آیت میں مذکور ہیں یعنی نسیان اور خطا وغیرہ ان پر مواخذہ نہ ہونا اس کا لوگوں سے وعدہ ہو گیا تھا اور پہلی آیت یعنی ﴿اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں اگر تم ظاہر کرو گے یا کہ پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سب حساب لیں گے۔

بالمعنی العام منسوخ ہو گئی تھی نیز رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمادیا ہے کہ "رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَأُ وَ النِّسْیَانُ" میری اُمت سے خطا اور بھول معاف کردی گی۔

مگر پھر بھی یہ حکم ہوا کہ یوں ہی مانگے جاؤ اور یہ دعا تعلیم کی گئی تو بات یہ ہے کہ منسوخ ہونے کے قبل تو یہ سوال طلب کے لیے تھا کہ ہم سے یوں مانگا کرو، اب بطور شکر کے ہے کہ جیسے ہم ملنے سے پہلے محتاج تھے اب بھی محتاج ہیں۔

غیر اختیاری وساوس پر مواخذہ نہیں

ایک نکتہ اس مقام پر قابلِ حل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ﴿رَبَّـنَـا لَا تُـؤَاخِـذْنَـا اِنْ نَّسِيْـنَا اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ کی ہم کو تعلیم فرمائی ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ دعا قبول ہو چکی ہے، چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں ''رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَأُ وَ النِّسْيَانُ'' ۔اب سوال یہ ہوتا ہے کہ نسیان و خطا امر اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ ظاہر یہ ہے کہ غیر اختیاری ہے اور ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ الخ سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر اختیاری پر مواخذہ نہیں۔ پھر بعد رفع مواخذہ آئندہ کے لیے دعائے عدم مواخذہ کی تعلیم کے کیا معنی، جبکہ مواخذہ کا احتمال ہی نہیں؟ دوسرا اشکال یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے رفعِ خطا و نسیان اس اُمت کے ساتھ مخصوص ہے، جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ دوسری اُمتوں پر مواخذہ تھا اور یہ عقل کے خلاف ہے کہ دوسری اُمتوں کو تکلیف مالا یطاق دی گئی ہے۔ نیز نص ﴿لَا يُـكَـلِّفُ الـلّٰـهُ نَـفْسًـا﴾ میں نفس عام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشریعیات میں تکلیف لا یطاق کسی کو نہیں دی گئی اور عقل بھی عموم کو چاہتی ہے، اس کے جوابات علماء نے مختلف دیے ہیں مگر میرے ذہن میں جو جواب آیا ہے میں اس کو عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ خطرات و وساوس میں دو درجے ہیں، ایک درجہ حدوث کا ہے وہ تو غیر اختیاری ہے اور ایک درجہ بقاء کا ہے۔ یہ بعض اوقات اختیاری ہوتا مثلاً کسی اجنبیہ کا دل میں بلا قصد خیال آ گیا تو یہ غیر اختیاری ہے مگر اس وسوسہ کا کچھ دیر تک باقی رہنا یہ بعض اوقات اختیاری ہوتا ہے اور یہ بقاء کبھی قصیر ہوتا ہے اور کبھی طویل اور بقاء اکثر ہوتا ہی ہے، کیونکہ وسوسہ کا ایسا وقوع نادر ہی ہے کہ حدوث کے ساتھ ہی فنا ہو جاوے۔ زیادہ یہی ہے کہ وسوسہ کچھ دیر کو ضرور باقی رہتا ہے مگر انسان کو اکثر بقاءِ قصیر کا احساس کم ہوتا ہے، بقاءِ طویل ہی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ ابتداء میں اس کو اس پر التفات نہیں ہوتا کہ وسوسہ درجہ حدوث سے تجاوز کر کے درجہ بقاء حاصل کر چکا ہے۔ جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب سمجھو کہ درجہ حدوث پر تو کسی سے مواخذہ نہیں کیونکہ وہ تو من کل وجہ غیر اختیاری ہے اور تیسرے درجے پر سب سے مواخذہ ہے یعنی بقاء

طویل پر کیونکہ وہ من کل وجہ اختیاری ہے۔ اب ایک درجہ بیچ کا ہے یعنی جبکہ وسوسہ کو بقاء قصیر ہو یہ اُمتِ محمدیہ سے عفو ہے اور پہلی اُمتوں سے اس پر مواخذہ تھا کیونکہ یہ درجہ فی نفسہٖ اختیاری ہے، اس لیے محلِ مواخذہ ہونے کے قابل ہے مگر مشبہ غیر اختیاری کے ہے اس لیے اُمتِ محمدیہ سے اس کے متعلق مواخذہ مرتفع ہوگیا۔ رہا یہ سوال کہ جب یہ درجہ مشابہ غیر اختیاری کے ہے تو پہلی اُمتیں اس سے کس طرح بچی ہوں گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب فی نفسہٖ اختیاری ہے تو وہ اہتمام مزید کر کے بچے ہوں گے اور نہ بچتے ہوں تو ان پر اس سے استغفار واجب ہوگا اور اُمتِ محمدیہ پر اس سے استغفار کا وجوب نہ ہوگا گو استحباب ضرور ہے اور یہی دو درجہ خطا و نسیان میں ہیں کہ خود خطا و نسیان تو غیر اختیاری ہے مگر اس کا منشاء یعنی عدم استحضار و غفلت ہی سے ہوگا چنانچہ اگر دن میں ہر وقت روزہ کا دھیان رہے تو نسیان طاری نہ ہوگا، نماز میں اگر افعالِ صلوٰۃ پر پوری توجہ ہو تو سہو نہ ہوگا اور یہ امر اختیاری ہے کہ توجہ رکھو تو اس کے ترک پر مواخذہ ہوسکتا ہے۔ اب آیت و حدیث ''رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی'' الخ پر تو اشکال نہ رہا لیکن ایک مستقل اشکال وارد ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کو جو نماز میں سہو ہوا ہے کیا اس کا منشاء بھی عدم استحضار افعالِ صلوٰۃ تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں سہو نبوی کی علت بھی یہی لیکن علت عدم استحضار افعالِ صلوٰۃ ہم میں اور ہے اور حضور اقدس ﷺ میں اور۔ یعنی ہماری عدم توجہ الی الصلوٰۃ کا منشاء تو یہ ہے کہ ہم کو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی ہے جو نماز سے ادنیٰ ہے یعنی دنیا اور حضور کی عدم توجہ الی الصلوٰۃ کا منشاء یہ ہے کہ آپ کو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی تھی جو نماز سے اعلیٰ ہو یعنی ذاتِ حق۔ خوب سمجھ لو۔

(الفصل والانفصال، ص: ۳۸)

نگاہِ بد اختیاری ہے

فرمایا کہ ایک صاحب کو اسی میں کلام تھا کہ نگاہِ بد اختیار میں نہیں۔ اس پر بہت ہی اصرار کرتے رہے۔ میں نے کہا کہ سوچو تو بعد کو انھوں نے لکھا کہ واقعی میں غلطی پر تھا، نگاہ اختیار میں ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ نفس سے تکلیف گوارا نہیں

ہوتی۔ نگاہ ہٹانے میں اُلجھن ہوتی ہے، تکلیف گوارا نہیں کرتے، نفس کے ساتھ ہولیتے ہو، تمھارا جو خیال ہے اس سے تو شریعت پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اس نے ایسی چیز کا مکلّف کیا ہے جو اختیار میں نہیں۔

احقر عرض کرتا ہے کہ اس گفتگو کے وقت احقر بھی حاضر تھا۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر عورت کی چھاتی پر سوار اور زنا کا مرتکب ہونے والا ہو اس وقت بھی ہٹنا اختیار میں ہے گو مشقت چاہے جتنی ہو، کیونکہ اس وقت بھی اس کو شریعت حکم کرتی ہے کہ اس سے باز آجاؤ۔ ایسی حالت میں اگر اختیار نہ مانا جائے تو اس سے نعوذ باللہ قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ ارشاد ہے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ الخ سوچیے تو کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، کہاں تک یہ بات پہنچتی ہے۔

ہم کو اسی قدر مکلّف کیا گیا ہے کہ جس قدر طاقت ہو۔ اگر اس پر کوئی کہنے لگے کہ ہم کو تو صرف ایک ہی وقت کی نماز کی طاقت ہے تو جواب یہ ہے کہ تم نے صرف اسی کو دیکھا ہے۔ دوسرے مقام کو نہیں دیکھا کہ حق تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز کا مکلّف فرمایا اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جتنے کا مکلّف فرمایا ہے اس کی طاقت ضرور ہے، پس اب جو یہاں فرمایا ﴿مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ مطلب یہ ہوا کہ جتنا تم کو بتلایا سب کرو اور یہ عنوان دل بڑھانے کے لیے فرمادیا۔ جیسے کوئی نوکر سے کہے کہ تم سے یہ کام تو ہوسکتا ہے تو جو ہوسکتا وہ تو کرو تو گویا تصریحاً متنبہ کیا کہ تم سے تو ہوسکتا ہے تو یہ شبہ تو دفع ہوگیا۔

عدم توجہی

اب ایک اور شبہ رہا کہ یہ تو مشاہدہ ہے کہ نہیں ہوسکتا تو یہ دعویٰ مشاہدہ کا بالکل غلط ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ ہمت نہیں کرتے، اس لیے کچھ ثقل معلوم ہوتا ہے، جس نے انسان کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلّف کیا گیا۔

آپ نے سمجھ لیا کہ نہیں ہوسکتا۔اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ کو رات کے وقت خفیف ترشح میں پیاس لگی مگر سردی کی وجہ سے آپ کو باہر جانا ایسا دشوار ہوا کہ یوں سمجھے کہ ہم جا ہی نہیں سکتے لیکن رات کو دو بجے کے وقت ایک سوار آیا اور پروانہ دیا کہ کلکٹر صاحب نے بلایا ہے۔ پس آپ نے معاً حکم دیا کہ گھوڑا کسو اور بارانی پہن کر دو میل چلے گئے اور راستہ میں رعد و برق بھی ہوا، سب کچھ ہوا مگر گئے ضرور، تو اگر اس وقت پانی پینے کے لیے باہر نکلنا مشکل تھا تو اسی وقت دو میل چلنا کیسے آسان ہوگیا؟ تو بات یہ ہے کہ فرق فقط ہمت کا ہے کہ اوّل پیاس کے وقت عزم وارادہ نہ کیا تھا اور اب ارادہ کیا ہے تو جتنے کاموں کو آپ کہہ رہے ہیں کہ نہیں ہوسکتا، ان سب میں آپ نے ارادہ ہی نہیں کیا۔بس یہ ہے وجہ حضرت مولانا استاذنا کی۔ حکایت یاد آئی کہ نماز کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ایسی نماز ہو کہ جس میں حدیث النفس وسوسہ نہ دلاوے۔ وہ حدیث سبق میں آئی۔ ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت کیا ایسی نماز ہوسکتی ہے؟ مولانا نے کہا خوب فرمایا، کیا کبھی ارادہ کیا تھا کہ نہیں ہوئی ویسے ہی سمجھ لیا کہ نہیں ہوسکتی، کر کے دیکھا ہوتا۔

(التقویٰ ملحقہ مواعظ حقیقت تصوف وتقویٰ)

وسوسے سے آنے پر مواخذہ نہیں

فرمایا: معصیت اگر غلطی سے ہوجاوے تو اس کے اثر سے ظلمت مانع نہ ہوگی کیونکہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا (۱) ''رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَأُ وَ النِّسْیَانُ'' اور اس رُفع عن اُمتیؔ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاء اور نسیان پر مواخذہ تو ہوسکتا تھا مگر رفع کر دیا گیا کیونکہ یہ مواخذہ تکلیف مالا یطاق نہیں ہے جیسا ابھی معلوم ہوگا۔ لیکن رحمتِ الٰہی سے یہ خطاء و نسیان معاف فرمادیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ اس نسیان وخطاء کے رفع کی دعا بھی تعلیم فرمائی۔

(۲) ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا﴾ (البقرۃ:۲۸۶) اور نسیان و خطاء پر مواخذہ کا تکلیف ما لا یطاق نہ ہونے کی وجہ سے پیشتر کے دونوں اختیار سے باہر نہیں جیسا مولانا رومؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نسیان و خطا بھول

سے ہوتا ہے۔ اگر ہر وقت تیقظ رہے تو نسیان و خطا کا ہونا ممکن ہی نہیں اور ہر وقت تیقظ رکھنا گو مشکل ہے مگر ہے اختیاری۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ تعلیم فرمائی۔

(۳) ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا﴾ (البقرہ:۲۸۶) اور اس دعا کو قبول فرما کر حضور ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری فرما دیے: ''رُفِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَأُ وَ النِّسْيَانُ'' بخلاف امم سابقہ کے کہ ان سے خطاء ونسیان پر بھی مواخذہ ہوتا رہا کیونکہ یہ مالا یطاق نہیں جیسا ابھی مذکور ہوا۔ اسی طرح حدیث میں ہے، ''میری اُمت سے وسوسہ پر مواخذہ نہ ہوگا۔'' اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ پر مواخذہ ہوسکتا ہے اور وہ بھی مالا یطاق ہے۔ اگر مالا یطاق ہوتا تو اس میں اس اُمت کی کیا تخصیص ہوتی۔ اس کے ما یطاق ہونے کی تحقیق یہ ہے کہ وسوسہ جو ذہول و عدم تنبہ سے ہو، سو حدوثِ وسوسہ تو غیر اختیاری ہے۔ اور اس پر کسی سے مواخذہ نہیں ہے۔ اس امت کو بھی تخصیص نہیں، اور بقاءِ وسوسہ جو عدمِ تنبہ سے ہو سو یہ درجہ تنبہ نہ ہونے تک امم سابقہ سے معاف نہ تھا اور ہماری اس اُمت سے معاف ہے۔ باقی تنبہ ہوجانے کے بعد پھر وسوسہ وغیرہ کا امتداد یہ کسی سے بھی معاف نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت)

باب : إِذَا كَانَ يَوْمٌ حَارٌّ فَقَالَ الرَّجُلُ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ......

باب: شدید گرمی کے دن ایک شخص نے کہا لا إِلٰه إِلَّا اللّٰه کتنی سخت گرمی ہے

(٤٢٨) عن أبي هريرة رضي الله عنه أو أحدهما حدثه عن رسول الله ﷺ قال:

''إِذَا كَانَ يَوْمٌ حَارٌّ فَقَالَ الرَّجُلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مَا أَشَدَّ حَرَّ هٰذَا الْيَوْمِ!! اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِي مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ. قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِجَهَنَّمَ : إِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي اسْتَجَارَ بِي مِنْ حَرِّكِ، وَ إِنِّي أُشْهِدُكِ أَنِّي قَدْ أَجَرْتُهُ.

وَ إِنْ كَانَ يَوْماً شَدِيْدَ الْبَرْدِ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. مَا أَشَدَّ بَرْدَ هٰذَا الْيَوْمِ ! اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِي مِنْ زَمْهَرِيْرِ جَهَنَّمَ. قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِجَهَنَّمَ: إِنَّ

عَبْدًا مِنْ عِبَادِیْ قَدِ اسْتَجَارَ بِیْ مِنْ زَمْهَرِیْرِکِ. وَ إِنِّیْ أُشْهِدُکِ أَنِّی قَدْ أَجَرْتُهُ. قَالُوْا :وَ مَا زَمْهَرِیْرُ جَهَنَّمَ؟ قَالَ: بَیْتٌ یُلْقَی فِیْهِ الْکَافِرُ فَیَتَمَیَّزُ مِنْ شِدَّةِ بَرْدِهَا بَعْضُهُ مِنْ بَعْضٍ.'' [ضعیف] (أخرجه ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة /۳۰۷)

زمہریرہ جہنم

(۴۲۸) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یا ان دونوں (اوپر کے راوی) میں سے کسی ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سخت گرمی کا دن ہوتا ہے، (تو حق جل مجدہ تبارک وتعالیٰ صفات ''سمع وبصر'' کے ساتھ روئے زمین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، لہٰذا) جب کوئی

لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ مَا أَشَدَّ حَرَّ هٰذَا الْیَوْمِ!! اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِیْ مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ.

اللہ پاک کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، آج کیا ہی سخت گرمی ہے، اے اللہ تو مجھ کو جہنم کی گرمی سے محفوظ فرما، نجات دیدے۔

جب بندہ یہ کہتا ہے تو حق جل مجدہ جہنم سے خطاب کرتے ہیں کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ نے تیری گرمی سے بچنے کی مجھ سے پناہ مانگی ہے، میں تجھ کو گواہ بناتا ہوں کہ تجھ سے میں نے اس کو پناہ دیدی ہے، اور جب سخت سردی کا دن ہوتا ہے (تو حق جل مجدہ تبارک وتعالیٰ صفات ''سمع وبصر'' کے ساتھ زمین والوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لہٰذا) جب کوئی بندہ

لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ. مَا أَشَدَّ بَرْدَ هٰذَا الْیَوْمِ ! اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِیْ مِنْ زَمْهَرِیْرِ جَهَنَّمَ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں؛ آج کتنی شدید سردی ہے۔ اے اللہ! تو مجھ کو جہنم کے زمہریر سے نجات دیدے۔

جب بندہ یہ کہتا ہے تو حق جل مجدہ جہنم سے خطاب کرتے ہیں، میرے بندوں میں سے ایک بندہ نے تیری سردی سے پناہ مانگی ہے۔ اے زمہریرۂ جہنم! میں تجھ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کو پناہ دیدی ہے۔ صحابہؓ نے سوال کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! زمہریرہ جہنم کیا

بلاء ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ جہنم میں ایک ایسا مکان ہے جس میں کافر کو ڈالا جائے گا تو اس کی ٹھنڈک سے اعضاء جسم جدا جدا ہو جائیں گے۔

ٹھنڈک سے اعضاءِ جسم کٹ کر گر جائیں گے

جہنم کا ایک حصہ انتہائی ٹھنڈا ہوگا، جیسا کہ آج کل کولڈ اسٹور ہوا کرتا ہے، جس کی ٹھنڈک کی شدت سے اعضاءِ جسم کٹ کٹ کر گر پڑیں گے۔ دراصل حق جل مجدہ کی ذات قدیر وعزیز ہے، وہ انسانیت کو تمرّد وسرکشی اور عدم عبادت واطاعت کا مختلف انداز سے مزہ چکھائے گی؛ کیونکہ کفار ومشرکین دنیا میں نت نئے طریقے کفر وشرک کے ایجاد کیا کرتے ہیں اور پھر اپنی گمراہی پر خوش ہوتے ہیں حق جل مجدہ قیامت میں ہر نئے باب کفر کی سزا نئے نئے عقاب وعذاب سے دیں گے، تاکہ عقاب وعذاب کے اندر مناسبت ومجانست ہو، لہٰذا اس بات کا یقین رکھنا تقاضائے ایمان میں سے ہے کہ جو اللہ پاک نار جہنم سے سزا دیں گے وہ دوسرے انداز سے بھی سزا دینے پر قادر ہیں۔ پرویزی بدبخت لوگ تو سرے سے اس عذاب ہی کا انکار کرتے ہیں، مگر کیا ان کا انکار ان کو عذاب سے بچالے گا، یا وہ بچ جائیں گے۔

طبقات ودرکاتِ جہنم یا اسماءِ جہنم

علماء کرام (اللہ پاک جزائے خیر دے) نے جہنم کے سات طبقات لکھے ہیں۔

(۱) اَعْلَی الدَّرَکَاتِ: (اس کو جہنم بھی کہتے ہیں) یعنی سب سے اوپر والی جہنم جس میں اُمتِ محمد ﷺ کے گنہگار کو تطہیر کے لیے ڈالا جائے گا (۲) لَظٰی: اس میں نصاریٰ یعنی اُمتِ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہوں گے (۳) اَلْحُطَمَۃُ: اس میں یہودی ہوں گے (۴) اَلسَّعِیْر: اس میں صائبین فرقہ ہوگا (۵) سَقَر: اس میں مجوسی ہوں گے (۶) اَلْجَحِیْمُ: اس میں مشرکینِ عرب ہوں گے (۷) اَلْھَاوِیہ: اس میں منافقین ہوں گے اسی کو قرآن مجید نے ﴿اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ کہا ہے۔

(جہنم کے خوفناک مناظر۔ص ۹۵)

جنت کا موسم معتدل ہوگا اور نور رب کی روشنی

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنت سکون بخش ہے نہ اس میں گرمی ہے اور نہ سردی، یا زمہریرہ سے مراد چاند یا چمکتے ستارے، یعنی جنت خود روشن ہے، نور رب سے منور ہے، اس کو نہ سورج کی ضرورت ہے نہ چاند کی، شعیب بن جیحان نے بیان کیا میں ابوالعالیہ ریاحی کے ساتھ سورج نکلنے سے پہلے باہر نکلا ابوالعالیہ نے فرمایا کہ جنت کی اسی طرح نسبت کی جاتی ہے پھر آیت ﴿وَ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾ پڑھی۔ (بیہقی)

میں کہتا ہوں کہ ابوالعالیہ کی مراد نور صبح سے جنت کی تشبیہ دینا نہیں ہے، صبح کا نور تو ضعیف ہوتا ہے، جس میں تاریکی مخلوط ہوتی ہے، بلکہ اس امر میں تشبیہ دینی مقصود ہے کہ جس طرح صبح کی روشنی پھیلتی جاتی ہے، منقطع اور ختم نہیں ہوتی، اسی طرح جنت کی روشنی رو بہ ترقی ہوگی، منقطع نہیں ہوگی۔ (تفسیر مظہری، گلدستہ ۷/ ۳۹۵)

جنت مانگنے والوں کو جنت اور جہنم سے پناہ چاہنے والوں کو اس سے پناہ

(٤٢٩) لأبی نعیم من حدیث أنس رضی اللہ عنہ:

”یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: اُنْظُرُوْا فِیْ دِیْوَانِ عَبْدِیْ فَمَنْ رَاَیْتُمُوْهُ سَأَلَنِیَ الْجَنَّةَ أَعْطَیْتُهُ، وَ مَنِ اسْتَعَاذَ بِیْ مِنَ النَّارِ أَعَذْتُهُ.“ [؟] (کما فی کنزا لعمال ج ۲ / ۳۱۶۴)

(۴۲۹) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ (قیامت کے دن) فرمائے گا: میرے بندہ کے نامۂ اعمال میں دیکھو کہ کبھی اس نے (دنیا میں) مجھ سے جنت مانگا تھا، تو اس کو جنت دے دوں گا اور جس نے دوزخ سے پناہ چاہا تھا، اس کو دوزخ سے پناہ دے دوں گا۔ (کنز العمال ۲/ ۳۱۶۴)

دعا کی قبولیت کے ظہور کا دن، جنت کا پروانہ، جہنم سے نجات

حق جل مجدہ کی ذات ہی اپنے بندوں کی مرادوں کو پوری فرمائے گا، وہ دن بھی اہل دعا اور اہل ایمان کے لیے کتنا خوشی کا ہوگا جب ارحم الراحمین مجیب وسمیع الدعاء،

اعلان فرمائے گا کہ جس نے جنت چاہا و مانگا تھا، ان کو جنت دیدو، ان کی آرزوؤں کو پوری کردو ان کو دار کرامت و دار ضیافت، دارالسلام دیدو، اور جس نے عذاب نار دوزخ و جہنم سے پناہ چاہی تھی ان کو بھی نجات دیدو، الغرض ہر شخص کی دعا کی قبولیت کا ظہور من جانب اللہ ہوگا اور اس طرح بندہ سکون و سرور کی زندگی اللہ تعالیٰ کی جانب سے پالے گا، اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو جنت الفردوس محض رحمت واسعہ سے دیدے اور نار جہنم سے بچالے آمین۔

باب فِی إِجَابَةِ دَعْوَةِ یُعَالِجُ نَفْسَهُ إِلَی الطُّهُوْرِ ثُمَّ یَدْعُو اللّٰهَ وَ یَسْأَلُ:

باب: اس شخص کی دعا قبول ہوتی ہے جو وضو کے ذریعہ طہارتِ قلب حاصل کرتا ہے

(٤٣٠) عن عقبة بن عامر ﷺ يقول: لاأقول اليوم على رسول الله ﷺ مالم يقل سمعتُ رسول الله ﷺ يقول:

”مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْتاً مِنْ جَهَنَّمَ.“

وَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ:

”رَجُلَانِ مِنْ أُمَّتِي يَقُوْمُ أَحَدُهُمَا اللَّيْلَ يُعَالِجُ نَفْسَهُ إِلَى الطَّهُورِ وَ عَلَيْهِ عُقَدٌ فَيَتَوَضَّأُ فَإِذَا وَضَّأَ يَدَيْهِ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ. وَ إِذَا وَضَّأَ وَجْهَهُ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ. وَ إِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهِ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، وَ إِذَا وَضَّأَ رِجْلَيْهِ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ. فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلَّذِيْنَ وَرَاءَ الْحِجَابِ : اُنْظُرُوْا إِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُعَالِجُ نَفْسَهُ يَسْأَلُنِيْ مَا سَأَلَنِيْ عَبْدِيْ فَهُوَ لَهُ.“ [صحيح] (أخرجه أحمد ج۴ ص ۲۰۱)

شیطانی گرہ کھولنے کا نبوی علاج

(۴۳۰) ترجمہ: عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی جانب اس بات کو منسوب نہیں کرسکتا جو آپ نے نہیں فرمائی۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بات میں نے نہیں کہی اس کا انتساب جس نے میری طرف کیا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: دو آدمی میری امت میں سے:

ایک رات کو اٹھتا ہے اور اپنا روحانی علاج وضو کے ذریعہ کرتا ہے اور اس پر ایک گرہ ہوتی ہے لہٰذا جب وضو میں ہاتھ دھلتا ہے ایک گرہ کھل جاتی ہے، جب چہرہ دھلتا ہے دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب سر کا مسح کرتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب پاؤں دھلتا ہے چوتھی گرہ کھل جاتی ہے۔ حق جل مجدہ فرماتے ہیں: ان لوگوں کو جو حجاب کے پیچھے ہیں، میرے اس بندہ کو دیکھ جو اپنا (رحمانی) علاج کررہا ہے اور مجھ سے سوال کررہا ہے۔ میرے بندے نے جو بھی مانگا میں نے اس کو دیا۔ (اخرجہ احمد ۴/۲۰۱)

باب : إِذَا قَالَ الْعَبْدُ: يَارَبِّ......يَارَبِّ......

باب: بندہ جب یارب یارب کی صدا لگاتا ہے

(٤٣١) لابن أبی الدنیا مرفوعا عنها(عائشة) وموقوفاً علی أنس رضی اللہ عنہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم:

"إِذَا قَالَ الْعَبْدُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ قَالَ اللّٰهُ : لَبَّيْکَ عَبْدِیْ سَلْ تُعْطَ."

(کما فی الترغیب ج ٢ ص٨٣٢)

یاربّ کا جواب لبّیک عبدی

(۴۳۱) ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ یارب یارب کہتا ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: لبیک عبدی میرے بندے میں حاضر ہوں، مانگو میں دوں گا۔

رب تعالیٰ کو بندہ کا یارب، یارب کہہ کر پکارنا بہت ہی پسند ہے

حق جل مجدہ کے صفاتی نام تو بہت ہیں اور ہر نام کی قوتِ تاثیر اور ان ناموں کے مظہر الگ الگ ہیں، اور ہر نام ہی ان کا مبارک اور قابلِ عظمت ہے، مگر صفاتی نام میں رب کا لفظ ایک خاص لطف رکھتا ہے، تمام کائنات عالم کی مخلوقات کو جو پہلی نعمت وجود، اور وجود کے تمام مراحل کی تربیت کا کرشمہ صفت رب سے ہے۔ ربّ العالمین کی ربوبیت مطلقہ ہی

ناتمام کو تمام، ناقص کو کامل، اور ہر ہر عضو میں اس کی شان کے مناسب ان تمام اعضاء کا اپنے اپنے حدود کے اندر تقسیم کام پر کار بند رہنا یہ صفت ربوبیت کا کمال ہے۔ مثلاً زبان کا کام ہے ذائقہ ذوقیات میں، حروف کا تکلم خطاب میں، نطق کی بھرپور قوت خطاب وکلام میں۔ کان کا سننا مسموعات میں، آنکھ کا دیکھنا مرئیات میں، ہاتھ کا پکڑنا بطشیات میں وغیرہ ذالک، یہ سب کا سب لفظ رب کی عمیق قوت فردیت واحدیت کا کمال وکرشمہ ہے۔ یہ ایسی صفت رب ہے، جس کا اندازہ ہم لگا ہی نہیں سکتے۔ اسی لفظ کا کمال ہے احیاء موتی، اسی لفظ کا کمال ہے بندہ اور رب تبارک وتعالیٰ کے درمیان ذکر اللہ کے ذریعہ ربط وتعلق کا بار بار زبانوں پر جاری ہونا، اس لیے قرآن وحدیث میں تقریباً ہر دعا یا تو اَللّٰھُمَّ کے مبارک و مقدس لفظ سے شروع ہے یا پھر لفظ رب یا رَبَّنَا کے مانوس و مالوف لفظ سے شروع ہوتا ہے۔ اس لفظ رب میں بہت ہی پیار اور انسیت ہے۔ سورہ فاتحہ میں اللہ کے بعد معاً لفظ رب استعمال ہوا ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ لفظ اپنے اندر بہت ہی عظیم وعمیق خوبیاں پنہاں کئے ہوئے ہے۔ اس لیے بندہ جب یارب یارب کہتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں، لبیک عبدی، بندہ میں حاضر ہوں، مانگ کیا مانگتا ہے، جو مانگے گا تم کو ملے گا۔ اس کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ بندہ جب یارب، یارب کی صدا لگاتا ہے تو لبیک عبدی کے ذریعہ جواب دیا جاتا ہے کہ مانگ تم کو دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

باب : لَمَّا أَهْبَطَ اللّٰهُ آدَمَ إِلَى الْأَرْضِ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا......

باب: جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اُتارا گیا تو بیت اللہ کا سات چکر طواف کیا

(٤٣٢) للأزرقي والطبراني في الأوسط والبيهقي في الدعوات وابن عساكر عنه (بريدة رضي الله عنه):

"لَمَّا أَهْبَطَ اللّٰهُ آدَمَ إِلَى الْأَرْضِ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَ صَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَّتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ، وَ تَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَأَعْطِنِي سُؤْلِيْ، وَ تَعْلَمُ مَا عِنْدِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ، اَسْأَلُكَ

إِيْـمَـانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَ يَقِيْناً صَادِقًا حَتّٰی أَعْلَمَ أَنَّهُ لا يُصِيْبُنِیْ إِلَّا مَا كُتِبَ لِیْ، وَ رَضِّنِیْ بِقَضَائِکَ فَأَوْحَی اللّٰهُ إِلَيْهِ : يَا آدَمُ! إِنَّکَ قَدْ دَعَوْتَنِیْ بِدُعَاءٍ اَسْتَجِيبُ لَکَ فِيْهِ وَ غَفَرْتُ ذُنُوْبَکَ وَ فَرَّجْتُ هُمُوْمَکَ وَ غُمُوْمَکَ وَ لَنْ يَدْعُوَ بِهِ أَحَدٌ مِنْ ذُرِّيَّتِکَ مِنْ بَعْدِکَ إِلَّا فَعَلْتُ ذٰلِکَ بِهِ وَ نَزَعْتُ فَقْرَهُ مِنْ بَيْنِ عَيْنَيْهِ وَ اتَّجَرْتُ لَهُ مِنْ وَرَاءِ كُلِّ تَاجِرٍ وَ أَتَتْهُ الدُّنْيَا وَ هِيَ كَارِهَةٌ وَ إِنْ لَمْ يُرِدْهَا." (کما فی کنزالعمال ج ۵/۱۲۰۳۴)

اولادِ آدم کے ہمّ وغم کو دور کرنے والا نسخۂ کیمیا

(۴۳۲) ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا، تو انھوں نے 'بیت اللہ' کا سات طواف کیا اور 'مقام' کے پیچھے دو رکعت نفل ادا کی، پھر دعاء ومناجات کرتے ہوئے عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ إِنَّکَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِيَّتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ، وَ تَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَأَعْطِنِیْ سُؤْلِیْ، وَ تَعْلَمُ مَا عِنْدِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ ، اَسْأَلُکَ إِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَ يَقِيْناً صَادِقًا حَتّٰی أَعْلَمَ أَنَّهُ لا يُصِيْبُنِیْ إِلَّا مَا كُتِبَ لِیْ، وَ رَضِّنِیْ بِقَضَائِکَ

اے اللہ! آپ میرے ظاہر وباطن کی چیزوں کو جانتے ہیں، میرا عذر قبول کر لیجئے! آپ میری حاجتوں کو جانتے ہیں؛ لہٰذا میرے سوالوں کو پورا فرما دیجئے! آپ کو میرے سیئات کا علم؛ لہٰذا میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے! میں تجھ سے ایسے ایمان کی درخواست کرتا ہوں، جو میرے دل سے جا لگے اور سچے یقین کا یہاں تک کہ میرے اندر اس بات کا عقیدہ راسخ ہو جائے کہ: تیری لکھی ہوئی مصیبتیں ہی آتی ہیں، سوارحم الراحمین! مجھ کو اپنے قضا وقدر پر راضی رہنے کی توفیق بخش دے۔ آمین!

اللہ پاک نے اس مناجات کے بعد وحی بھیجی: اے آدمؑ! تو نے جو دعا مانگی ہے

اسے میں نے قبول کرلیا، تیرے گناہ معاف کردیے، تیرے غم اور تیری رنجیدگی کو رفع کردیا، جب کبھی تیری اولاد میں سے کوئی ان الفاظ کے ذریعہ دعا مانگے گا، تو میں اس کی بھی ہر تکلیف واذیت کو یقیناً دور کردوں گا اس کے سامنے سے فقر و فاقہ اور تنگ دستی کو بالکل ہی ختم کردوں گا، اور دنیا کے ہر تاجر کی تجارت کے منافع سے اس کو رزق پہنچادوں گا اور اس کے قدموں میں دنیا کو ذلیل کرکے ڈالوں گا اور اسے دوں گا، گرچہ وہ نہ چاہے۔

تصفیہ وتطہیرِ قلوب، تجلیہ و تنویرِ قلوب

آدم علیہ السلام آدمیت کی اساس اور اوّل بشر ہیں، ان کو اوّلیت کا بے شمار مرتبہ حاصل ہوا ہے، ان میں شان عبدیت کا ظہور بھی اسی اعتبار سے ہوا ہے، انھوں نے بغیر کسی واسطہ کے حق جل مجدہ سے تمام تر تعبّد وتقرّب کی راہیں سیکھیں اور اخذ کی ہیں، زمین پر جب اتارے گئے تو امرِالٰہی سے بیت اللہ کا طواف کیا، دورکعت ادا کی، اور دعا ومناجات کے کلمات تو پہلے ہی ان کو سکھلا دیا گیا تھا۔ ﴿فَتَلَقّٰى آدَمَ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ﴾ سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، لہٰذا آدم علیہ السلام نے اپنے دل کی مراد وچاہت کو مناجات کی شکل میں بارگاہ بے نیاز میں نیاز مندانہ پیش کیا، اور خوبصورت انداز میں ابوالبشر نے ادب وعبدیت دونوں کو نبھایا، رب ذوالجلال کے علمِ محیط وعمیق کو مستحضر رکھ کر اپنے سرائر وضمائر کا علیم وخبیر ہونا ظاہر کیا کہ جب اندر کے مخفی راز کو تو جانتا ہے تو پھر باہر کا کیا بچا۔ سچ ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ ۔۔۔ وَ الْآخِرُ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ
وَ الظَّاهِرُ فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ ۔۔۔ وَ الْبَاطِنُ دُوْنَ كُلِّ شَيْءٍ

عرض کیا علیم بذات الصدور، میری معذرت کو قبول کرلیجئے، آپ میری حاجت وضرورت کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں، یعنی مجھ کو کب کیا، کس مقام ومکان میں کن کن چیزوں کی ضرورت پیش آئے گی ان تمام کا میرے اللہ آپ کو ہی صحیح علم ہے۔ میری جملہ احتیاج

میرے بیان سے قبل تجھ پر عیاں ہے، میرے تمام تر سوالوں کو وجود وظہور کی نعمت سے نواز، مرادوں کو برلا، میرے اِلٰہ جس طرح میرا وجود تیری عطا کا محتاج، میرے جسمانی روحانی (دونوں) ضرورتوں کا میں تیرا محتاج ہوں۔ میرے الٰہ اور میرے دامن حیات وزیست میں کیا کچھ ہے، لمحات وسکنات اور حرکات و کیفیات، سرائر و ضمائر میں کیا کیا، آپ کی نامرضیات ہیں اس سے آپ خوب ہی واقف ہیں، بس میری خامیوں، کوتاہیوں، لغزشوں، ذنوب، وقصور کو معاف کر دیجیے، گویا کہ دعاءِ آدم کا ابتدائی حصہ تصفیہ وتطہیرِ قلوب کے لیے تھا اور اگلا حصہ تجلیہ وتنویرِ قلوب کا سوال ہے۔

تجلّیہ وتنویرِ قلب

ابوالبشر آدم علیہ السلام نے حق جل مجدہ سے تجلیہ وتنویرِ قلوب کے لیے جو دعا مانگی اس میں پہلا سوال ہے ایمان جو دیدۂ باطن، قلب سے پیوست وچمٹا رہے، دل میں گھر کر جائے، درحقیقت دل ہی وہ مستقر ہے جو تجلّی گاہ رب ہے، اور دل کی کیفیت ایمانی پر ہی تمام اعمال خیر کا دار ومدار ہے، حدیث میں وارد ہے کہ دل جب درست ہوجاتا ہے تو تمام اعضاءِ جسم درست ہوجاتے ہیں، اور جب دل میں ایمان وایقان کی کیفیت وحقیقت راسخ ہوجاتی ہے تو معاصی کا صدور یا انابت الی اللّٰہ سے ذھول کی کیفیت یکسر ختم ہوجاتی ہے، آدم علیہ السلام سے بقضاء وقدر اکل شجرہ کا عمل چونکہ ہو چکا تھا، اس لیے کلمات دعا میں رنگ ورخ کسی نہ کسی انداز میں ہو ہی جاتا ہے، اس لیے اپنے رب سے سوال کر رہے ہیں کہ اب ایسا ایمان وایقان راسخ، مرضیات ومنجیات کا عطا کر جو تمام مہلکات ومواخذات سے دور رکھے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ ایسا ایمان جو ایمانیات، مرضیات مولیٰ سے نہ ہٹ سکے نہ ہٹا سکے، بلکہ قدم کو ایمان کے ساتھ جما دے، اور ذات حق کے اجلال کی عظمت وہیبت اور اکرام کی نعمت ورحمت کا قلب کو مرکز تجلیات رب بنا دے۔ یہ ہوا **ایمانًا یباشر قلبی**۔ واللّٰہ اعلم

یقین صادق والا قلب

ابوالبشر آدم علیہ السلام نے تجلیّہ وتنویر قلوب کی دوسری صفت یقین صادق کا سوال کیا، پہلی چیز یقین ہے اور دوسری صفت یقین کی صداقت یعنی ایسا پختہ غیر متزلزل یقین جو، مشاہدہ کے بعد کیفیت وپختگی، عمیق وہمہ گیر قوت یقین، مستحکم ومضبوط دیدۂ باطن کا وجدان ہو، شعور وآگہی کی لازوال نعمتوں کا ادراک ہو، شہود وتمکین کے عالم میں قرار ہو، خلوص و للّٰہیت کی صداقت کے فیض وعرفان کو رب ذوالجلال کے فیضان وفضل سے پاچکا ہو، طہارت ونفاست قلب کا اعلیٰ مقام حاصل کرچکا ہو کہ اب قلب الہاماتِ صادقہ، وارداتِ الٰہیہ، نفحاتِ قدسیہ، تجلیاتِ ربانیہ، اسرارِ ملکوتیہ کا لطف وسرور محسوس کرتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہم کو تاکید کی ہے کہ صادقین میں رہو، سچوں کے ساتھ رہو، یقین کا کمال رتبہ ودرجہ مرتبۂ صدق وصداقت ہے یعنی مرتبۂ رسوخ ایمان وایقان میں سچائی وصداقت ہو، ظاہر وباطن کی صداقت وسچائی، نیت وارادہ کی صداقت وسچائی، قول و عمل کی صداقت وسچائی، عالمِ غیب کے جملہ اُمور کی صداقت وسچائی، صادقین وصدیقین کے مقام تک فضلِ الٰہی سے لے جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صادقین وصدیقین کے ساتھ حشر فرمادے، آمین!

ذُرّیّتِ آدم کو میراثِ آدمؑ

حدیث بتلا رہی ہے کہ جو شخص اس دعاء آدم کا اہتمام والتزام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو کئی نعمتوں سے نوازیں گے۔

(۱) سب سے پہلی نعمت اس کی مغفرت ہوگی اس کے تمام خطا وسیئات بخش دیے جائیں گے، گناہوں کو صحیفۂ اعمال سے مٹا دیا جائے گا۔

(۲) تمام ذہنی خلجان وانتشار، کوفت وکرہن کو دور کردیا جائے گا۔ احوال غم وپریشانی اس سے دور کردیے جائیں گے۔

(۳) اورمزید فقر وتنگدستی، غربت وافلاس، کا اس سے خاتمہ ہوجائے گا، نگاہوں سے فاقہ وبدحالی کا احساس جاتا رہے گا، نہ ہوکر بھی خوشحال وخوش خصال ہوگا۔

(۴) ہر تاجر کی تجارت میں اس کے مقدر کی روزی ہوگی جو بہرصورت اس کے دسترخوان پر آئے گی۔ جو اس کے نصیب کا ہوگا، اس کو مل کر رہے گا، خواہ ہدایا وتحائف کی شکل میں آئے یا اللہ تعالیٰ کوئی اور شکل بنائے۔

(۵) اوراس کے مقدر کی دنیا اس کو ہر حال میں ملے گی خواہ وہ اس کا ارادہ کرے یا نہ کرے، چاہے نہ چاہے جو حق تعالیٰ نے اس کے نصیب کا متعین کیا ہے اس کو ملے گا، یہ اس دعا کے کلمات کا اس شخص کو نفع ہوگا۔

اللہ ہمیں یقین کے ساتھ اس کے اہتمام کی توفیق بخشے آمین ثم آمین۔

باب : مَنْ لَا يَدْعُوْنِىْ أَغْضَبُ عَلَيْهِ......

باب: جو مجھ سے سوال نہیں کرتا میں اس سے ناراض ہوتا ہوں

(٤٣٣) للعسكرى فى المواعظ(من حديث أبي هريرةؓ):

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : مَنْ لَا يَدْعُوْنِىْ أَغْضَبُ عَلَيْهِ."

[ضعيف] (كما فى كنزالعمال ج ٢/ ٣١٢٧)

دعاء نہ مانگنے پر حق تعالیٰ کی ناراضگی

(۴۳۳) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا: جو مجھ سے دعائیں نہیں مانگتا ہے میں اس پر ناراض ہوتا ہوں۔

فائدہ: حق جل مجدہ کی شان کریمی دیکھئے کہ بندہ نہ مانگے تو حق تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، مانگنا دراصل اظہار عجز و افتقار ہے اور اللہ پاک کو بندہ کی عاجزی اورمحتاجگی جب ذات حق سے کررہا ہو تو بے حد پسند ہے کہ حق تعالیٰ کی اس میں کمال قدرت کا اعتراف ہے، غنی و بے نیاز ہونے کا اقرار ہے اوراپنے کو ہر اعتبار سے کم سے کم تر کرنے کا

ثبوت ہوتا ہے۔ بندہ بندہ سے اگر مانگے تو ناراض ہوتا ہے اور نہ مانگے تو خوش اور اللہ پاک سے نہ مانگنے پر ناراض اور مانگنے پر خوشی یہی فرق ہے خالق ومخلوق کا۔

دعا کرنے کا طریقہ

جب حق جل مجدہ سے دعا درخواست کرنا ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا خوب خوب کرے اور یقین رکھے کہ اس کے سوا نہ کسی کو لائق عبادت جانے نہ مانے، نہ کسی مخلوق کو مشکل کشا حاجت روا مانے، پھر رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھے، پھر تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجے، پھر تمام مومنین اور ان تمام مسلمان بھائیوں کے لیے جو تم سے پہلے دنیا سے جا چکے ہیں ان کے لیے استغفار کرو پھر دعا مانگو۔

قرآن حکیم نے دعا کا حکم دیا ہے

﴿وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾

اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو۔

یعنی میری ہی بندگی کرو کہ اس کی جزا دوں گا اور مجھ ہی سے مانگو کہ تمہارا مانگنا خالی نہ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِس اُمت کے لیے مخصوص تین چیزیں

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس امت کو تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ ان سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں، بجز نبی کے، دیکھو ہر نبی کو اللہ کا یہ فرمان ہوا ہے کہ تو اپنی امت پر گواہ ہے، لیکن تمام لوگوں پر گواہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بنایا ہے، اگلے نبیوں سے کہا جاتا تھا کہ تجھ پر دین میں حرج نہیں، لیکن اس امت سے فرمایا گیا کہ تمہارے دین میں تم پر کوئی حرج نہیں، ہر نبی سے کہا جاتا تھا کہ مجھے پکار میں تیری پکار قبول کروں گا لیکن اس امت کو فرمایا گیا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول فرماؤں گا (بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ) امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ابن حبان اور حاکم بھی اسے اپنی صحیح میں لائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان

اَللّٰـهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ، وَ بَنِيْ آدَمَ حِيْنَ يُسْأَلُ يَغْضِبُ ،یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب تو اس سے نہ مانگے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور انسان کی یہ حالت ہے کہ اس سے مانگو تو وہ روٹھ جاتا ہے۔ مسند میں ہے جو شخص اللہ سے دعا نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

چار باتیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث قدسی کا مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے، فرمایا، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے، چار باتیں ہیں جن میں سے ایک میرے واسطے اور ایک اے میرے بندے تیرے واسطے ہیں، اور ایک میرے اور تیرے درمیان ہے اور ایک وہ ہے جو تیرے اور میرے دوسرے تمام بندوں کے درمیان ہے۔

جو چیز میرے واسطے ہے وہ یہ ہے کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا، اور جو چیز تیری مجھ پر ہے وہ یہ ہے کہ جو بھی تو عمل خیر کرے گا اس کی جزا میرے ذمہ ہے اور جو چیز میرے اور تیرے درمیان ہے وہ یہ کہ تو دعا کر میں اس کو قبول کروں اور جو تیرے اور مخلوق کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کے لیے وہی چیز پسند کر جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾

بے شک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔

بندگی کی شرط ہے اپنے رب سے مانگنا، نہ مانگنا غرور ہے، اور اس آیت سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ بندوں کی پکار کو پہنچتا ہے، یہ بات تو بے شک برحق ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر بندے کی ہر دعا قبول کیا کرے، یعنی جو مانگے وہ ہی چیز دیدے، نہیں اس کی

اجابت کے بہت سے رنگ ہیں، جو احادیث میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ کوئی چیز دینا اس کی مشیت پر موقوف اور حکومت کے تابع ہے، کما قال فی موضع آخر فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (انعام رکوع۔۴) بہرحال بندہ کا کام ہے مانگنا اور یہ مانگنا خود ایک عبادت بلکہ مغز عبادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تکبّر کرنے والوں کا حشر

مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی شکل میں جمع کیے جائیں گے، چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان کے اوپر ہو گی، انہیں بولِس نامی جہنم کے جیل خانے میں ڈالا جائے گا اور بھڑکتی ہوئی سخت آگ ان کے سروں پر شعلے مارے گی، انہیں جہنمیوں کا لہو پیپ اور پاخانہ پیشاب پلایا جائے گا۔

قابلِ تعجب آدمی

ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ میں ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں میں ملک روم میں کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا تھا، ایک دن میں نے سنا کہ ہاتفِ غیب ایک پہاڑ کی چوٹی سے بہ آواز بلند کہہ رہا ہے یا اللہ! اُس پر تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے تیرے سوا دوسرے کی ذات سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ یا اللہ! اس پر بھی تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے اپنی حاجتیں دوسروں کے پاس لے جاتا ہے۔ پھر ذرا ٹھہر کر ایک پُر زور آواز لگائی اور کہا پورا تعجب اس پر ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے دوسرے کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے وہ کام کرتا ہے جن سے تو ناراض ہو جائے۔ یہ سن کر میں نے بلند آواز سے پوچھا کہ تو کوئی جن ہے یا انسان؟ جواب آیا کہ انسان ہوں تو اُن کاموں سے اپنا دھیان ہٹا لے جو تجھے فائدہ نہ دیں، اور ان کاموں میں مشغول ہو جا جو تیرے فائدے کے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

دعا کی حقیقت اور اس کے فضائل و درجات اور شرطِ قبولیت

دعا کے لفظی معنی پکارنے کے ہیں، اور اکثر استعمال کسی حاجت وضرورت کے لیے

پکارنے میں ہوتا ہے، کبھی مطلق ذکر اللہ کو بھی دعا کہا جاتا ہے، یہ آیت امت محمدیہ ؐ کا خاص اعزاز ہے کہ ان کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا، اور اس کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا، اور جو دعا نہ مانگے اس کے لیے عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانے میں یہ خصوصیت انبیاء علیہم السلام کی تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ دعا کریں میں قبول کروں گا، امت محمدیہ ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حکم تمام امت کے لیے عام کردیا گیا۔ (ابن کثیر)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الدُّعَآءِ هُوَ الْعِبَادَةُ یعنی دعا عبادت ہی ہے اور پھر آپ نے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِي﴾

(رواہ الامام احمد والترمذی والنسائی و ابو داؤد وغیرہ۔ ابن کثیر)

تفسیرِ مظہری میں ہے کہ جملہ اِنَّ الدُّعَآءَ هُوَ الْعِبَادَةُ میں بقاعدہ عربیت (قصر المسند علی المسند الیہ) یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ دعاء عبادت ہی کا نام ہے یعنی ہر دعا عبادت ہی ہے اور (قصر المسند الیہ علی المسند کے طور پر) یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہر عبادت ہی دعا ہے۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ اور مراد یہاں یہ ہے کہ دعا اور عبادت اگرچہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے دونوں جدا جدا ہیں مگر مصداق کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں کہ ہر دعا عبادت ہے اور ہر عبادت دعا ہے، وجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے کسی کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرنے کا اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلانا بڑا تذلل ہے جو مفہوم عبادت کا ہے۔ اسی طرح ہر عبادت کا حاصل بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور جنت اور دنیا اور آخرت کی عافیت مانگنا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص میری حمد وثنا میں اتنا مشغول ہو کہ اپنی حاجت مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا، (یعنی اس کی

حاجت پوری کردوں گا)، (رواہ الجزری فی النہایہ) اور ترمذی و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِیْ وَ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِيْنَ یعنی جو شخص تلاوت قرآن میں اتنا مشغول ہو کہ مجھ سے اپنی حاجات مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے تو میں اس کو اتنا دوں گا کہ مانگنے والوں کو بھی اتنا نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت بھی وہی فائدہ دیتی ہے جو دعا کا فائدہ ہے۔

اور عرفات کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرفات میں میری دعا اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی دعا (یہ کلمہ ہے) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔ (رواہ ابن ابی شیبہ، مظہری)

اس میں عبادت اور ذکر اللہ کو دعا فرمایا ہے، اور اس آیت میں عبادت بمعنی دعا کے ترک کرنے والوں کو جو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے وہ بصورت استکبار ہے یعنی جو شخص بطور استکبار کے اپنے آپ کو دعا سے مستغنی سمجھ کر دعا چھوڑے یہ علامت کفر کی ہے اس لیے وعید جہنم کا استحقاق ہوا، ورنہ فی نفسہٖ عام دعائیں فرض و واجب نہیں، ان کے ترک سے کوئی گناہ نہیں، البتہ باجماع علماء مستحب اور افضل ہے۔ (مظہری) اور حسب تصریح احادیث موجب برکات ہے۔

فضائلِ دعا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز مکرم نہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ حاکم عن ابی ہریرہ)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی دعاء عبادت کا مغز ہے۔ (ترمذی، عن انس)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال اور حاجت طلبی کو پسند فرماتا ہے اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ سختی کے وقت آدمی فراخی کا انتظار کرے۔ (ترمذی عن ابن مسعودؓ)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اپنی حاجت کا سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوتا ہے۔ (ترمذی، ابن حبان، حاکم)

ان سب روایات کو تفسیر مظہری میں نقل کر کے فرمایا کہ دعا نہ مانگنے والے پر غضب الٰہی کی وعید اس صورت میں ہے کہ نہ مانگنا تکبر اور اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے کی بنا پر ہو جیسا کہ آیت مذکورہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دعا سے عاجز نہ ہو کیونکہ دعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہیں ہوتا۔ (ابن حبان، حاکم عن انسؓ)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور آسمان و زمین کا نور ہے۔ (حاکم فی المستدرک عن ابی ہریرہؓ)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے لیے دعا کے دروازے کھول دیئے گئے اس کے واسطے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا اس سے زیادہ محبوب نہیں مانگی گئی کہ انسان اس سے عافیت کا سوال کرے (ترمذی، حاکم عن ابی ہریرہؓ)۔ لفظ عافیت بڑا جامع لفظ ہے، جس میں بلا سے حفاظت اور ہر ضرورت و حاجت کا پورا ہونا داخل ہے۔

مسئلہ: کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا مانگنا حرام ہے، وہ دعا اللہ کے نزدیک قبول بھی نہیں ہوتی۔ (کما فی الحدیث عن ابی سعیدہ الخدریؓ)

قبولیتِ دعا کا وعدہ

آیت مذکورہ میں اس کا وعدہ ہے کہ جو بندہ اللہ سے دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی ہے مگر بعض اوقات انسان یہ بھی دیکھتا ہے کہ دعا مانگی وہ قبول نہیں ہوئی۔ اس کا جواب ایک حدیث میں ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جو بھی دعا اللہ سے کرتا ہے اللہ اس کو عطا فرماتا ہے، بشرطیکہ اس میں کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو، اور قبول فرمانے کی تین صورتوں میں سے کوئی صورت ہوتی ہے ایک یہ کہ

جو مانگا وہی مل گیا، دوسرے یہ کہ اس کی مطلوب چیز کے بدلے اس کو آخرت کا کوئی اجر وثواب دیدیا گیا، تیسرے یہ کہ مانگی ہوئی چیز تو نہ ملی مگر کوئی آفت ومصیبت اس پر آنے والی تھی وہ ٹل گئی۔ (مسند احمد، مظہری)

قبولیتِ دعا کے شرائط

آیت مذکورہ میں تو بظاہر کوئی شرط نہیں، یہاں تک کہ مسلمان ہونا بھی قبولیت دعا کی شرط نہیں ہے، کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے، یہاں تک کہ ابلیس کی دعا تا قیامت زندہ رہنے کی قبول ہوگئی۔ نہ دعا کے لیے کوئی وقت شرط نہ طہارت اور نہ باوضو ہونا شرط ہے، مگر احادیث معتبرہ میں بعض چیزوں کو موانع قبولیت فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے اجتناب لازم ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعض آدمی بہت سفر کرتے اور آسمان کی طرف دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور یارب یارب کہہ کر اپنی حاجت مانگتے ہیں، مگر ان کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام ان کو حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ (رواہ مسلم)

اسی طرح غفلت و بے پرواہی کے ساتھ بغیر دھیان دیئے دعا کے کلمات پڑھیں تو حدیث میں اس کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

(ترمذی ، عن ابی هریره، معارف القرآن ، گلدسته ٦ / ٧٨٧)

حق جل مجدہ سے نہ مانگنا باعث نقصان ہے

(٤٣٤) ولأبی الشیخ عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أيضاً:

”يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : إِنْ سَأَلَنِیَ عَبْدِیْ أَعْطَيْتُهُ ، وَ إِنْ لَمْ يَسْأَلْنِیْ غَضِبْتُ عَلَيْهِ.“ (كما فی كنز العمال ج ٢/٥٧ ١ ٣)

(۴۳۴) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر میرا بندہ مجھ سے سوال کرتا ہے، تو دیتا ہوں، اگر مجھ سے سوال نہیں کرتا ہے تو ناراض ہوتا ہوں اس پر غصہ ہوتا ہوں۔

فائدہ: کائناتِ عالم کے خالق کا نظام بھی مخلوق کے نظام سے اتنا ہی اعلیٰ درجہ کا ہے جتنا کہ خود خالق عظیم الشان ہے۔ یہاں سوال پر ناراضگی اور نہ مانگنے پر خوشی اور خالق سے مانگنے پر بے حد خوشی اور نہ مانگنے پر ناراضگی، ظاہر سی بات ہے مولی جھولی نہ بھرے تو کون بھرے گا۔ **اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ السَّائِلِیْنَ فَضْلَکَ وَ جَنَّتَکَ وَ رِضْوَانَکَ اللّٰھُمَّ.** آمین!

باب : فِي دُعَاءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيْهِ الْمُسْلِمِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ:

باب: مسلمان بھائی کے لیے پیٹھ پیچھے دعاءِ خیر کرنا

(۴۳۵) قال الغزالیؒ فی الإحیاء:

فِیْ حَدِیْثِ الدُّعَاءِ لِلْأَخِ بِظَهْرِ الْغَیْبِ وَ فِیْهِ یَقُوْلُ اللّٰهُ:

"بِکَ أَبْدَأُ عَبْدِیْ." [ضعیف](کما فی الإحیاء ج ۲ ص ۱۸۴)

غائب کے حق میں دعا

(۴۳۵) ترجمہ: 'احیاء العلومؒ میں امام غزالیؒ نے کہا: بھائی کے لیے غائبانہ دعا کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: تجھ سے میں اپنے بندہ کے حق میں ابتداء کرتا ہوں۔

پیٹھ پیچھے کی دعا میں خلوص زیادہ ہوتا ہے

مومن کا اپنے بھائی کے لیے اس کی عدم موجودگی میں دعاءِ خیر کرنا خلوص وللّٰہیت، محبت ومودت، اور خالص جذبۂ اخوتِ ایمانی کی بنیاد پر ہوتا ہے ورنہ عام طور پر جب انسان لینے کے مقام پر کھڑا ہو تو حرص وطمع کے عالم میں خود کو ہی سیراب نہیں کر پاتا تو دوسروں کو کیا یاد رکھے گا۔ پھر جبکہ اس خزانۂ غیر متناہی کے سامنے ہو جہاں سے سب کو سب کچھ ملا مگر آج تک کمی نہیں آئی۔ ایسے موقع پر اپنے بھائی، اہل ایمان کو یاد رکھنا اور پھر ربِّ ذوالجلال سے اپنے ساتھ ساتھ اپنے بھائی کی ضرورت وحاجت کو عرض کرنا دلیل ہے کہ قلب میں اپنے بھائی کے لیے خیر کا داعیہ رکھتا ہے اور وقت دعا اسی خیر کا اظہار کرتا ہے

۔مومن کی بھی عجیب شان ہے کہ اللہ کے سامنے بھی اپنے بھائی کو نہیں بھولتا۔ واللہ اعلم

باب: إِنَّ الْعَبْدَ لَيَدْعُو اللّٰهَ وَ هُوَ يُحِبُّهُ فَيَقُوْلُ......

باب: بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ دعاء میں مشغول رکھنا پسند کرتا ہے

(٤٣٦) عن أنس رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ معًا:

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَدْعُو اللّٰهَ وَ هُوَ يُحِبُّهُ فَيَقُوْلُ: يَا جِبْرِيْلُ: اِقْضِ لِعَبْدِیْ هٰذَا حَاجَتَهُ وَ أَخِّرْهَا فَإِنِّیْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَ صَوْتَهُ، وَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَدْعُو اللّٰهَ وَ هُوَ يُبْغِضُهُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: يَا جِبْرِيْلُ اِقْضِ لِعَبْدِیْ حَاجَتَهُ بِإِخْلَاصِهِ وَ عَجِّلْهَا لَهُ فَإِنِّیْ أَكْرَهُ أَنْ أَسْمَعَ صَوْتَهُ.'' [ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ۲/۳۲۶۴)

نیک لوگوں کی دعا دیر میں پوری کی جاتی ہے کہ حق جل مجدہ کو ان کی مناجات سننا پسندیدہ ہے

(۴۳۶) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک شخص اللہ پاک سے دعائیں مانگتا ہے اور حق تعالیٰ اس بندہ کو دوست رکھتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے: اے جبرئیل علیہ السلام! میرے اس بندے کی حاجت پوری کردو مگر تاخیر کے ساتھ کیونکہ میں اس بندے کی مناجاتِ دعا کو بار بار سننا پسند کرتا ہوں اور ایک بندہ دعا کرتا ہے جبکہ اللہ پاک اس شخص سے ناراض ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: جبرئیل علیہ السلام! اس بندے کی حاجت و ضرورت جلدی سے پوری کردو کہ میں اس کی آواز سننا پسند نہیں کرتا۔

فاسق و فاجر کی دعا جلد قبول کیوں ہو جاتی ہے

(٤٣٧) لابن النجار عنه (انس رضی اللہ عنہ):

'' إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ لَيَدْعُو اللّٰهَ تَعَالَی. فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِجِبْرِيلَ: لَا تُجِبْهُ فَإِنِّیْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَ صَوْتَهُ، وَ إِذَا دَعَاهُ الْفَاجِرُ قَالَ: يَا جِبْرِيْلُ! اِقْضِ حَاجَتَهُ إِنِّی لَا أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَ صَوْتَهُ.'' [ضعیف جداً] (کمافی کنزالعمال ج ۲/ ۳۲۶۱)

(۴۳۷) ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے،مؤمن بندہ جب اللہ پاک سے دعائیں کرتا ہےتو حق جل مجدہ جبرئیلؑ سے ارشادفرماتے ہیں: اس بندہ کی دعاؤں کو پوری نہ کرنا کہ میں اس کی مناجات کو بار بارسننا پسند کرتا ہوں اور جب فاجر وفاسق دعا کرتا ہےتو حق تعالیٰ جبرئیلؑ سےفرماتے ہیں: اس شخص کی حاجت وضرورت کوجلدی سے پوری کردو کہ میں اس کی آواز بھی سننا پسندنہیں کرتا۔

مومن وکافر کی مناجات میں فرق

(٤٣٨) لابن النجار عنه(جابرؓ):

"إِنَّ جِبْـرِيـلَ مُـوَكَّـلٌ بِحَوَائِجِ بَنِي آدَمَ، فَإِذَا دَعَا الْعَبْدُ الْكَافِرُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : يَا جِبْرِيْلُ: إِقْضِ حَاجَتَهُ فَإِنِّيْ لَا أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَ دُعَاءَ هُ وَ إِذَا دَعَا الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ. قَالَ يَا جِبْرِيْلُ : أَحْبِسْ حَاجَتَهُ فَإِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَ دُعَاءَ هُ."

[ضعيف] (كما فى كنزالعمال ج ٢ / ٣٢٦٣)

(۴۳۸) ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے، جبرئیل علیہ السلام آدم کی اولاد کی حاجتوں کو پوری کرنے پر مامور ومتعین ہیں، لہٰذا جب کوئی کافر بندہ دعا کرتا ہےتو حق تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں: اے جبرئیلؑ اس کی حاجت جلد پوری کردو میں اس کی آواز ومناجات سننانہیں چاہتا ہوں اور جب مومن بندہ دعا کرتا ہےتوارشاد ہوتا ہے: جبرئیلؑ اس کی حاجت کوروکے رکھواس لیے کہ میں اس کی دعاومناجات کو بار بارسننا چاہتا ہوں۔

اپنے وبیگانے کی پکار

حدیث میں رموز و اسرار کوکھولا گیا ہے۔ دعا دونوں ہی بارگاہ ربّ العزت میں کرتے ہیں، حق جل مجدہ اہلِ ایمان کا رشتہ وتعلق مع اللہ مضبوط ومستحکم کرتے ہیں، بار بار کی مناجات،آہ وبکا، گریہ وزاری کے ذریعہ اپنا مقرب بناتے ہیں،اس کی بلبلاہٹ کو پسند فرماتے ہیں، تاکہ وہ بار بار پکارے، اور ہر باراس کی صدا کوقبولیت وسعادت کا مقام ملتا رہے اور یہ کتنی پُرمسرت بات ہے کہ ربّ العزت بندہ کی آواز وکلمات مناجات کے

عبدیت میں ڈوبے ہوئے ٹوٹے پھوٹے بول کوسننا پسند کرتا ہے، یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ بچہ جب بولنے لگتا ہے تو روٹی کولوتی، بھات کو بات، کہتا تو ماں باپ بولنے سے روکتے نہیں بلکہ خوب خوش ہوتے ہیں تو کیا میرا اللہ اپنے بندوں کی مناجات کے کلمات سے خوش نہیں ہوگا۔ اور جس طرح ماں باپ بار بار بچہ کے بول کو دھرانا، مکرر مکرر سننا پسند کرتے ہیں رب ذوالجلال بھی فرشتوں کوفرماتے ہیں، اس بندہ کی حاجت وضرورت پوری نہ کرو مجھ کواس کی مناجات کوسننا پسند ہے۔ اور جب بیگانے اہلِ کفر وطغیان، ربّ العزت کو پکارتے ہیں تو حکم ہوتا ہے جلداس کی حاجت پوری کردو، میرے دروازے سے دور کردو، اس کی زبان پر میرا نام نہ آئے۔ حکم الٰہی سے غیروں کی حاجت پوری کرکے ربّ العزت سے دور کردیا جاتا ہے اور اپنوں کو ذات حق سے جوڑ کررکھا جاتا ہے، اور بندہ ہے کہ جلدی، جلدی کا شور مچاتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ غیروں کو غیراللہ، چیزوں کے ذریعہ ملا، اور اپنوں کو اللہ ملا۔ غیروں کو چیزوں سے خاموش کردیا گیا اور اپنوں کو لذت مناجات سے عبادات ورجوع الی اللہ کا وظیفہ ملا، غیروں کا رخ پھیر دیا گیا اور اپنوں کواللہ کی طرف متوجہ رکھا گیا۔ غیروں کو چیزوں میں منہمک ومشغول کردیا گیا اور اپنوں کو باب رحمت سے جوڑ کر ذات حق سے مشغول ومعمور کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات سے آخری لمحات حیات تک وابستہ رکھے۔ آمین!

بے ایمان کی حاجت جلد پوری کیوں ہوجاتی ہے؟

(٤٣٩) وللخليلي عنه(جابر رضی اللہ عنہ):

" إِنَّ الْكَافِرَ لَيَدْعُو اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فِيْ حَاجَتِهِ فَتُقْضَى لَهُ، وَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيَدْعُو اللّٰهَ تَعَالٰى فَتُبْطِئُ عَلَيْهِ الْإِجَابَةُ فَتَضِجُّ الْمَلَائِكَةُ لِذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى : إِنَّمَا أَجَبْتُ الْكَافِرَ لِئَلَّا يَدْعُوْنِيْ وَ لَا يَذْكُرُنِي فَإِنِّيْ أُبْغِضُهُ وَ أُبْغِضُ صَوْتَهُ وَ أُبَطِّئُ لِلْمُؤْمِنِ لِئَلَّا يَنْقَطِعَ عَنِّيْ وَ يَذْكُرَنِيْ فَإِنِّيْ أُحِبُّهُ وَأُحِبُّ تَضَرُّعَهُ. "

[ضعيف] (كما فى كنزالعمال ج ٢ / ٣٢٦٢)

(۴۳۹) ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک بے ایمان اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت وضرورت کا سوال کرتا ہے۔ حق جل مجدہ اس کی حاجت وضرورت بلاتاخیر پوری کردیتے ہیں اور ایک مومن ومتقی اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت وضرورت کا سوال کرتا ہے تو اس کی حاجت وضرورت پوری ہونے میں تاخیر کردی جاتی ہے۔ فرشتے اس پر شور وغل مچاتے ہیں (یعنی بے ایمان کی حاجت جلد کیوں پوری کی گئی اور ایمان والے کی حاجت کیوں ملتوی وتاخیر سے پوری کی جائے گی) تو حق جل مجدہ فرماتے ہیں: میں نے بے ایمان کی دعا قبول کر کے حاجت جلد اس لیے پوری کردی تاکہ وہ مجھے اب نہ پکارے، نہ ہی میرا نام لے۔ کیونکہ میں اس پر ناراض ہوں اور اس کی آواز بھی سننا پسند نہیں کرتا اور مومن وصالح کی دعا اس لیے ملتوی رکھتا ہوں تاکہ وہ اپنا تعلق ورابطہ ہم سے نہ توڑے اور میرا بار بار نام لے، مجھے یاد کرے اس لیے کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور اس کا خوب گرگرانا بلبلانا، رونا دھونا، مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ (سبحان اللہ وبحمدہ) (کنزالعمال ۲/۳۲۶۲)

ٹوٹے ہوئے دل کا خریدار سلطانِ جہاں ہے

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنی ذات حق سے جوڑ کر رکھنا چاہتے ہیں، تاکہ مومن اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہر وقت بحال رکھے، اگر حاجت جلد پوری کردی جائے تو عادۃً بندہ نعمتوں میں مصروف ومشغول ہوکر اپنے رب سے یک گونہ جدا رہتا ہے اور جب تک حاجت پوری نہیں ہوتی۔ خوب تضرع والحاح کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور روتا دھوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مومن کا رونا دھونا پسند ہی نہیں؛ بلکہ بہت ہی زیادہ پسند ہے۔ حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دل، بکھرے ہوئے دل کے پاس ہوتے ہیں، یہ کتنی عظیم نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت بندہ کو حاصل ہے اور دل جتنا ٹوٹتا ہے بکھرتا ہے اللہ کی یاد میں۔ اسی قدر اس کی قیمت اللہ کے نزدیک زیادہ بڑھتی ہے۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری مخدومِ بہارؒ کا مشہور قول ہے کہ چیزیں جتنی ٹوٹتی ہیں قیمت کھوتی ہیں اور دل جتنا ٹوٹتا ہے بکھرتا ہے، اس کی قدر وقیمت اللہ کے نزدیک بڑھتی

ہے۔ جب دل اللہ کی عظمت و کبریائی میں بالکل ہی ٹوٹ جاتا ہے بکھر جاتا ہے، بندہ صحیح معنی میں اب بندہ بن جاتا ہے اور اللہ کی معیت تام اس کو مکمل حاصل ہو جاتی ہے کہ اللہ کے سوا اب وہاں کسی کی جگہ نہیں۔ سبحان اللہ کیا خوب پُر لطف بات ہوئی بکھرے اور ٹوٹے ہوئے دل کا خریدار سلطان جہاں ہے اسی کو حدیث میں کہا گیا ہے۔ اَنَا عِنْدَ مُنْكَسِرَةِ قُلُوْبِهِمْ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

باب : وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَدْعُو اللّٰهَ وَ هُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ

باب: بعض بندے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں جبکہ اللہ ان پر ناراض ہوتا ہے

(٤٤٠) عن جابر بن عبداللهؓ قال: قال رسول الله ﷺ:

”وَ الَّذِیْ نَفْسِی بِيَدِهٖ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَدْعُو اللّٰهَ وَ هُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَيُعْرِضُ عَنْهُ ثُمَّ يَدْعُوهُ فَيُعْرِضُ عَنْهُ فَيَقُوْلُ لِمَلَائِكَتِهٖ: أَبٰى عَبْدِیْ أَنْ يَدْعُوَ غَيْرِیْ فَقَدْ اِسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ يَدْعُوْنِیْ وَ أُعْرِضُ عَنْهُ أُشْهِدُكُمْ أَنِّیْ قَدْ اِسْتَجَبْتُ لَهٗ.“

[ضعيف] (أخرجه أبونعيم فی الحلية ج ٦ ص٢٠٨)

دعا کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے

(۴۴۰) ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ایک بندہ مسلسل اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا رہتا ہے، جبکہ حق تعالیٰ اس پر ناراض وغصہ ہوتے ہیں تو اس کی جانب سے اللہ تعالیٰ منہ پھیر لیتے ہیں اعراض کرتے ہیں۔ وہ بندہ پھر اللہ سے دعائیں مانگتا ہے اللہ تعالیٰ پھر اعراض کرتے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتے ہیں: سنو! میرا بندہ میرے سوا کسی سے اپنا سوال واپنی حاجت بیان کرنے سے اعراض کررہا ہے۔ بس میرے ہی در کا سوالی بنا ہوا ہے۔ تو مجھے اب اس سے شرم آتی ہے کہ وہ مجھ کو پکارے اور میں اعراض کروں۔ تم سب گواہ رہو کہ میں نے اس کی دعا قبول کرلی (اور اس

کی حاجت پوری کردی)۔ (ابونعیم فی الحلیہ ۶/۲۰۸)

مبغوض بھی دعا کے ذریعہ محبوب بن جاتا ہے

معلوم ہوا کہ مبغوض بندہ بھی دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے، دعا کرنا بہت ہی بڑی دلیل ہے کہ یہ بندہ ہے اور جس کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا ہے وہ مالک الکل ہے۔ بِيَدِهٖ خَزَائِنُ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ ہے، زمین وآسمان کے ہر خزانہ کی باب عطا کا مالک ہے۔ فتاح بھی وہی۔ معطی بھی وہی، مغنی بھی وہی، غنی بھی وہی، مجیب بھی وہی، قریب بھی وہی، سمیع بھی وہی، خبیر بھی وہی۔ علیم بھی وہی، احد بھی وہی، صمد بھی وہی اور سب کچھ وہی۔ بندہ جب اپنے معبود ومسجود حقیقی کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتا ہے تو اس کو اپنی شان ذوالجلال والاکرام کی لاج آجاتی ہے، پھر وہ بندہ کو نہیں دیکھتا، اپنی شان جود وکرم کو دیکھ کر عطا کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَّنَا بِمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَ لَا تَفْعَلْ بِنَا بِمَا اَنَا اَهْلُهٗ. اٰمین) جہاں سب کے لیے سب کچھ ہے اور بندہ ہے کہ اس کے یہاں اپنی ذات کے لیے بھی کچھ نہیں۔ یہیں پر بندگی کا راز کھلتا ہے، ایک وہ ہے جس کو اپنی کوئی ضرورت نہیں بے نیاز ہی بے نیاز ہے اور اس کے خزانہ کی ہر چیز، اپنے بندۂ نیاز مند کی ضرورت کے لیے ہے اور ایک ہم ہیں کہ ضرورت ہی ضرورت، محتاجگی ہی محتاجگی ۔ ہر قدم پر، ہر لمحہ، ہر آن، ہر گھڑی احتیاج دامن گیر ہے۔ مگر پاس کچھ بھی نہیں۔ رب ہے کہ آدم کو جنت دی، چوک ہوئی تو بہ سکھا دی، حاجت پیش آئی دعا سکھلا دی۔ حاجت پوری ہوئی شکر کا طریقہ بتلایا۔ گناہ ہوا استغفار کی نعمت دی۔ عبادت کی تو شرح صدر اور حلاوت ایمانی دی۔ رب سے ہم کلام ہونے کے لیے ہم کو کتاب اللہ کی تلاوت دی۔ معصیت کی ظلمت کو دور کرنے کے لیے بیت اللہ دیا، پھر اس کے نتیجہ میں تطہیر مثل یوم ولادت دی۔ پوری زندگی کی طہارت قلب پر آخرت میں اپنے فضل سے جنت دی۔ آخری رسول کی امت کی نعمت دی۔ مزید سے مزید باری تعالیٰ نے اپنی رویت دی، پھر ہم اس رب تبارک وتعالیٰ کو چھوڑ کر کہاں جائیں ہمیں کسی کی ضرورت نہیں، بس اَشْهَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ

الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُولَدْ. وَ اَسْئَلُکَ اللّٰهَ، یَا اللّٰهُ، لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ اللّٰهُ اَنتَ رَبِّیْ طَهِّرْ قَلْبِی عَنْ غَیْرِکَ، وَ نَوِّرْ قَلْبِی بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ، آمین.

باب : إِنَّ اللّٰهَ یَدْعُوْ بِعَبْدِهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیَقُوْلُ: إِنِّیْ قُلْتُ اُدْعُوْنِیْ

باب: قیامت میں اللہ تعالیٰ بندہ سے فرمائے گا میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھ سے مانگو

(٤٤١) عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ:

"إِنَّ اللّٰهَ یَدْعُوْ بِعَبْدِهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیَقُوْلُ : إِنِّیْ قُلْتُ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ فَهَلْ دَعَوْتَنِیْ؟ فَیَقُوْلُ: نَعَمْ! فَیَقُوْلُ: أَ رَأَیْتَ یَوْمَ نَزَلَ بِکَ أَمْرُ کَذَا وَ کَذَا مِمَّا کَرِهْتَ فَدَعَوْتَنِیْ فَعَجَّلْتُ لَکَ فِی الدُّنْیَا؟ فَیَقُوْلُ : نَعَمْ! وَ یَقُوْلُ: دَعَوْتَنِیْ فِیْ کَذَا وَ کَذَا فَلَمْ أَقْضِهَا فَادَّخَرْتُهَا لَکَ فِی الْجَنَّةِ حَتّٰی یَقُوْلَ الْعَبْدُ: لَیْتَهُ لَمْ یَسْتَجِبْ لِیْ فِی الدُّنْیَا دَعْوَةً."

[ضعیف] (أخرجه أبونعیم فی الحلیة ج ٦ ص٢٠٨)

دعا ہر حال میں مقبول و مفید ہے

(۴۴۱) ترجمہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ قیامت کے دن ایک بندہ کو بلائیں گے اورارشاد فرمائیں گے : میں نے خود ہی تم سے کہا تھا کہ: مجھ سے مانگو میں ضرور تمہاری دعا قبول کروں گا، تو کیا تو نے مجھ سے دعا مانگی تھی؟ وہ بندہ عرض کرے گا: ہاں یارب مانگی تھی۔ ارشاد ہوگا: کیا پتہ ہے تم کو فلاں دن تم پر فلاں فلاں مصیبت و بلا نازل ہوئی تھی، جو تو نہیں چاہتا تھا کہ تم پر آئیں۔ تو تم نے دعا مانگی تھی میں نے قبول کر کے دنیا میں تم سے وہ مصیبت و بلا دور کر دی تھی۔ وہ عرض کرے گا: بالکل صحیح یارب، رب العزت ارشاد فرمائیں گے: اور فلاں موقع پر تم نے دعا مانگی تھی مگر میں نے تیری حاجت پوری نہیں کی تھی اور میں نے تیرے ہی فائدہ کے لیے اس دعا کو اپنے خزانہ میں جنت کے لیے محفوظ کر لیا تھا (یعنی

اس حاجت کو دنیا میں پوری نہیں کیا کہ اس کا بدلہ تم کو جنت میں دوں گا) بندہ جب یہ معاملہ دیکھے گا تو حیران رہ جائے گا۔ یہاں تک کہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری ایک دعا بھی قبول نہ ہوئی ہوتی۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیہ ۶/۲۰۸)

بابا! اللہ تعالیٰ کے در کو نہ چھوڑو

لوگوں کا بھی عجیب معاملہ ہے کہ جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سب کچھ چاہتے ہیں کہ یہیں مل جائے، رب ذوالجلال والاکرام بندہ کے فائدہ کے لیے آخرت کا ذخیرہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ ہے کہ فانی دنیا میں ہی سب کچھ لے کر ختم کر دینا چاہتا ہے اور اللہ پاک باقی دنیا کا ابدی سامان کر رہا ہے، انسان بھی کتنا نادان اور کتنا اپنے حقیقی فائدہ سے بے خبر ہے۔ اللہ کتنا رحمٰن ورحیم ہے کہ اپنے بندوں کے حقیقی نفع کا ذخیرہ کر رہا ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ خوب دل جمعی کے ساتھ روزانہ پانچ دس منٹ مستقل دعا کا وقت نکالے اور دعائیں مانگا کریں۔ دعا اہم ترین عبادت ہے دعا سے بندہ کو آخرت کا یقین پیدا ہوتا ہے اور اللہ کی ذات پر اعتماد وایقان کی صفت کا رسوخ کامل جانگزیں ہوتا ہے۔ جس نے دعا کا دروازہ کھولا، اس پر رحمت کا دروازہ کھل گیا۔ اسی لیے قرآن نے دعا سے اعراض کو تکبر شمار کیا ہے۔ آج کے دور میں عجیب بددینی کا دور دورہ ہے۔ غیر اللہ سے مانگئے تو شرک ہے اور اللہ سے مانگئے تو کچھ لوگ بدعت کہتے ہیں، اللہ ان کو ہدایت دے، آخر ہم کہاں جائیں۔ بابا اس لیے اللہ کے در کو نہ چھوڑو۔ اس در کی باریابی بڑی نعمت ہے۔ بابِ رحمت پر دستک دینا ہر شخص کا نصیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے باب رحمت کو نہ چھوڑو، اس در کا سوالی بامراد ہو گیا۔

دعا سے بلاء دفع ہوتی ہے یا دعا آخرت کیلئے ذخیرہ ہو جاتی ہے

(۴۴۲) عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنہما عن النبی ﷺ قال:

”یَدْعُو اللّٰہُ بِالْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حَتّٰی یُوْقِفَہُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَیَقُوْلُ: عَبْدِیْ إِنِّیْ أَمَرْتُکَ أَنْ تَدْعُوَنِیْ وَ وَعَدْتُکَ أَنْ اَسْتَجِیْبَ لَکَ فَھَلْ کُنْتَ تَدْعُوْنِیْ؟

فَیَقُوْلُ: نَعَمْ یَا رَبِّ فَیَقُوْلُ : أَمَا إِنَّکَ لَمْ تَدْعُنِی بِدَعْوَۃٍ إِلَّا اُسْتُجِیبَ لَکَ فَهَلْ لَیْسَ دَعَوْتَنِیْ یَوْمَ کَذَا وَ کَذَا لِغَمٍّ نَزَلَ بِکَ أَنْ أُفَرِّجَ عَنْکَ فَفَرَّجْتُ عَنْکَ؟

فَیَقُوْلُ: نَعَمْ یَا رَبِّ! فَیَقُوْلُ: فَإِنِّیْ عَجَّلْتُهَا لَکَ فِی الدُّنْیَا، وَ دَعَوْتَنِیْ یَوْمَ کَذَا وَ کَذَا لِغَمٍّ نَزَلَ بِکَ أَنْ أُفَرِّجَ عَنْکَ فَلَمْ تَرَ فَرْجًا؟ قَالَ: نَعَمْ یَا رَبِّ! فَیَقُوْلُ: إِنِّیْ اِدَّخَرْتُ لَکَ بِهَا فِی الْجَنَّةِ کَذَا وَ کَذَا . قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ:

فَلَا یَدَعُ اللّٰهُ دَعْوَۃً دَعَا بِهَا عَبْدُهُ الْمُؤْمِنُ إِلَّا بَیَّنَ لَهُ إِمَّا أَنْ یَکُوْنَ عَجَّلَ لَهُ فِی الدُّنْیَا وَ إِمَّا أَنْ یَّکُوْنَ اِدَّخَرَ لَهُ فِی الْآخِرَةِ. قَالَ : فَیَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ فِی ذٰلِکَ الْمَقَامِ: یَالَیْتَه لَمْ یَکُنْ عُجِّلَ لَهُ فِیْ شَیْءٍ مِنْ دُعَائِهِ."

[ضعیف] (أخرجه الحاکم فی المستدرك ج ١ ص٤٩٤)

(۴۴۲) ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن حق تعالیٰ بندہ مومن کو طلب کرے گا، یہاں تک کہ سامنے کھڑا کر دیا جائے گا، ارشاد ہوگا: میرے بندے! میں نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ مجھ سے دعائیں مانگو اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ دعا قبول کروں گا (کیا تو نے مجھ سے دعائیں مانگی تھی؟ وہ عرض کرے گا: ہاں! یا مجیب! میں نے دعائیں مانگی تھی، ارشاد ہوگا: تو نے جو بھی دعائیں مانگی، میں نے اسے قبول کیا تھا، کیا تو نے فلاں فلاں دن غم نازل ہونے پر دعائیں کی تھی کہ میں تیری مصیبت کو راحت میں بدل دوں تو میں نے ایسا ہی کیا تھا، وہ عرض کرے گا: جی ہاں یارب، ارشاد ہوگا: یہ تو میں نے تیری دعائیں قبول کر کے نقداً تجھ کو دنیا میں عطا کر دیا تھا اور تو نے فلاں فلاں دن بلا ومصیبت کے نازل ہونے پر دعائیں کی تھی، مگر میں نے نقداً کشادگی وراحت عطا نہیں کی تھی، وہ عرض کرے گا: یا ربّ ایسا ہی ہوا تھا۔ ارشاد ہوگا: میں

نے اس کو تیری جنت کے لیے جمع کرلیا تھا اور تو نے فلاں فلاں دن اپنی حاجت روائی کے لیے دعائیں کی تھی ؛مگر میں نے تیری حاجت پوری نہیں کی تھی، وہ عرض کرے گا: ربّ العالمین ایسا ہی ہوا تھا، ارشاد ہوگا: ہاں میں نے تیری جنت میں فلاں فلاں چیزوں کے لیے اس کو جمع کرلیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ پس کوئی بندہ مومن اللہ پاک سے دعائیں نہیں مانگتا مگر یہ کہ بعینہٖ اس کو دنیا میں وہ چیز دے دی جاتی ہیں یا آخرت کے لیے ذخیرہ کرلیا جاتا ہے،تو قیامت کے دن مؤمن تمنا کرے گا کہ اس کی ایک دعا بھی نقداً قبول نہ ہوئی ہوتی۔ (تاکہ جنت میں سب دعاؤں کا عوض ملتا)۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک ۱/۴۹۴)

باب : مَا قَالَ عَبْدٌ قَطُّ يَا رَبِّ ثَلَاثاً إِلَّا قَالَ اللّٰهُ ......

باب: جب بندہ دعا میں تین بار یاربّ کی تکرار کرتا ہے

(٤٤٣) للديلمي من حديث أبي هريرة رضي الله عنه:

"مَا قَالَ عَبْدٌ قَطُّ: يَا رَبِّ ثَلَاثًا إِلَّا قَالَ اللّٰه: لَبَّيْكَ عَبْدِيْ وَسَعْدَيْكَ فَيُعَجِّلُ اللّٰهُ مَا شَاءَ وَ يُؤَخِّرُ مَا شَاءَ." [ضعيف] (كما فى كنز العمال ج ٢/ ٣١٧٢)

مناجات میں یارب

(۴۴۳) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے،جب بھی کوئی بندہ اپنی مناجات و دعا میں تین مرتبہ یارب، یارب، یارب کہتا ہے تو اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: لبیک عبدی میرا بندہ میں حاضر ہوں۔ پھر اللہ پاک جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں مؤخر کرکے بعد میں دیتے ہیں۔

باب : ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ

باب: تین مقبول دعا والے

(٤٤٤) قال الترمذي: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ:

"ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: اَلصَّائِمُ حَتّٰى يُفْطِرَ وَ الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَ دَعْوَةُ

الْـمَظْلُوْمِ يَرْفَعُها اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَ يَفْتَحُ لَهَا أَبْوابَ السَّمَاءِ وَ يَقُوْلُ الرَّبُّ. وَ عِزَّتِیْ لَأَنْصُرَنَّکَ وَ لَوْ بَعْدَ حِیْنٍ." [حسن] (أخرجه الترمذی ج ۵/۳۵۹۸)

تین شخص کی دعاء رد نہیں کی جاتی

(۴۴۴) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی کی دعا رد نہیں ہوتی (یعنی اللہ کی عدالت میں مقبول وسنی جاتی ہے) روزہ دار جب تک کہ روزہ افطار نہ کرلے اور عادل بادشاہ اور مظلوم کی دعا اللہ تعالیٰ بادل کے اوپر اٹھا لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آسمان کا دروازہ کھول دیتے ہیں دعا کے لیے۔ اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں: مجھ کو میری عزت کی قسم! میں ضرور تمہاری مدد کروں گا اگرچہ تھوڑی تاخیر سے۔ (جس میں بندہ کی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے)۔ (اخرجہ الترمذی ۵/۳۵۹۸)

مظلوم کی دعا کے لیے آسمان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے

(٤٤٥) عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ:

"ثَـلَاثَةٌ لَا تَرُدُّ دَعْوَتُهُمْ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَ الصَّائِمُ حَتّٰی يُفْطِرَ، وَ دَعْوَةُ الْـمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ دُوْنَ الْغَمَامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ تُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَ يَقُوْلُ: بِعِزَّتِیْ لَأَنْصُرَنَّکَ وَ لَوْ بَعْدَ حِيْنٍ." [حسن] (أخرجه ابن ماجة ج ۱/۱۷۵۲)

(۴۴۵) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخص کی دعا واپس یعنی رد نہیں کی جاتی۔ عادل وانصاف پسند بادشاہ، روزہ دار جب تک کہ روزہ افطار نہ کرلے اور مظلوم کی دعا کو اللہ تعالیٰ بادل کے اوپر قیامت کے دن اٹھالیں گے اور مظلوم کی دعا کے لیے آسمان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور حق جل مجدہ فرماتے ہیں: مجھ کو میری عزت کی قسم، میں تمہاری ضرور مدد کروں گا، گرچہ تھوڑی دیر بعد۔

(اخرجه ابن ماجه ۱/۱۷۵۲)

جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو دل نرم ہو جاتا ہے

(٤٤٦) حدثنا أبو المدله مولى عائشة أم المؤمنين رضى الله عنها سمع أباهريرة ﷺ يَقُوْلُ: قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا إِذَا رَأَيْنَاکَ رَقَّتْ قُلُوْبُنَا وَ كُنَّا مِنْ أَهْلِ الْآخِرَةِ، وَ إِذَا فَارَقْنَاکَ أَعْجَبَتْنَا الدُّنْيَا وَ شَمَّمْنَا النِّسَاءَ وَ الْأَوْلَادَ. قَالَ:

" لَوْ تَكُوْنُوْنَ ـــ أَوْقَالَ ـــ: لَوْأَنَّكُمْ تَكُوْنُوْنَ عَلٰى كُلِ حَالٍ عَلَى الْحَالِ الَّتِيْ أَنْتُمْ عَلَيْهَا عِنْدِيْ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ بِأَكُفِّهِمْ وَ لَزَارَتْكُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ. وَ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَجَاءَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ كَيْ يَغْفِرَ لَهُمْ. قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَدِّثْنَا عَنِ الْجَنَّةِ: مَا بَنَاؤُهَا؟ قَالَ: لَبِنَةُ ذَهَبٍ وَ لَبِنَةُ فِضَّةٍ، وَ مِلَاطُهَا الْمِسْکُ الْأَذْفَرُ، وَ حَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْيَاقُوْتُ، وَ تُرَابُهَا الزَّعْفَرَانُ، مَنْ يَدْخُلُهَا يَنْعَمُ وَ لَا يَبْأَسُ ، وَ يَخْلُدُ وَ لَا يَمُوْتُ، لَا تَبْلَى ثِيَابُهُ، وَ لَا يَفْنَى شَبَابُهُ. ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ : اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَ الصَّائِمُ حَتّٰى يُفْطِرَ، وَ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ تُحْمَلُ عَلَى الْغَمَامِ وَ تُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ يَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ : وَ عِزَّتِيْ لَأَنْصُرَنَّکَ وَ لَوْ بَعْدَ حِيْنٍ." [حسن] (أخرجه أحمد ج ١٥ / ٨٠٣٠)

(۴۴۶) ترجمہ: ابوالمدلہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلام فرماتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرۃ ﷺ کو سنا کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمارہے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں (یعنی مجلس میں) تو ہمارے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور ہم گویا کہ آخرت کے لوگوں میں ہوجاتے ہیں اور جب آپ سے جدا ہوتے ہیں، تو دنیاوی جھمیلوں میں اور بیوی بچوں کے ہورہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اسی حالت میں مسلسل رہو یا فرمایا: اگر تم لوگ ہر وقت اسی ایک حالت میں رہو جس حال وحالت میں میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں اپنے ہاتھوں سے اور تمہارے گھروں میں تمہاری ملاقات وزیارت کو جائیں۔ سنو (اس تبدیلی اور کیفیت کا بدلنا بھی حکمت الٰہی سے ہی ہے کہ) اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو حق تعالیٰ ایک ایسی قوم کو لائے گا جو ہر وقت گناہ ہی مسلسل

کرے گی، تاکہ ان کی مغفرت کرے (اور اپنی ان گنت صفت مغفرت کا ظہور کر کے صفت عفو و مغفرت کو ظاہر کرے) صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم کو جنت کی صفات سے باخبر کیجیے کہ اس کی بنیاد کیسی ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے بتلایا: اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہوگی اور اس کا گارا خوشبو اُڑانے والی کستوری کا ہے، اور اس کے کنکر چمکدار موتی اور یاقوت کے اور اس کی مٹی زعفران کی ہوگی۔ جو ایک دفعہ جنت میں داخل ہو جائے گا خوش ہی خوش رہے گا، غمی کا گزر نہیں، حیات ابدی، موت نہیں۔ کپڑے پرانے یا گندے نہیں ہوں گے۔ سدا بہار جوانی، بڑھاپا کا خطرہ نہیں۔ تین آدمی کی دعا رد نہیں کی جاتی: امام عادل، روزہ دار یہاں تک کہ افطار نہ کرے اور مظلوم کی دعا بادل کے اوپر اٹھالی جاتی ہے اور آسمان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مجھ کو عزت کی قسم میں ضرور تمہاری مدد کروں گا، اگرچہ تھوڑی تاخیر سے۔ (اخرجہ احمد: ۸۰۳۰/۱۵)

صحبت و معیت رسول اللہ ﷺ کا نمایاں اثر

حق جل مجدہ نے انسان کی طبیعت وخلقت میں اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت ودیعت فرمائی ہے۔ اور طبعی طور پر ایسا ہونا بھی عین حکمت وقدرت کے ساتھ ساتھ مشاہدہ بھی ہے، جب ہم سورج کی کرن کے سامنے ہوتے ہیں تو گرمی وتپش کو قبول کر لیتے ہیں اور جب سرد و برفیلی جگہ پر جاتے ہیں تو برودت وٹھنڈک سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح انسان کے باطن وقلب پر بھی خیر وشر کا اثر پڑتا ہے، اچھے وبرے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر رہا نہیں جا سکتا، اور آج کے اس جدید تحقیقاتی دور میں تو وائرس اور انٹی وائرس کا ایسا غلغلہ ہے کہ دین کا سمجھنا اور بھی آسان ہو گیا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت جب اللہ تعالیٰ کے بعد جو اس کائنات عالم کا اطیب واطہر، اکرم وانور، اجلی واقدس، ازکی واصفی ﷺ کے سامنے ہوتے تو ان کے قلوب میں رقت ولینت اور فکر آخرت کا اتنا غلبہ ہوتا کہ یکسر دنیا سے بے خبر ہو کر حق سے باخبر ہو کر آخرت ہی کے ہو جاتے اور جب اس مقدس ومطہر، مجلی ومنور، مکرم ومعظم، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت وصحبت

سے اپنی طبعی حاجت کے لیے جاتے تو وہ کیفیت استحضار آخرت، فکر معاد، ذوق وشوق انابت ورجوع الی اللہ کی کیفیت بدل جاتی، اللہ اکبر، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا باطن بھی کتنا حساس تھا کہ فوراً محسوس کرلیتا اور اس کیفیت کے تغیر وتبدل کا آقا ﷺ سے سوال بھی کرلیا۔ تاکہ جلد ہی تدارک کرکے تغافل کو دور کردیا جائے، اور جو نعمت عظمیٰ معیت رسول مکرم ﷺ سے ملی ہے قلب ودیدۂ باطن سے جدا نہ ہو، فوراً سوال کرلیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب ہم آپ سے جدا ہوکر دنیاوی مشغلوں میں اور بیوی بچوں کے امور کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو پہلی کیفیت باقی نہیں رہتی۔

نبی رحمت ﷺ نے اُمت کو مغفرت کی اُمید دلائی

صلی اللہ علی نبیّنا محمد ﷺ نے خوب سے خوب تر جواب مرحمت فرمایا۔ یہ جواب بھی نبی رحمت ﷺ ہی دے سکتے تھے، ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو نہ معلوم کس قدر گھبرا جاتا، فرمایا سنو! اگر میری معیت والی کیفیت کا بقا تم لوگوں میں ہوجائے تو پھر فرشتے تم لوگوں سے مصافحہ کرنے لگیں اور پھر تم لوگوں کی زیارت گھروں میں جاکر کریں، مگر سنو، ایک حال کا باقی رہنا انسانی صفات کے خلاف ہے۔ فرشتوں میں حالت ظاہر وباطن کا بقاء وقرار ہے۔ انسان میں کیفیت ایمانی ترقی پذیر ہے، یا روبزوال ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسانی صفات کے ساتھ ہی خلافت کا رتبہ دیا، ہاں اگر بقاءِ کیفیت ہوتی تو فرشتے مصافحہ کرتے کہ ان کو جن کیفیت کے ساتھ پیدا کیا گیا اسی میں وہ دوام کے ساتھ مقیم ہیں پھر تم سے ان کو مماثلت ومجانست، کیفیت میں ہوجاتی تو وہ مصافحہ کرلیتے اور تمہاری زیارت بھی کرتے، مگر تمہاری تخلیق کا مقصد وہ نہیں جو تم نے سمجھا ہوا ہے، تمہاری تخلیق کا مقصد وہ ہے جو رب ذوالجلال نے متعین کیا ہے، تم کیفیت کے طالب ہو اور وہ مغفرت کی صفت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ تم کو بس اپنی فکر ہے اور رب العزت کو تمہاری تخلیق کا مقصد اپنی مغفرت ووسعت رحمت کا ظہور ہے۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

ذنوب وعصیان، ذہول نسیان ہی سببِ مغفرت ورضوان ہے

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تم سے ذنوب وعصیان ذھول ونسیان سرزد نہ ہوتو اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم لاتا جو صرف گناہ ہی کرتی اور اللہ پاک ان کی مغفرت کرتا۔

حاصل اس کا یہ ہوا کہ تم اپنی کیفیت کے زوال پر غمناک ہو اور بقاء کیفیت کے طالب، اللہ پاک بقاء کیفیت کے لیے تم کولایا ہی نہیں ہے، وہ تو پہلے سے فرشتے موجود ہیں، اس لیے غم نہ کرو، اور جس کیفیت آخرت کے زوال پر تم غمناک ہووہی تو تمہاری آمد وخلافت کا سبب ہے پھر تم غمناک کیوں ہو،تمہاری آمد کا مقصد ہی ذھول ونسیان، ذنوب وعصیان ہے، کیونکہ ذنوب وعصیان پر ہی تو مغفرت کی چادر ڈالی جائے گی۔

ذھول نسیان پر ہی انابت سے ترقی ہوگی،تم نے جس کو رکاوٹ اور دیوار جانا، وہی تو تیری ترقی کا زینہ اور تقرب کا سبب ہے،تم نے جس کو حسرت وغم کا سبب جانا وہی تو تیری مسرت وشادمانی کا پیغام ہے،سنو، ذھول ونسیان، زوال کیفیت جو معیت رسول ﷺ سے حاصل تھی، اب نہ رہی، جس پر تم کو قبض وگھٹن ہورہی ہے، یہی تو تم سے مطلوب ہے، اور اس پر تم کو وہ ملے گا جو رب العزت کا مطلوب ومقصد تخلیق ہے۔

فیضانِ نبوت اپنے مستقر ومستودع میں قرار پذیر ہے

ایسا ہرگز نہیں کہ صحابۂ رسول ﷺ کے دیدۂ باطن پر فیضان نبوت کا جو عکس پڑرہا تھا وہ ختم وزائل ہوگیا ہوگا، بارش کا پانی موسلا دھار آسمان سے برستا ہے تو کیا وہ ختم ہوجاتا ہے، ہرگز نہیں زمین سیراب ہوتی ہے اور اپنے اپنے ظرف کے بقدر پانی کو پی جاتی ہے اور اپنی اپنی تہوں میں محفوظ کرلیتی ہے، چند گھنٹہ بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بارش ہوئی ہی نہیں، خاص کر اگر زمین ریتیلی ہو یا بالو ہو تو اس کا خوب مشاہدہ ہوتا ہے۔صحابہ رضوان اللہ علیہم

اجمعین نے اپنے کو خوب سے خوب تر سیراب کیا اور پھر فیضِ نبوت سے نورِ ایمان وایقان کو مجلی ومنور کیا۔ ہاں جب نگاہِ نبوت سے علیحدہ ہوتے تو ظاہری طور پر عدمِ فیضان کو محسوس کرتے یہ تو ان کے کمالِ تقویٰ کی دلیل ہے۔ مگر باطن ان کا مکمل فیضِ محمدیؐ سے لبریز ہوتا تھا، اور اپنے اپنے مستقر ومستودع باطن میں رشد وہدایت کا شمس وقمر ہوتا تھا، جبھی تو اللہ تعالیٰ نے ﴿كُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ رضی اللہ عنہم سے خطاب کیا۔

صحابہ بہت ہی ذہین وذکی تھے، آقا کے کلام کا رخ دیکھ کر جان گئے کہ ہم نے جس چیز کو باعثِ افسوس جانا وہی ہماری عبدیت وترقی کا راز ہے۔ عبدیت کا کمال رضاءِ الٰہی ہے نہ کہ مصافحہ ملائکہ۔ بندہ رب کی رضا میں فنا ہو، اپنی تمام تمناؤں وآرزوؤں کو قربان کردے۔ میدانِ جہاد میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی تائید کے لیے فرشتوں کو نازل کیا ہے۔ الغرض صحابہؓ نے جب اپنے قائد ﷺ سے مغفرت کے راز کو پالیا تو اب رخ ہی بدل کر جنت کا سوال کر بیٹھے۔ آقا ﷺ نے بھی آج کچھ نقشہ، جنت کے حسن وجمال کا سنا دیا، اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تفسیر کردی ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ (سورۂ سجدہ) حدیثِ قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے صالحین کے لیے ایسی جنت بنائی ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کان نے سنا نہیں، دل پر اس کا خیال گزرا نہیں، اللہ ہمیں محض اپنے فضلِ عظیم سے لے جائے۔

باب : اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ

باب: مظلوم کی بددعا سے بچو

(٤٤٧) للطبرانی عنه(خزيمة بن ثابت ﷺ):قال رسول الله ﷺ:

"اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهَا تُحْمَلُ عَلَى الْغَمَامِ . يَقُوْلُ اللّٰهُ : وَ عِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ لَأَنْصُرَنَّكَ وَ لَوْ بَعْدَ حِيْنٍ." [حسن لغيره] (كما فى الترغيب ج٣ص٣٢٨)

میں ضرور تمہاری مدد کروں گا

(۴۴۷) ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مظلوم کی بددعا سے بچو، کہ وہ بادل کے اوپر اٹھالی جاتی ہے اور حق جل مجدہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میری عزت وجلال کی قسم میں ضرور تمہاری مدد کروں گا، اگرچہ تھوڑی تاخیر سے۔

(الترغيب ۳/۳۲۸)

روزِ قیامت بادل کی طرح حق تعالیٰ کی تجلی اُترتی نظر آئے گی

احادیثِ رسول ﷺ میں اور بھی لوگوں کا تذکرہ ہے، جن کی دعا رد نہیں ہوتی یعنی دعا قبول ہوتی ہے۔ مثلاً کہیں آیا ہے کہ مسافر کی دعا رد نہیں ہوتی، جب تک وہ سفر سے واپس نہ آجائے۔ والد کی دعا اپنے بچوں کے حق میں رد نہیں ہوتی اور کہیں **دعوۃ المرء لنفسہ** بھی آیا ہے یعنی آدمی کی خود کی دعا اپنے جان ومال وعزت وحرمت نفس کے لیے، روزہ دار جب تک افطار نہ کرلے۔ امام عادل انصاف پسند حکمراں وحاکم بھی اسی فہرست میں ہے اور مظلوم کی دعا ظلم سے نجات وخلاصی کے لیے یا پھر ظالم کے حق میں تباہی وبربادی کے لیے جس کو بددعا کہتے ہیں۔ مگر مظلوم کی دعا کے لیے ایک بات اور بھی بتلائی گئی ہے کہ بادل کے اوپر اٹھالی جائے گی۔ اس کی مراد قرآن پاک کی آیت

﴿وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمٰمِ وَ نُزِّ لَ الْمَلٰئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ (فرقان: ۲۵)

ترجمہ: اور جس دن پھٹ جائے آسمان بادل سے اور فرشتے بکثرت اتارے جائیں گے۔

یعنی قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح ایک چیز اترتی نظر آئے گی جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہوگی۔ اس کے ساتھ بے شمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا اور آسمانوں کے فرشتے اس روز لگاتار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ تو اب سیدھا سادا مطلب یہ ہوا کہ مظلوم کی دعا ظالم سے انتقال لینے کے لیے یوم محشر کو اس

بادل کے اوپر اٹھالی جائے گی یعنی حق تعالیٰ کے قریب کردی جائے گی اور مظلوم کی فریاد حضور حق میں قریب سے اقرب ہوگی۔ پھر ظالم کا کیا بنے گا۔ استغفراللہ کسی نے خوب کہا ہے:

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے

بادلو ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے

اس لیے دوستو ظلم سے بچو۔ ظلم قیامت کے دن اندھیرا مسلط کردے گا۔ ظالم ظلم کرکے اپنا نقصان کرتا ہے؛ مگر جاہ ومال طلبی انسان کو اندھا کردیتی ہے۔

باب : إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا ظُلِمَ فَلَمْ يُنْتَصَرُ......

باب: مظلوم کی جب کوئی مدد نہیں کرتا

(٤٤٨) للحاكم في تاريخه والديلمي عن أبي الدرداء رضي الله عنه:

"إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا ظُلِمَ فَلَمْ يُنْتَصَرُ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَنْ يَّنْصُرُهُ وَ رَفَعَ طَرْفَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَدَعَا اللّٰهَ قَالَ اللّٰهُ: لَبَّيْكَ أَنَا أَنْصُرُكَ عَاجِلًا وَ آجِلًا."

[ضعيف] (كما في كنزالعمال ج ٣/٧٦٤٨)

مظلوم کی مدد حق تعالیٰ کرتے ہیں

(۴۴۸) ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب کسی بندہ پر ظلم و زیادتی ہوتی ہے اور اس کی کوئی مدد نہیں کرتا (نہ ہی اس شخص کے قبیلہ وخاندان میں اور نہ ہی دوست احباب میں ایسے ہوتے ہیں جو اس کی مدد کریں) تو جب ایسا شخص اپنی گردن آسمان کی طرف اٹھا کر اللہ پاک سے دعا کرتا ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں: "لبیک عبدی"، بندہ میں حاضر ہوں، میں یقیناً تیری مدد کروں گا، فوراً یا تاخیر سے۔

باب : إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَادىٰ مُنَادٍ: هَلْ......

باب: پندرہ شعبان کی رات میں منادی آواز لگاتا ہے

(٤٤٩) للبيهقي في شعب الإيمان عنه (عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه):

إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَادىٰ مُنَادٍ: هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ؟ فَلا يَسْأَلُ أَحَدٌ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِلَّا زَانِيَةٌ بِفَرْجِهَا أَوْ مُشْرِكٌ۔ [ضعیف] (کما فی کنز العمال ج۱۲/۳۵۱۷۸)

پندرھویں شعبان کا دستور العمل

(۴۴۹) ترجمہ: حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب پندرھویں شعبان کی شب ہوتی ہے تو ایک آواز لگانے والا آواز لگاتا ہے، ہے کوئی مغفرت کا مانگنے والا میں اس کی مغفرت کردوں۔ ہے کوئی سوال کرنے والا میں اس کے سوال کو پورا کردوں۔ جب کوئی اس شب کو سوال کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے سوال کو پورا کردیتے ہیں، مگر زانیہ اور مشرک۔
(کنز العمال ۱۲/۳۵۱۷۸)

فائدہ: دوسری احادیث اس سلسلہ میں واضح آئی ہیں کہ پندرہ شعبان میں تمام مسلمانوں کی مغفرت ہوجاتی ہے، مگر اس مبارک رات میں (۱) مشرک (۲) کینہ رکھنے والے (۳) قطع رحمی کرنے والے (۴) تہبند یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے (۵) والدین کی نافرمانی کرنے والے (۶) شراب پینے کی عادت رکھنے والے (۷) کسی کی جان کو ناحق قتل کرنے والے (۸) ظلماً ٹیکس یا رشوت لینے والے (۹) غیب کی خبر بتانے والے یا فال نکالنے والے (۱۰) ہاتھ کے خطوط دیکھ کر غیب کی خبریں دینے والے (۱۱) گانے اور طبلہ سارنگی بجانے والے (۱۲) جادو کرنے والے، آخری نمبرات میں سے پانچ کو شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ نے ماثبت بالسنہ میں ذکر کیا ہے، الغرض ان تمام لوگوں کو اس عمومی رحمت و مغفرت سے الگ رکھا جاتا ہے کہ توبہ کرلیں۔ توبہ کر لینے کے بعد ان کی بھی تمام خطاءعام معافی کے تحت معاف ہوجاتی ہے۔

اس رات کا دستور العمل

(۱) اس رات میں عبادت کرنے کے لیے غسل کرلینا مستحب ہے (۲) عشاء اور

فجر کی نماز با جماعت ادا کریں (۳) جتنا بہ سہولت وآسانی ممکن ہو اس رات کو نوافل اور ذکر وتلاوت میں مشغول رکھیں اور رہیں (۴) صحت وعافیت دارین اور رحمت وبخشش اور جملہ مقاصد حسنہ کے لیے خوب دعائیں کریں (۵) شعبان کی پندرہویں تاریخ کا روزہ رکھیں (۶) جن گناہوں کی نحوست اس مبارک رات کی برکات سے محروم کردیتی ہے، ان سے مکمل پرہیز کریں اور صدق دل سے سچی توبہ کریں (۷) ایک حصہ رات گزر جانے کے بعد قبرستان جائیں مردوں کے لیے مغفرت کی دعا اور ایصال ثواب کریں منکرات سے بچیں۔ مثلاً قبروں کو سجدہ نہ کریں کہ سجدہ خاص ہے رب العالمین کے لیے، قبر کا بوسہ نہ لیں کہ یہ خاص ہے حجر اسود کے لیے، قبر کا طواف نہ کریں کہ یہ خاص ہے کعبۃ اللہ کے لیے، قبر پر چراغ نہ جلائیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغ جلانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ لَعَنَ اللّٰهُ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا السُّرُجَ (۸) تمام رات عبادت وذکر اور تلاوت ومراقبہ میں گزاریں ورنہ باضو سنت کی رعایت کے ساتھ سوجائیں۔ یہ افضل ہے کہ ساری رات غیبت وچغل خوری، تاش اور خرافات میں گزاریں، پندرہ شعبان کے سلسلہ میں آج کل بہت باتیں کی جاتی ہیں، میں امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

وَ اَمَّا لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقَدْ رُوِیَ فِیْ فَضْلِهَا اَحَادِيْثُ وَ آثَارٌ وَ نُقِلَ عَنْ طَائِفَةٍ مِنَ السَّلَفِ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ فِيْهَا فَصَلَاةُ الرَّجُلِ فِيْهَا وَحْدَهُ قَدْ تَقَدَّمَهُ فِيْهَا سَلَفٌ وَ لَهُ فِيْهَا حُجَّةٌ فَلَا يُنْكَرُ مِثْلُ هٰذَا. ج ۲۳، ص ۱۳۱۔ پندرہ شعبان کی فضیلت میں احادیث وآثار موجود ہیں اور سلف وصالحین اس رات میں نماز کا اہتمام کیا کرتے تھے، لہٰذا پندرہ شعبان کی شب میں سلف سے نماز کا اہتمام ثبوت وحجت کے لیے کافی ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۳/۱۳۱)

پندرہ شعبان کی تفصیل کی لیے تجلیاتِ قدسیہ کی حدیث نمبر ۲۰۳ دیکھ لیں۔

باب : يَتَنَزَّلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی کُلَّ لَيْلَةٍ إِلَی السَّمَاءِ الدُّنْيَا ......

باب: ہر رات حق جل مجدہ کا آسمان دنیا پر نزول

(٤٥٠) عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم يقول:

"يَتَنَزَّلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَ تَعَالَی کُلَّ لَيْلَةٍ إِلَی السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِیْ فَأَسْتَجِيْبُ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِیْ فَأُعْطِيَهُ؟ وَ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِیْ فَأَغْفِرَ لَهُ؟" [صحيح](أخرجه البخاری ج٨ ص٨٨)

اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے اور کہتا ہے

(۴۵۰) ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حق جل مجدہ ہر شب میں آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں، جب کہ ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے، کون ہے جو مجھ کو پکارے اور میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کے سوال کو پورا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے اور میں اس کی مغفرت کردوں۔

ہر رات حق تعالیٰ اپنے بندوں کو پکارتے ہیں

(٤٥١) عن أبی هريرة رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال:

"يَنْزِلُ اللّٰهُ إِلَی السَّمَاءِ الدُّنْيَا کُلَّ لَيْلَةٍ حِيْنَ يَمْضِی ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَوَّلُ فَيَقُوْلُ: أَنَا الْمَلِکُ أَنَا الْمَلِکُ. مَنْ ذَا الَّذِیْ يَدْعُوْنِیْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ مَنْ ذَا الَّذِیْ يَسْأَلُنِیْ فَأُعْطِيَهُ ؟ مَنْ ذَا الَّذِیْ يَسْتَغْفِرُنِیْ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ فَلَا يَزَالُ کَذٰلِکَ حَتّٰی يَضِیْءَ الْفَجْرُ." [صحيح] (أخرجه مسلم، ج ١ ص ٥٢٢)

(۴۵۱) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حق جل مجدہ ہر رات کو جب ایک تہائی رات گزر جاتی ہے تو آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں: **انا الملک، انا الملک** میں ہی بادشاہ ہوں، ہے

کوئی جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کے سوال کو پورا کروں؟ ہے کوئی جو مغفرت طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کروں؟ یہ آواز مسلسل لگائی جاتی ہے، یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو جائے۔

نزولِ رحمت کا وقت

(٤٥٢) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ:

"يَـنْـزِلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا لِنِصْفِ اللَّيْلِ الْآخِرِ أَوْ لِثُلُثِ اللَّيْلِ الْآخِرِ. فَيَقُوْلُ : مَنْ ذَا الَّذِیْ يَدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ مَنْ ذَا الَّذِیْ يَسْـأَلُـنِـیْ فَـأُعْـطِـيَـهُ؟ مَـنْ ذَا الَّـذِیْ يَسْتَغْفِرُنِیْ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ حَتّٰى يَطْلَعَ الْفَجْرُ أَوْ يَنْصَرِفَ الْقَارِیُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ." [صحیح] (أخرجه أحمد ج ٢ ص ٥٠٤)

(۴۵۲) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: حق جل مجدہ جب نصف آخر رات باقی رہتی ہے تو نزول فرماتے ہیں یا تہائی رات کے بعد اور ارشاد فرماتے ہیں: کوئی ہے جو مجھ سے دعائیں مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کے سوال کو پورا کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے مغفرت کی بھیک مانگے اور میں اس کی مغفرت کردوں؟ یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے اور نمازی فجر کی نماز سے واپس ہو جاتا ہے۔

(٤٥٣) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ:

"إِذَا مَـضَـى شَطْرُ اللَّيْلِ أَوْ ثُلُثَاهُ يَنْزِلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى إِلَى السَّمَاءِ الـدُّنْيَـا فَيَـقُـوْلُ: هَـلْ مِـنْ سَـائِـلٍ يُـعْـطٰى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ؟ حَتّٰى يَنْفَجِرَ الصُّبْحُ." [صحیح] (أخرجه مسلم ج ١ ص ٥٢٢)

(۴۵۳) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب رات کا ایک یا دو تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو حق جل مجدہ آسمان دنیا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: ہے کوئی سوالی جس کی جھولی کو بھر دیا جائے؟ ہے کوئی دعا

مانگنے والا جس کی دعا کو قبول کیا جائے؟ ہے کوئی مغفرت کا طالب جس کی مغفرت کر دی جائے؟ (یہ آواز لگائی جاتی رہتی ہے) یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے۔

وقتِ غنیمت و مغفرت

(٤٥٤) أبو هريرةؓ يقول: قال رسول اللّٰه ﷺ:

"يَنْزِلُ اللّٰهُ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا لِشَطْرِ اللَّيْلِ أَوْ لِثُلُثِ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَيَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِي فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ أَوْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ ثُمَّ يَقُوْلُ: مَنْ يُقْرِضُ غَيْرَ عَدِيمٍ وَ لَا ظَلُومٍ؟" [صحيح] (أخرجه مسلم ج ١ ص ٥٢٢/ ١٧١)

(۴۵۴) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: حق جل مجدہ ایک تہائی رات جب باقی رہ جاتی ہے تو آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کی مانگ کو پوری کر دوں؟ کوئی ہے جو ہاتھ پھیلائے اور میں اس کی جھولی کو بھر دوں؟ پھر حق جل مجدہ اپنا دست مبارک پھیلا کر ارشاد فرماتے ہیں: کوئی ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ ہضم کرے گا اور نہ ہی ظلم کرے گا۔

مسواک کی اہمیت

(٤٥٥) عن أبي هريرةؓ عن النبي ﷺ قال:

"لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ الْوُضُوْءِ وَ لَأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ نِصْفِ اللَّيْلِ فَإِذَا مَضٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ نِصْفُ اللَّيْلِ نَزَلَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهِ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَأَتُوْبَ عَلَيْهِ؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ فَأُجِيْبَهُ؟"

[صحيح] (أخرجه أحمد ج ١٨ / ٩٥٨٩)

(۴۵۵) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھ کو امت کی مشقت کا اندیشہ نہیں ہوتا تو میں وضو کے ساتھ مسواک کا حکم کرتا اور نماز عشاء کو ثلث ایک تہائی رات تک تاخیر کا حکم دیتا یا آدھی رات تک کا اور جب رات کا

ایک تہائی یا آدھی رات کا حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: ہے کوئی سوالی کہ اس کو عطا کروں؟ ہے کوئی مغفرت کا مانگنے والا میں اس کی مغفرت کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی دعا ومناجات والا کہ اس کی دعا قبول کروں؟ (احمد ۱۸/۹۵۸۹)

ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

(٤٥٦) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يقول:

"إِذَا بَقِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ يَنْزِلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَدْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَهُ؟ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَسْتَغْفِرُنِيْ أَغْفِرْ لَهُ؟ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَسْتَرْزِقُنِيْ أَرْزُقْهُ؟ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَسْتَكْشِفُ الضُّرَّ أَكْشِفُهُ حَتّٰى يَنْفَجِرَ الصُّبْحُ. "

[حسن](أخرجه أحمد ج ۲ ص ۵۲۱)

(۴۵۶) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: جب رات کا ایک تہائی حصہ بچ جاتا ہے، تو حق جل مجدہ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں: اور آواز دیتے ہیں: ہے کوئی جو مجھ سے مانگیں اور میں اس کی دعائیں قبول کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے مغفرت کا طلب گار ہو اور میں اس کی مغفرت کروں؟ ہے کوئی جو اپنی تکلیف ومصیبت کو دور کرنا چاہے اور میں اس کی مشکل کو حل کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے وسعت رزق کا طلبگار ہو اور میں اس کو وسیع رزق دوں؟ یہ صدا لگتی رہتی ہے (اور ہم سوتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ کی طرف سے راحت وآرام کا وقت

(٤٥٧) عن أبی سعيد رضی اللہ عنہ وأبی هريرة رضی اللہ عنہ قالا: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

"إِنَّ اللّٰهَ يُمْهِلُ حَتّٰى إِذَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَوَّلُ نَزَلَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ: هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ؟ هَلْ مِنْ تَائِبٍ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ؟ حَتّٰى

يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ." [صحيح] (أخرجه مسلم ج ١ ص ٥٢٣)

(۴۵۷) ترجمہ: ابوسعید رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حق جل مجدہ بندوں کو آرام کرنے کی فرصت دیتے ہیں، یہاں تک کہ ایک تہائی رات ختم ہوجاتی ہے تو آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: ہے کوئی مغفرت کا مانگنے والا؟: ہے کوئی توبہ کا کرنے والا؟ ہے کوئی سوال کا کرنے والا؟ ہے کوئی دعا ومناجات کرنے والا؟ یہاں تک کہ صبح طلوع ہوجاتی ہے۔ (اخرجہ مسلم ۱/۵۲۳)

کہاں ہیں سوالی

(٤٥٨) عن الأغر قال: أشهد على أبى هريرة رضی اللہ عنہ و أبى سعيد رضی اللہ عنہ أنهما شهدا على النبى صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال:

"إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُمْهِلُ حَتّٰى يَذْهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ يَنْزِلُ فَيَقُوْلُ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ؟ هَلْ مِنْ تَائِبٍ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ؟ هَلْ مِنْ مُذْنِبٍ قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: حَتّٰى يَطْلَعَ الْفَجْرُ؟ قَالَ: نَعَمْ." [صحيح] (أخرجه أحمد ج ٣ ص ٣٤)

(۴۵۸) ترجمہ: اغر سے روایت ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہ دونوں نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حق جل مجدہ بندوں کو آرام کرنے کی فرصت ومہلت دیتا ہے، یہاں تک کہ ایک تہائی رات ختم ہوجاتی ہے، پھر حق جل مجدہ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: ہے کوئی سوال کرنے والا؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا؟ ہے کوئی مغفرت مانگنے والا؟ ہے کوئی گنہگار؟ ایک شخص نے کہا: یہاں تک کہ صبح طلوع ہوجائے۔ اس کے جواب میں کہا: ہاں، یعنی یہ آواز صبح طلوع ہونے تک لگائی جاتی ہے۔

میرے بندے غیروں سے نہیں مانگتے

(٤٥٩) عن رفاعة الجهنى رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

"إِنَّ اللّٰهَ يُمْهِلُ حَتّٰى إِذَا ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ نِصْفُهُ أَوْ ثُلُثَاهُ قَالَ: لَا يَسْأَلَنَّ

عِبَادِیْ غَیْرِیْ. مَنْ یَدْعُنِیْ اَسْتَجِبْ لَهُ. مَنْ یَسْأَلُنِیْ أُعْطِهِ . مَنْ یَسْتَغْفِرُنِیْ أَغْفِرْ لَهُ حَتّٰی یَطْلَعَ الْفَجْرُ." [ضعیف] (أخرجه ابن ماجه ج ۱ /۱۳۶۷)

(۴۵۹) ترجمہ: رفاعہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حق جل مجدہ بندوں کو آرام کرنے کی مہلت دیتے ہیں یہاں تک کہ آدھی رات ختم ہوجاتی ہے یا ایک تہائی رات ختم ہوجاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے: میرے بندے غیروں سے نہیں مانگتے (یعنی بندہ میری طرف متوجہ ہے) جو مجھ سے مانگے گا، میں اس کی مرادیں پوری کروں گا، جو مجھ سے سوال کرے گا میں اس کو دوں گا، جو مجھ سے گناہوں کی مغفرت چاہے گا میں اس کی مغفرت کروں گا، یہاں تک کہ صبح ہوجاتی ہے۔

عقل معیارِ شریعت نہیں

یہاں ایک بات خاص طور پر ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ نہ ہماری سمجھ اور نہ ہی عقل معیار شریعت ہے، بلکہ کمال ایمان یہ ہے کہ ہم اپنی عقول اور فہم وفراست کو شریعت کے مطابق ڈھال دیں اور بلا کسی تحقیق وتفتیش کے شارع علیہ السلام سے منقول شدہ احکام یا تعلیمات کو بلا چوں چرا تسلیم کرلیں۔ اور خواہ مخواہ ان باتوں کا تجسس نہ کریں جس کو عقل سمجھنے سے قاصر ہے، کیونکہ اگر عقل تحقیق کے درپے ہوئی تو سوائے **ظلمات بعضھما فوق بعض** کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ اور خواہ مخواہ کی دردسری ہوگی اور اس پر تعجب بھی نہ کیا جائے۔ کیونکہ ہم محسوسات میں ہوا کی کیوں آخر حقیقت سے ناواقف ہیں۔ معلوم ہوا کہ دنیا میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کا ہم احساس بھی کرتے ہیں اور ادراک بھی ہوتا ہے مگر اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔

ہم جملہ اہل عقول کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ عقل کی ہمیں حقیقت بتلا دیں۔ انشاء اللہ قیامت آئے گی مگر اس مسئلہ پر لب کشائی بھی ممکن نہیں، آپ کے جسم میں قوت ناطقہ موجود ہے جس کو روح یا جیون کہتے ہیں، جب وہ جدا ہوجاتی ہے تو جسم بدبودار وبے کار ہوکر رہ جاتا ہے، آخر ہم کیوں اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ مشرکین مکہ نے روح کے متعلق

جناب سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ مسئلہ کا جواب دیا گیا ''الروح من أمر ربی'' روح امر ربی ہے۔ حکم ربی کا مظہر ہے، معلوم ہوا کہ روح کی حقیقت انسان کے سمجھ سے بالاتر تھی اور ہے بھی کہ صرف ایک جامع لفظ کی صورت میں جواب دیا گیا۔

اس لیے اس نزول کے سلسلہ میں بھی ہماری قوۃ مدرکہ کام نہیں کرتی، اور ہم یقیناً اور بلا کسی شک وتردد کے نزول باری پر ایمان لاتے ہیں اس لیے محدثین حضرات فرماتے ہیں کہ یہ متشابہات کے قسم سے ہے۔ جس کی نہ ہمیں تحقیق کی ضرورت ہے نہ ہی تحقیق کا کچھ حاصل ہے، بلکہ ہم کو اس پر صرف ایمان لانا ہے اور یہی ہمارے بس میں ہے، بلکہ یہ لاعلمی کا اعتراف ہی دراصل بڑا علم ہے، کیونکہ ایمان بھی تو بالغیب مطلوب ہے۔

متشابہات پر ایمان لانا واجب ہے

اور جس طرح ''یداللّٰہ، وجہ اللّٰہ'' استویٰ علی العرش کی کیفیت سے ہم ناواقف ہیں اور یہ ایک مسلّمہ صفت باری اور حقیقت ہے، لہٰذا جس طرح دیگر متشابہات کی حقیقت ہم نے علام الغیوب کے سپرد کردیا اور ایمان لائے اس کی بھی حقیقت کا علم اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں کہ اس کی جو بھی حقیقت ہو وہ حق اور ناقابل انکار اور شرائط ایمان سے ہے، اور یہی علماء اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور ائمہ سلف کا مسلک بھی یہی رہا ہے کہ اس سلسلہ میں اپنی نارسائی اور جہالت کا ہی اعتراف کیا جائے۔

نیز یہ بات بھی خوب ذہن میں رہنی چاہیے کہ آخر انبیاء علیہ السلام کا مقصد کیا ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ انبیاء علیہ السلام بھی اس لیے تشریف لائے کہ عالم مغیبات کے اسرار و حکم، جو ہماری سوچ وسمجھ سے بالاتر ہے اس کی ہمیں خبر دیں اور ہم اس پر ایمان لائیں۔

لہٰذ جب حدیث بالا میں نزول رب العالمین کی کیفیت ہمارے لیے مجہول ہی ہے مگر وہ مجہول نہیں جو معدوم ہو بلکہ مجہول سے مراد ہماری قوۃ مدرکہ کی جہالت ہے۔

جب اللہ کو سمجھنا ہمارے لیے مشکل ہے تو اس کے نزول وصعود کا سمجھنا کیسے آسان ہوگا، واللہ اعلم، لیکن حدیث میں جو مضمون وارد ہوا ہے رب العالمین اپنی خاص رحمت کے

ساتھ رات کے آخری تہائی حصہ میں بندہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

نداءِ رحمتِ حق

اور ربّ العالمین کی یہ عنایت ہے کہ خود ہی اپنے بندوں کو دعا، استغفار، سوال، حاجت روائی اور جملہ انعامات سے نوازنے کے لیے آواز دیتی ہے، اور بار بار پکارتی ہے، ہے کوئی جو مجھ سے مانگے، اور میں اس کا سوال پورا کردوں، مگر ہائے ہماری بدنصیبی کہ ارحم الراحمین تو آواز دیں اور ہم اپنے بستروں پر خوابگاہوں میں دنیاوی چند منٹ کی راحت کی خاطر ابدی راحتوں کو چھوڑ دیں۔ اللہ ہمیں محض اپنے لطف وکرم سے قیام لیل کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

آج بھی جو خاصان حق اس حدیث پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اپنی خابگاہوں سے اٹھنا اور بستر استراحت کو چھوڑنا ان لوگوں سے زیادہ آسان ہے جتنا دوسرے لوگوں کے لیے مشکل ہے۔

حدیث سے خاص کر ثُلُثِ لیل میں عبادت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ بہت ہی ظاہر ہے کیونکہ نماز عشاء اور فجر کے درمیان کافی وقت ہے جس میں کوئی دوسری نمازیں فرض نہیں اور کافی لمبا وقت فارغ از عبادت ہے، حالانکہ یہ وقت عام طور پر از حد پرسکون اور اطمینان بخش ہوتا ہے، کیونکہ فضاء بھی رات میں سکون اور عالم راحت میں ہوتی ہے۔ اور دیگر مشغولیات سے انسان بھی آزاد ہوتا ہے، اگر آدمی عشاء کی نماز کے بعد آرام کرلے اور دو ثلث رات گزرنے کے بعد اُٹھ جائے تو یہی وقت تہجد کا ہے اور اسی وقت سوکر اٹھنے کی وجہ سے قلب بھی از حد وساوس سے پاک ہوتا ہے، کامل اور مکمل یکسوئی اور دلجمعی کا وقت ہوتا ہے۔ اگر اس وقت نماز ادا کی جائے تو اس وقت کی نماز عام اوقات کی نمازوں کی بہ نسبت زیادہ اچھی حالت میں ادا ہوتی ہے، یعنی حالت احسان کے قریب زیادہ ہوتی ہے نیز رات کی نماز (یعنی تہجد کی) نفس کو از حد شاق گزرتی ہے، اس لیے نفس کی تہذیب میں تہجد کو زیادہ دخل ہے۔ صالحین کا عمل نماز تہجد ہے اور پھر استغفار اور دعا اگر

دلجمعی سے ہوتو پھر کیا کہنا، **اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا بِقِیَامِ اللَّیْلِ ،آمین یا رب العٰلمین۔**

قرآن مجید میں بھی قیام لیل کی فضیلت آئی ہے، مثلاً: ﴿**اِنَّ نَـاشِـئَۃَ الـلَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیلًا**﴾ بےشک رات کے اٹھنے میں دل اورزبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے (تھانوی) یعنی رات کی عبادت (نماز) میں دل اورزبان سے جو دعا اورقرأت قرآن نکلتا ہے خوب ٹھیک یعنی دل سے نکلتا ہے۔یعنی دل کی آواز ہوتی ہے اورزبان مکمل دل کی ترجمانی میں مشغول ہوتا ہے اورگویا کہ عالم بیداری اورہوش کے ساتھ ربّ العالمین کی طرف انسان متوجہ رہتا ہے۔

قرآن حکیم نے ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ میں ان لوگوں کی تعریف کی ہے، ﴿**تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفاً وَّ طَمَعًا**﴾ ان کے پہلو (اس وقت جبکہ لوگوں کے سونے کا خاص وقت ہے) خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں، وہ اس وقت اپنے پروردگار سے امید وبیم کے ساتھ دعا کرتے ہیں، آگے فرمایا گیا کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام اورصلہ جنت میں ملنے والا ہے جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ (السجدۃ)

ایک موقع پر آنحضور ﷺ کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ کو 'مقامِ محمود' کی امید دلائی گئی ہے، مقامِ محمود عالم آخرت میں اور جنت میں بلندترین مقام ہوگا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقامِ محمود اورنماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اورتعلق ہے اس لیے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انشاء اللہ مقامِ محمود میں کسی درجہ کی حضور ﷺ کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہوگی۔ (معارف الحدیث اختصاراً ج ۴ ص ۳۳۷)

بہر حال احادیث نبی ﷺ سے یہ بات بالکل ہی واضح ہوتی ہے کہ رات کے تہائی حصہ کے بعد حق جل مجدہ اپنی خاص رحمت واسعہ کے ساتھ سماءِ دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اوراپنے بندوں کی حاجت روائی فرماتے ہیں۔ بے حد خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو اس نداءِ باری پر لبیک کہتے ہیں اوراس وقت جب کہ تمام

عالم، عالمِ غفلت ونوم میں ہوتا ہے بیداری کے ساتھ عبادت اور حق جل مجدہ کی حمد وثنا میں مشغول ہوتے ہیں۔

کرنے کا کام یہ ہے کہ نزول کی کیفیت پر بحث کے بجائے اعمال صالحہ کی طرف تیزی سے قدم اٹھائیں، اور یقین کے ساتھ نزول رحمت باری کے وقت دل کے دروازوں کو ذات حق کی عنایات وبرکات کی طرف مائل کردیں۔ دوستو! کچھ چیزیں سمجھنے کی نہیں بلکہ یقین کے ساتھ کیفیتوں میں محسوس کرنے کی ہیں، ان کا تعلق وجدان وذوق، شعور وآگہی کے ساتھ ہے ایمانیات ویقینیات کا جتنا زیادہ اہتمام ہوگا مغیبات کی برکات کا مشاہدہ کھلتا چلا جائے گا۔ یہاں زبان گونگی ہوگی، دل صفتِ نطق سے مشرف ہوگا، آنکھ اندھی ہوگی، بصیرت دید کی لذت سے ہم کنار ہوگی، پھر آپ کو نزول کی بحث نہیں ہوگی۔ نزول کی کیفیت سے جو نعمت ملتی ہے، اس کے حصول کی جدوجہد ہوگی۔ کبھی اُٹھ کر بھی دیکھ لیں۔ کیا ملتا ہے، یہ سوال نہ کریں؟ یہاں وہ ملتا ہے جو کہیں نہیں ملتا۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بَرْدَ عَفْوِکَ۔

اللہ ہمیں بھی اپنے لطف وکرم سے اس لوگوں کی فہرست میں شمار فرمائے جن کو آہِ سحرگاہی کی لذت نصیب ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ بِفَضْلِکَ وَ بِجَاہِ نَبِیِّکَ ﷺ آمین، یارب العالمین.

لوگو! تمہیں کیا ہو گیا معیّتِ رسول ﷺ کو چھوڑ کر کہاں جارہے ہو

(٤٦٠) عن رفاعة الجهنی رضی اللہ عنہ قال: أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْكَدِيْدِ أَوْ قَالَ بِقَدِيْدٍ فَجَعَلَ رِجَالٌ مِّنَّا يَسْتَأْذِنُوْنَ إِلَى أَهْلِيْهِمْ فَيَأْذَنُ لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَحَمِدَ اللّٰهُ وَ أَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ:

"مَا بَالُ رِجَالٍ يَكُوْنُ شِقُّ الشَّجَرَةِ الَّتِى تَلِى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَبْغَضَ إِلَيْهِمْ مِنَ الشِّقِ الْآخَرِ فَلَمْ نَرَ عِنْدَ ذٰلِكَ مِنَ الْقَوْمِ إِلَّا بَاكِياً فَقَالَ رَجُلٌ : إِنَّ الَّذِىْ يَسْتَأْذِنُكَ بَعْدَ هٰذَا لَسَفِيْهٌ. فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ قَالَ حِيْنَئِذٍ: اَشْهَدُ عِنْدَ اللّٰهِ لَا

يَمُوْتُ عَبْدٌ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ ثُمَّ يُسَدِّدُ إِلَّا سَلَكَ فِى الْـجَـنَّةِ قَالَ: وَ قَدْ وَعَدَنِىْ رَبِّىْ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يُّدْخِلَ مِنْ أُمَّتِىْ سَبْـعِيْـنَ أَلْـفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَ لَا عَذَابَ وَ أَنِّىْ لَأَرْجُوْ أَنْ لَا يَدْخُلُوْهَا حَتّٰى تَبَوَّءُوْا أَنْتُـمْ، وَ مَـنْ صَـلَـحَ مِـنْ آبَـائِـكُمْ وَ أَزْوَاجِكُمْ وَ ذُرِّيَّاتِكُمْ مَسَاكِنَ فِى الْجَنَّةِ. وَ قَالَ: إِذَا مَضَى نِصْفُ اللَّيْلِ أَوْ قَالَ: ثُلُثَا اللَّيْلِ يَنْزِلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى السَّـمَـاءِ الـدُّنْيَـا فَيَـقُوْلُ: لَا أَسْأَلُ عَنْ عِبَادِىْ أَحَدًا غَيْرِىْ. مَنْ ذَا يَسْتَغْفِرُنِىْ فَـأَغْـفِـرَ لَـهُ؟ مَنْ ذَا الَّذِىْ يَدْعُوْنِـىْ أَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ مَنْ ذَا الَّذِىْ يَسْأَلُنِىْ أُعْطِيَهُ؟ حَتّٰى يَنْفَجِرَ الصُّبْحُ.'' [صحيح] (أخرجه أحمد، ج: ۴، ص: ۱۶)

(۴۶۰) ترجمہ: رفاعہ جہنی ﷛ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے جب ہم لوگ کدید یا قدید میں تھے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے گھر واپس جانے کی اجازت مانگنی شروع کی۔تو ان کو اجازت دے دی گئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے۔ اللہ کی حمد وثنا کی اور فرمایا: لوگوں کو کیا ہوگیا کہ درخت کا وہ حصہ جو رسول اللہ ﷺ کے قریب ہے ان کو ناپسند ہے، دوسری جانب کے مقابلہ میں (یعنی ہونا یہ چاہیے کہ نبی اللہ ﷺ جس جانب ہیں وہ جانب محبوب ہوتا اور دوسری جانب ناپسند اور معاملہ بالعکس ہے۔ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ معیت وصحبتِ رسول کو چھوڑ کر لوگ گھر بار اور اہل وعیال کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے) اس بات کو سن کر قوم وجماعت میں کوئی نہیں بچا جو رو نہ رہا ہو۔ (یعنی پورا مجمع رونے لگا) اسی میں سے ایک شخص نے کہا: اس کے بعد اب جو اجازت طلب کرے گا وہ بے وقوف ہی ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اس موقع پر فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کو حاضر جان کر گواہی دیتا ہوں کہ جو بھی اس حال میں مرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، سچے دل سے گواہی دے، پھر اس بات پر جم جائے تو وہ جنت کے اندر داخل ہوگیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستّر ہزار لوگوں کو بغیر کسی عذاب وحساب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ جنت کے ٹھکانہ ومسکن میں کوئی داخل نہ ہو سکے گا جب تک کہ یہ تعداد تم سے، تمہارے مؤمن باپ، تمہاری مومنہ بیوی اور بچوں سے پوری نہ کردی جائے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات کا جب آدھا حصہ گزر جاتا ہے یا دو تہائی حصہ تو حق جل مجدہ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے: میری ذات کے سوا میرے بندے سے کوئی دوسرا، اعمال کے متعلق سوال نہیں کرسکتا۔ (یعنی میں ہی اپنے بندوں کا محاسب ہوں، چاہوں مغفرت کردوں چاہوں سزادوں، دوسروں کو اس میں مداخلت کی اجازت نہیں، نہ ہی کسی قسم کی نکیر کا حق ہے) لہٰذا کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگتا ہے؟ میں اس کی مغفرت کروں گا۔ کون ہے جو مجھ سے دعائیں مانگتا ہے؟ میں اس کی دعاؤں کو قبول کروں گا۔ کون ہے جو مجھ سے سوال کرتا ہے میں اس کے سوال کو پورا کروں گا۔ یہاں تک کہ صبح طلوع ہوجاتی ہے۔ (اخرجہ احمد ۴/ ۱۶)

آخری تہائی حصہ رات میں نزول رحمت

(٤٦١) عن ابن مسعود رضي الله عنه أن رسول اللّٰه ﷺ قال:

"إِذَا كَـانَ ثُـلُـثُ اللَّيْلِ الْبَاقِي يَهْبِطُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا ثُمَّ تُـفْتَـحُ أَبْـوَابُ السَّمَاءِ ثُمَّ يَبْسُطُ يَدَهُ فَيَقُوْلُ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطَى سُؤْلَهُ: فَـلَا يَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَطْلَعَ الْفَجْرُ." [صحيح] (أخرجه أحمد ج ٥/ ٣٦٧٣)

(۴۶۱) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو حق جل مجدہ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھول دیتے ہیں، پھر اپنا دست مبارک پھیلا دیتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے: ہے کوئی سوالی جس کے سوال کو پورا کیا جائے؟ یہ آواز مسلسل لگائی جاتی ہے یہاں تک کہ طلوع فجر ہوجاتی ہے۔

نزول واجلالِ باری

(٤٦٢) عن نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ عن أبیه عن النبی ﷺ قال:

"یَنزِلُ اللّٰهُ عَزَّوَجلَّ فِیْ کُلِّ لَیْلَةٍ إِلَی السَّمَاءِ الدُّنیَا فَیَقُوْلُ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِیَهُ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ حَتّٰی یَطْلَعَ الْفَجْرُ."

[صحیح] (أخرجه أحمد ج ٤ ص ٨١)

(۴۶۲) ترجمہ: نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ ہر شب میں آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اورارشاد فرماتے ہیں: ہے کوئی سوالی کہ اس کا سوال پورا کیا جائے، ہے کوئی مغفرت کا طلب گار کہ اس کی مغفرت کردی جائے۔ یہاں تک کہ صبح طلوع ہوجاتی ہے۔ (احمد۴/۸۱)

توبہ کرنے والے کہاں ہیں

(٤٦٣) عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه ﷺ قال:

"لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰی أُمَّتِیْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلَاةٍ وَ لَأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ إِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ، فَإِنَّهُ إِذَا مَضٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْأَوَّلُ هَبَطَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی إِلٰی سَمَاءِ الدُّنْیَا فَلَمْ یَزَلْ هُنَالِکَ حَتّٰی یَطْلَعَ الْفَجْرُ یَقُوْلُ: أَلَا سَائِلٌ؟ فَیُعْطٰی. أَلَا دَاعٍ؟ فَیُجَابَ. أَلَا مُسْتَشْفِعٍ؟ فَیُشْفَعَ. أَلَا تَائِبٌ مُسْتَغْفِرٌ فَیُغْفَرَ لَهُ." [حسن] (أخرجه البزار ج ۱/ ۴۹۱ کشف الأستار)

(۴۶۳) ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر میری اُمت پر دشوار نہیں ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم کرتا اور نماز عشاء کو ایک تہائی رات تک تاخیر کا حکم کرتا اس لیے کہ جب ایک تہائی گزر جاتی ہے تو حق تبارک وتعالیٰ اپنی خاص رحمتوں کے ساتھ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور طلوع فجر تک حق تعالیٰ آسمان دنیا پر ہوتے ہیں اورارشاد فرماتے ہیں: کہاں ہے سوالی کہ اس کو عطا

کروں؟ ہے کوئی دعا مانگنے والا کہ اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی سفارش کرنے والا کہ اس کی شفاعت وسفارش قبول کروں؟ ہے کوئی توبہ کے ذریعہ مغفرت مانگنے والا کہ اس کی مغفرت کروں۔ (اخرجہ بزار: ۱/۴۹۱)

سب کی دعا قبول سوائے زانیہ اور ٹیکس وصولنے والا

(٤٦٤) قال الطبرانی فی الأوسط:

عن عثمان بن أبی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال:

”تُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ فَيُنَادِي مُنَادٍ: هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَجَابَ لَهُ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطٰى هَلْ مِنْ مَكْرُوْبٍ فَيُفَرَّجَ عَنْهُ فَلَا يَبْقَى مُسْلِمٌ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ إِلَّا زَانِيَةٌ تَسْعٰى بِفَرْجِهَا أَوْ عَشَّارًا.“ [صحیح] (کما فی السلسلة الصحیحة ج ۳/۱۰۷)

(۴۶۴) ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدھی رات کے وقت آسمان کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور ایک آواز لگانے والا آواز دیتا ہے، ہے کوئی دعا کا مانگنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی دامن پھیلانے والا سوالی کہ اس کے دامن کو بھر دیا جائے؟ ہے کوئی بے چین و پریشان کہ اس کی بے چینی و پریشانی دور کردی جائے۔کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اس وقت دعا کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول کرتے ہیں سوائے زانیہ عورت کہ جو اپنی شرم گاہ لیے پھرتی ہے زنا کے لیے یا ظلماً چنگی و ٹیکس وصولنے والا۔ (السلسلة الصحیحه ۳/۱۰۷۳)

(٤٦٥) عن عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال:

”يُنَادِي كُلَّ لَيْلَةٍ سَاعَةً فِيهَا مُنَادٍ: هَلْ مِنْ دَاعٍ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهُ؟“ [ضعیف] (أخرجه أحمد ج ۴ص ۲۱۷)

(۴۶۵) ترجمہ: عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

ہر رات ایک متعین وقت پر اللہ تعالیٰ کا منادی آواز لگاتا ہے: ہے کوئی دعا کا مانگنے والا کہ اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی سوالی کہ اس کا سوال پورا کردوں؟ ہے کوئی مغفرت کا مانگنے والا کہ میں اس کی مغفرت کردوں۔ (اخرجہ احمد ۴/ ۲۱۷)

وسعتِ رزق کے حصول کا وقت

(٤٦٦) للطبراني في الكبير عنه (عبادة بن الصامت):

قال رسول الله ﷺ:

"يَـنْـزِلُ رَبُّـنَا تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقِى ثُلُثُ اللَّيْلِ فَيَقُوْلُ: أَلَا عَبْدٌ مِنْ عِبَادِىْ يَدْعُوْنِىْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ أَلَا ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ يَدْعُوْنِىْ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ أَلَا مُقَتَّرٌ رِزْقُهُ؟ أَلَا مَظْلُوْمٌ يَدْعُوْنِىْ فَأَنْصُرَهُ؟ أَلَا عَانٍ فَأفكَ عَنْهُ؟ فَيَكُوْنُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَصْبَحَ الصُّبْحُ ثُمَّ يَعْلُوْ جَلَّ وَ عَزَّ عَلٰى كُرْسِيِّهِ."

[ضعيف] (كما في مجمع الزوائد ج١٠ ص١٥٤)

(۴٦٦) ترجمہ: عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: ہے کوئی شخص میرے بندوں میں سے جو مجھ کو پکار رہا ہو؟ میں اس کی مانگ کو قبول کروں گا۔ ہے کوئی گناہ ومعصیت کرکے اپنے جان پر ظلم کرنے والا؟ جو مجھ کو پکار رہا ہو میں اس کی مغفرت کروں گا، ہے کوئی جس کا رزق تنگ ہو؟ ہے کوئی مجھ سے مدد چاہنے والا کہ میں اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کو اس سے دور کردوں؟ یہ آواز مسلسل لگائی جاتی ہے حتی کہ صبح ہوجاتی ہے پھر حق جل مجدہ اپنی کرسی پر جلوہ افروز ہوجاتے ہیں۔ (مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۵۴)

جنتِ عدن کن لوگوں کا مقدر ونصیب ہے

(٤٦٧) لابن جرير وابن أبی حاتم رضي الله عنه و الطبرانی وابن مردوية عنه(أبی الدرداء رضي الله عنه):

"يَنْزِلُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ آخِرِ ثَلَاثِ سَاعَاتٍ يَبْقَيْنَ مِنَ اللَّيْلِ فَيَنْظُرُ اللّٰهُ فِی السَّاعَةِ الْأُوْلٰى مِنْهُنَّ فِی الْكِتَابِ الَّذِیْ لَا يَنْظُرُ فِيْهِ غَيْرُهُ، فَيَمْحُوْ مَا يَشَاءُ وَ يُثْبِتُ، ثُمَّ يَنْظُرُ فِی السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ جَنَّاتِ عَدْنٍ، وَ هِیَ مَسْكَنُهُ الَّذِیْ يَسْكُنُ لَا يَكُوْنُ مَعَهُ فِيْهَا أَحَدٌ إِلَّا الْأَنْبِيَاءُ وَ الشُّهَدَاءُ وَ الصِّدِّيْقُوْنَ، وَ فِيْهَا مَا لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ وَ لَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ ثُمَّ يَهْبِطُ آخِرَ سَاعَةٍ مِنَ اللَّيْلِ فَيَقُوْلُ: أَلَا مُسْتَغْفِرٌ يَسْتَغْفِرُنِیْ؟ فَأَغْفِرَ لَهُ. أَلَا سَائِلٌ يَسْأَلُنِیْ؟ فَأُعْطِيَهُ. أَلَا دَاعٍ يَدْعُوْنِیْ؟ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ. حَتّٰى يَطْلَعَ الْفَجْرُ وَ ذٰلِكَ قَوْلُهُ:

﴿وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾ (الإسراء: ٧٨)

فَيَشْهَدُهُ اللّٰهُ وَ مَلَائِكَتُهُ اللَّيْلَ وَ النَّهَارِ."

[ضعيف] (كما فی كنزالعمال ج ٢ /٣٤٠٨)

(۴٦٧) ترجمہ: حضرت ابودرداء رضي الله عنه سے روایت ہے: حق جل مجدہ جب رات کے آخری تین گھنٹے باقی رہ جاتے ہیں، تو نزول فرماتے ہیں تو پہلی ساعت میں کتاب (اعمال) کی جانب نظر فرماتے ہیں، جس کو ان کے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا، تو جس قدر چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں رکھتے ہیں۔ پھر دوسری ساعت میں جنت عدن کی جانب نظر فرماتے ہیں، یہ ایسی جنت ہے جس میں انبیاء، شہداء، اور صدیقین کے سوا کوئی بھی نہیں ہوگا، یہ ایسی جنت ہے جس کو کسی نے دیکھا اور نہ ہی کسی بشر کے قلب پر اس کی نعمت کا گزر ہوا، پھر آخری ساعت میں حق تعالیٰ اپنے بندوں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: ہے کوئی مغفرت کا مانگنے والا کہ اس کی مغفرت کردی جائے؟ ہے کوئی مجھ سے سوال کرنے والا کہ میں اس کے سوال کو پورا کردوں؟ ہے کوئی مجھ سے دعائیں

مانگنے والا کہ میں اس کی دعائیں قبول کروں؟ یہ آواز صبح صادق تک لگائی جاتی ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا (وَ قُرْءَ انَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْءَ انَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾ پس اللہ پاک اور فرشتے رات و دن کی گواہی دیتی ہیں۔

فرشتوں کے روبرو قرآن مجید کی تلاوت

نماز فجر میں لمبی قرأت کی حکمت شاید قرآن الفجر سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہو کہ طویل قرأت فجر میں مطلوب ہے۔ (عثمانی)

فجر و عصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے، لہٰذا ان دنوں وقتوں میں لیل و نہار کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے، تو ہماری قرأت اور نماز ان کے روبرو ہوئی جو مزید برکت و سکینہ کا موجب ہے، اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے اللہ کے پاس شہادت دیں گے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب آئے تب بھی، اس کے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے۔ (عثانی)

نماز عصر و فجر میں فرشتوں کی شرکت و اجتماع

نماز عصر و فجر میں فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ بعض فرشتے انسان کی حفاظت اور اس کے اعمال کو لکھنے والے، دن کے فرشتے الگ اور رات کے الگ ہیں۔ صبح کی نماز میں دونوں جماعتیں فرشتوں کی جمع ہوتی ہیں رات کے فرشتے اپنا کام ختم کر کے اور دن کے فرشتے اپنا کام سنبھالنے کے لیے مجتمع ہو جاتے ہیں، اسی طرح شام کو عصر کی نماز میں دونوں جماعتیں مجتمع ہوتی ہیں جو باعث خیر و برکت ہے۔

اگر ہم لوگ اس استحضار کے ساتھ ان دونوں نمازوں کی جماعت میں شرکت کریں تو خضوع و خشوع میں خوب اضافہ ہو اور ہمارے لیے سکینہ کا سبب ہو۔

نماز وتر آدھی رات میں مناسب ہے

(٤٦٨) للطبرانی فی الکبیر عنه أبی الخطاب رضی اللہ عنہ:

أَنَّهُ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْوِتْرِ قَالَ: أَ تُحِبُّ أَنْ أُوْتَرَ نِصْفَ اللَّيْلِ؟ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَهْبِطُ مِنَ السَّمَاءِ الْعُلْيَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ:

"هَلْ مِنْ سَائِلٍ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ؟ حَتّٰى إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ ارْتَفَعَ." [ضعیف جداً] (کما فی الزوائد ج ۲ ص ۲۴۵)

(۴۶۸) ترجمہ: ابو الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا وتر کے متعلق۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم پسند کرو گے کہ وتر آدھی رات میں ادا کیا کرو۔ اس لیے کہ حق جل مجدہ آسمانِ علیا سے آسمانِ دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں: ہے کوئی سوال کرنے والا؟ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا؟ ہے کوئی دعا کرنے والا یہاں تک کہ صبح طلوع ہوجاتی ہے۔ حق تعالیٰ آسمان علیا پر تمکین فرما لیتے ہیں۔

(الزوائد ۲/۲۴۵)

كِتَابُ التَّوْبَةِ وَ الْإِنَابَةِ

توبہ وانابت کا بیان

باب : إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ مِنِّیْ شِبْرًا ......

باب: جب بندہ مجھ سے ایک بالشت بھی قریب ہوتا ہے

(٤٦٩) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: ربما ذكر النبی ﷺ قال:

"إِذَا تَـقَرَّبَ الْعَبْدُ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَ إِذَا تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا أَوْ بُوْعًا." [صحيح] (أخرجه البخاری ج ٩ ص ١٩٢)

بندہ جب اللہ سے قریب ہوتا ہے تو اللہ اس سے زیادہ قریب ہوتا ہے

(۴۶۹) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں بندہ کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور بندہ جب ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک گز قریب ہوتا ہوں۔

(اخرجه البخاری ۹/۱۹۲)

قرب ومعیت تمہاری ہمت کے بقدر

(٤٧٠) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال:

"قَـالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ : إِذَا تَقَرَّبَ عَبْدِیْ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَ إِذَا تَـقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا — أَوْ بُوْعًا — وَ إِذَا أَتَانِی يَمْشِی أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً." [صحيح] (أخرجه مسلم ج ۴ ص ٢٠٦٧)

(۴۷۰) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ نے فرمایا: جب میرا بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں بندہ سے ایک ذراع (ہاتھ) قریب ہوتا ہوں اور جب بندہ ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں بندہ سے

ایک گز قریب ہوتا ہے، اور جب بندہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں بندہ کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔(اخرجہ مسلم ۴/ ۲۰۶۷)

آرزو، ارادہ، جذبات، ظاہر و باطن کا اتحاد تقرب کی اعلیٰ ترین علامت ہے

بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ میرا بندہ میرا تقرب کسی اور عمل سے جو مجھے پسند ہو اتنا حاصل نہیں کرتا جتنا کہ اس عمل سے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔گویا کہ صفت تقرب کے لیے فرائض ہی کا اہتمام ابتداً بنیادی عمل ہے، لہٰذا جو شخص تارک فرائض ہو وہ ولی تو درکنار، کامل الایمان ہی نہیں بن سکتا۔تو پھر لذت و ذائقہ ایمان اور حلاوت ایقان کو کیا خاک محسوس کرے گا۔فرائض کی حیثیت مثل ستون کے ہے جس کے اوپر اسلام کی بنیاد تعمیر ہوتی ہے اگر یہ ستون مضبوط ہے تو پھر کشاں کشاں منصب ولایت کی طرف قدم اٹھتا ہے۔

صاحب ترجمان السنۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق

دو انسان کے درمیان مراحل محبت طے کرتے کرتے بسا اوقات ایسے اثرات نظر آنے لگتے ہیں جنھیں ایک اجنبی شخص بھی دیکھ کر یہ اندازہ کرلیتا ہے کہ ضرور ان دو شخصوں میں کوئی ایسا تاثر و مغلوبیت کا تعلق ہے جس نے ان کے ظاہر کو بھی مسخر کرلیا ہے۔وہ دیکھتا ہے کہ نشست و برخاست کے اوضاع و اطوار سے گزر کر ان کے خط و خال میں بھی صفتِ ہم رنگی پیدا ہوگئی ہے۔جب آرزو کے اتحاد، ارادہ کے اتحاد، جذبات کے اتحاد کے ساتھ ظاہر کا یہ اتحاد نظر آنے لگتا ہے تو اس اتحاد کی صحیح ترجمانی کے لیے لفظ اتحاد کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں ملتا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

متنبّی کہتا ہے:

ما الخل الا من أودَ بقلبه
و اریٰ بطرف لا یری بسوائه

فارسی عربی کے شعراء نے آثارِ محبت کی ادائیگی کے لیے جس مناسب تعبیر کا انتخاب کیا ہے وہ لفظ اتحاد ہے مگر ان الفاظ سے یہاں کسی کو بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ اس اتحاد کی وجہ سے ان کی حقیقی اثنینیہ باقی نہیں رہتی، پھر جب مخلوق کے دائرہ میں ان الفاظ سے یہ کھلی ہوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تو خالق اور مخلوق کے درمیان کسی تعبیری توسیع سے عقیدہ کی غلط فہمی کیوں پیدا ہو جاتی ہے، بلا شبہ جب ایک بندہ راہِ عبدیت پر گامزن ہوتا ہے اور فرائض و نوافل کے سبب عجز و نیاز کے قدم اُٹھاتا چلا جاتا ہے تو یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اب اس کے ظاہر و باطن کو سلطان الوہیت نے پورا پورا مسخر کر لیا ہے۔ اگر وہ سنتا ہے تو وہی سنتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سننے کا ارادہ کیا ہے، اگر دیکھتا ہے تو وہی دیکھتا ہے اور بولتا ہے جس کی اس کو اجازت دی گئی ہے۔ اگر وہ اپنا ہاتھ یا قدم اٹھاتا ہے تو وہیں اٹھاتا ہے جہاں اس کے مولیٰ نے اس کے لیے اٹھانا پسند کیا ہے اس کے سوا نہ وہ کچھ سنتا نہ دیکھتا ہے نہ اور کوئی ادنیٰ جنبش کرتا ہے، تو اس ربط محبت کے اظہار کے لیے لامحالہ وہی الفاظ اختیار کرنے پڑتے ہیں جو اس موقع و محل کے لیے مانوس ہیں پھر جس طرح وہاں ان الفاظ کا کھلا ہوا مطلب صرف اس رشتہ محبت کی ترجمانی ہے اسی طرح یہاں بھی ان الفاظ کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ اب بندہ وادی محبت طے کرتا ہوا اپنے مولیٰ کی رضا تسلیم میں فنا ہو چکا ہے اور اوامر شریعت کا اس طرح مطیع و منقاد ہو گیا ہے جیسا کہ ایک شائستہ گھوڑا اپنے سوار کے اشارات کا، نہ اس گھوڑے کی حس و حرکت اپنی ہے نہ اس بندہ کی نقل و حرکت اپنی، دیکھنے میں تو یہ خود ٹھہرتا اور حرکت کرتا ہے اور حقیقت میں اس کی حس و حرکت اس کے مالک ہی کی ہے، اس کے جوارح اور اس کے ارادہ کے مظاہر بنے ہوئے ہیں، جب مخلوق کی قوتِ ارادی اس درجہ فنا ہو جاتی ہے کہ اس کا حرکت و سکون دوسرے کے ارادہ کے تابع ہو جائے تو پھر اس کا حکم اسی صاحب ارادہ کے تابع ہو جاتا ہے۔ کتّا جیسا خبیث جانور مُعلَّم ہو کر جب اپنی

قوت ارادہ فنا کر دیتا ہے اور ہمہ تن اپنے مالک کی رضا کے تابع ہو جاتا ہے، تو شریعت نے اس کے جوارح کا اپنا کوئی حکم باقی نہیں رکھا۔ بلکہ جو اس کے مالک کا حکم ہے اس کا بھی وہی حکم رکھ دیا ہے۔ اس لیے اگر کتا مسلمان کا ہے تو اس کا شکار حلال ہے اور اگر کافر کا ہے تو اس کا شکار حرام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس درجہ فنائیت کے بعد اب شکار اس کتے کا ہے ہی نہیں، بلکہ اس کے مالک کا ہے، اگر وہ مسلمان تھا تو یہ بھی حلال ہے اسی طرح جب بندہ اپنے ارادات کو فنا کر دیتا ہے تو پھر یہ اطلاق درست ہو جاتا ہے کہ اس کے سمع وبصر مشیت ایزدی کا مظہر بن گئے ہیں آپ نے دیکھا کہ فنا ارادہ کے اس مرحلہ پر پہنچ کر کس طرح ایک کتا اپنے مالک کا حکم اختیار کر لیتا ہے، مگر جب ایک انسان شریعت کی متابعت کی بجائے اس سے ٹکرانے لگتا ہے تو پھر اس کا حکم جانور سے بدتر ہو جاتا ہے۔

اس مضمون کو یہاں پوری احتیاط سے ادا کیا گیا ہے اور اسی لیے یہ نہیں فرمایا کہ ”کنت ھو انا“ یعنی اتحاد ذات کی بجائے صرف اس کے ان ظاہری حواس کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کے افعال کے لیے محرک بنتے ہیں، جہاں تک غور و تجربہ سے معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت میں مجاز و استعارہ کی وہ سب شائستہ تعبیرات جائز رکھی گئی ہیں، جو عربی زبان میں کسی غلط فہمی کا موجب نہ ہوں، اور جن تعبیرات و مجازات سے کوئی ادنیٰ ابہام بھی پیدا ہو سکتا تھا ان سے تمام تر احتراز کیا گیا ہے۔ (ترجمان السنۃ ج ۱/ ۳۱۲ تا ۳۱۵)

حق جل مجدہ کی رحمت بندہ کی رفتار سے زیادہ تیز

(٤٧١) حدثنا أبو هريرة رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ فذكر أحاديث منها:

وقال رسول الله ﷺ:

”إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: إِذَا تَلَقَّانِیْ عَبْدِیْ بِشِبْرٍ تَلَقَّيْتُهُ بِذِرَاعٍ وَ إِذَا تَلَقَّانِیْ بِذِرَاعٍ تَلَقَّيْتُهُ بِبَاعٍ وَ إِذَا تَلَقَّانِیْ بِبَاعٍ جِئْتُهُ أَتَيْتُهُ بِأَسْرَعَ.“

[صحيح] (أخرجه مسلم ج ٤ ص ٢٠٦١)

(۴۷۱) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: حق تعالیٰ نے فرمایا: جب میرا بندہ مجھ سے ملنے کے لیے ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ چلتا ہوں اور جب مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں بندہ کے ایک گز قریب ہوتا ہوں اور جب بندہ ایک گز مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں بندہ کے پاس بندہ کی رفتار سے زیادہ تیز آتا ہوں۔ (مسلم۴/۲۰۶۱)

رحمتِ حق کی تیز رفتاری

(۴۷۲) عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ یرویه عن ربه قال:

"إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا ، وَ إِذَا تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا ، وَ إِذَا أَتَانِيْ يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً."

[صحيح] (أخرجه البخاری ج ۹ ص ۱۹۱)

(۴۷۲) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ نے فرمایا: "جب میرا بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے، تو میں اپنے بندے کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، جب وہ ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، تو میں ایک گز قریب ہوتا ہوں اور جب وہ چل کر قدم بہ قدم آتا ہے، تو میں دوڑ کر اپنے بندے کے قریب ہوتا ہوں۔

بندہ اور معبود کا ربط و تعلق

اس حدیث میں خالق ومخلوق، بندہ ومعبود اور قادر وعاجز کے درمیان کامل ربط اور اس تعلق کا اظہار ہے جو ایک مؤمن کو اپنے رب سے ہوتا ہے۔ انسانی فطرت کو جو ذات تسکین وطمانیت پہنچاتی ہے اور حزن وملال کو قرار کی دولت سے مالا مال کرتی ہے، وہ حق جل مجدہ کی ذات ہے۔ حق جل مجدہ اپنے بندوں سے بے حد قریب نہیں، بلکہ اقرب ترین ہے، بندہ جب عبادت واطاعت کی راہ اختیار کرتا ہے تو حق جل مجدہ قرب کی منزلیں طے کرنا آسان کر دیتا ہے۔ درحقیقت قرب کا راستہ طے کرا دیتا ہے۔ حق جل مجدہ بندہ کی جانب اپنی رحمتوں سے قریب ہے اگر بُعد ہے تو بندہ کی طرف سے ہے۔ نہ کہ حق تعالیٰ کی جانب سے۔ لہٰذا جب انسان اس بُعد کو دور کرنا چاہتا ہے تو حق جل مجدہ غیب سے اس کی

دست گیری فرماتے ہیں اس طرح کہ، جس قدر یہ حجاب اور بُعد و دوری عبادت و اطاعت سے ختم کرتا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ اس سے دوگنا زیادہ بُعد کو ختم کر دیتا ہے۔ الغرض حق جل مجدہ کی ذات بندہ کو ہروقت اپنی آغوشِ رحمت میں لے کر قریب سے اقرب رکھنا چاہتی ہے، کوئی آئے تو صحیح، بقول علامہ اقبال:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں

قربِ الٰہی کی لذت چاہیے تو کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھئے اور وجدانی و ذوقی طور پر اس نعمتِ ایمانی کو دیدۂ باطن میں محسوس کیجیے۔ الفاظ منزل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ منزل کی طرف قدم اُٹھایئے اور لذتِ قرب کو کیفیت احسانی میں محسوس کیجیے اور كُونُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ کے مصداق بن جایئے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَ قُرْبَكَ بِفَضْلِكَ الْعَظِيْمِ يَا ذَا الفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

حق تعالیٰ بندہ کو کب دل میں یاد کرتے ہیں

(٤٧٣) عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ:

"قَالَ اللّٰهُ : يَا ابْنَ آدَمَ ! إِنْ ذَكَرْتَنِيْ فِيْ نَفْسِكَ ذَكَرْتُكَ فِيْ نَفْسِيْ، وَ إِنْ ذَكَرْتَنِيْ فِيْ مَلَأٍ ذَكَرْتُكَ فِيْ مَلَأٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ أَوْ فِيْ مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَ إِنْ دَنَوْتَ مِنِّيْ شِبْرًا دَنَوْتُ مِنْكَ ذِرَاعًا، وَ إِنْ دَنَوْتَ مِنِّيْ ذِرَاعًا دَنَوْتُ مِنْكَ بَاعًا، وَ إِنْ أَتَيْتَنِيْ تَمْشِيْ أَتَيْتُكَ أُهَرْوِلُ. قَالَ قَتَادَةُ فَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ أَسْرَعُ بِالْمَغْفِرَةِ." [صحيح](أخرجه أحمد ج ٣ ص ١٣٨)

(۴۷۳) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ نے فرمایا: اے آدم کی اولاد! جب تو مجھ کو دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی تجھ کو دل میں یاد کرتا ہوں اور جب تو کسی مجمع میں مجھ کو یاد کرتا ہے تو میں فرشتوں کے مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ یا تیرے مجمع سے بہتر مجمع (مقربین بارگاہ، حاملین عرشِ ملائکہ) میں

یادکرتا ہوں۔ اگرتو میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں تیری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور اگرتو ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں ایک گز قریب ہوتا ہوں اور اگرتو چل کرآتا ہے تو میں دوڑ کرآتا ہوں۔

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں: اللہ عزوجل کی جانب سے مغفرت بہت تیزی کے ساتھ بندہ کی جانب آتی ہے۔ (اخرجہ احمد ۳/ ۱۳۸)

باب : مَنْ جَاءَ الْحَسَنَةَ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَ أَزِيْدُ ......

باب: حسنہ پرحسنات کا معاملہ

(٤٧٤) عن أبي ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ :

"يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا، وَ أَزِيْدُ، وَ مَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَجَزَاؤُهُ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا أَوْأَغْفِرُ، وَ مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَ مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَ مَنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً، وَ مَنْ لَقِيَنِيْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيْئَةً لَا يُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَقَيْتُهُ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً." [صحيح] (أخرجه مسلم ج ۴ ص٢٠٦٨)

ایک پردس

(۴۷۴) ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ فرماتا ہے: جو ایک نیکی کر کے لائے گا تو اس کے لیے دس گنا اور میں زیادہ بھی دے سکتا ہوں اور جو ایک بدی و گناہ کر کے آئے گا تو اس کے لیے بس ایک ہی۔ یا معاف بھی کردوں اور جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں ایک گز قریب ہوتا ہوں اور جو مجھ تک چل کرآتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کرآتا ہوں اور جو مجھ سے اس حال میں ملے کہ زمین کی مٹی کے برابر گناہ کر کے آئے مگر شرک نہ کیا ہو تو میں اس کے گناہ کے بقدر

مغفرت ورحمت کے ساتھ اس سے ملوں گا۔ (اخرجہ مسلم۔۴/۲۰۶۸)

جس کی رحمت غیر متناہی ہو، اس کے انعامات کی انتہاء بھی نہ ہونا چاہیے

حسنات کی اس تضعیف کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب ایمان و اسلام سے گذر کر صفت احسان میں قدم رکھا جائے۔ حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک نیکی پر اسکا دس گُنا ملنا تو اس امت کے حق میں عام ضابطہ ہے، لیکن اللہ کی رحمت اپنا دروازہ اس حد پر پہنچ کر بند نہیں کرتی، بلکہ سات سو اور اس سے بھی زیادہ دینے کی لیے کھلا رکھتی ہے۔ جیسے جیسے صفت احسان کامل ہوتی جائے گی، یعنی عبادت میں جتنا خلوص اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا جتنا تصور غالب ہوتا جائے گا، اتنا ہی ایک نیکی کا ثواب بڑھتا جائے گا۔ اسی طرح بعض وقت خود عمل کی برتری وفضیلت اور کبھی ضرورت کا بروقت احساس کرنا بھی ایک نیکی کو بے شمار نیکیاں بنا دیتا ہے۔ ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ حسب ذیل آیت تو عام مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ﴾۔ جو ایک نیکی کرے گا، اسکو اسکا دس گُنا ملے گا۔

کہیے مہاجرین کی لیے کیا ضابطہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے اور زیادہ ثواب، اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿وَ اِنْ تَکُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اگر نیکی ہو تو اسکو بڑھاتا ہے۔ اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر بیس لاکھ نیکیاں بھی لکھ دیتا ہے۔ جیسا کہ آیت بالا میں ہے کہ وہ اپنے پاس سے بڑا ثواب اور بھی دیتا ہے۔ تو اب سوچو کہ اس ثواب کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ (جامع العلوم والحکم ص ۲۵۵)

بہرحال نیکیوں کی تضعیف اور زیادتی کا ضابطہ سات سوگنہ پر جاکر ہی ختم نہیں ہوتا، اس سے بھی کہیں اوپر پہنچتا ہے۔ بیشک جس کی رحمت غیر متناہی ہو، اس کے انعامات کی انتہاء بھی نہ ہونا چاہیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی علی الحساب دادودہش اسلام کے اس اعلی مرتبہ سے شروع ہوتی ہے، جس کا نام احسان رکھا گیا ہے۔ (ترجمان السنۃ، ج۱،ص ۵۲۱)

اللہ تعالیٰ کی ہیبت وعظمت سے گناہ چھوڑنا نیکی ہے

(٤٧٥) عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ:

"یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ : اِبْنَ آدمَ ! إِنْ دَنَوْتَ مِنِّیْ شِبْرًا دَنَوْتُ مِنْکَ ذِرَاعًا، وَ إِنْ دَنَوْتَ مِنِّیْ ذِرَاعًا دَنَوْتُ مِنْکَ بَاعًا. اِبْنَ آدمَ ! إِنْ حَدَّثْتَ نَفْسَکَ بِحَسَنَۃٍ فَلَمْ تَعْمَلْھَا کَتَبْتُھَا لَکَ حَسَنَۃً، وَ إِنْ عَمِلْتَھَا کَتَبْتُھَا لَکَ عَشْرًا ، وَ إِنْ ھَمَّمْتَ بِسَیِّئَۃٍ فَحَجَزَکَ عَنْھَا ھَیْبَتِیْ کَتَبْتُھَا لَکَ حَسَنَۃً وَ إِنْ عَمِلْتَھَا کَتَبْتُھَا سَیِّئَۃً وَاحِدَۃً." [صحیح] (أخرجه الحاکم فی المستدرک، ج:۴،ص:۲۴۶)

(۴۷۵) ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ فرماتا ہے: ابن آدم! اگر تو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں تم سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک گز قریب ہوتا ہوں۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تو دل ہی دل میں نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور عمل نہیں کرتا تو بھی میں تیرے لیے ایک نیکی لکھ لیتا ہوں اور جب تو ارادہ کے بعد نیکی کر لیتا ہے تو میں دس نیکی لکھ لیتا ہوں اور جب بدی و برائی کا خیال آتا ہے اور برائی کو میری عظمت وہیبت سے نہیں کرتا تو بھی میں ایک نیکی لکھ لیتا ہوں اور اگر وہ بدی کر بھی لیتا ہے تو پھر ایک گناہ لکھتا ہوں۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک ۴/ ۲۴۶)

قراب الارض خطایا

(٤٧٦) عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ :

"قَالَ رَبُّکُمْ عَزَّوَجَلَّ: اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرٍ ، وَ السَّیِّئَۃُ بِوَاحِدَۃٍ ، وَ اَغْفِرُھَا وَ مَنْ لَقِیَنِیْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِیْئَۃً لَا یُشْرِکُ بِیْ لَقَیْتُہُ بِقُرَابِ الْأَرْضِ مَغْفِرَۃً، وَ مَنْ ھَمَّ بِحَسَنَۃٍ وَ لَمْ یَعْمَلْھَا کَتَبْتُ لَہُ حَسَنَۃً وَ مَنْ ھَمَّ بِسَیِّئَۃٍ فَلَمْ یَعْمَلْھَا لَمْ یُکْتَبْ عَلَیْہِ شَیْءٌ وَ مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ ذِرَاعًا وَ مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ

ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا.“ [صحيح] (أخرجه الطيالسي في مسنده ص ٦٢/٤٦٤)

(٤٧٦) ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تمہارے رب عزوجل نے فرمایا: ایک نیکی پر دس ثواب اور ایک بدی پر ایک گناہ اور میں معاف بھی کردوں گا۔ جو مجھ سے زمین کی مٹی کے برابر بھی گناہ کے ساتھ ملے گا اگر شرک نہیں کیا ہوگا تو میں اس کے گناہ کے برابر اور گناہ کے بقدر مغفرت کے ساتھ بندہ سے پیش آؤں گا۔ جو نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ لیتا ہوں اور جو بدی و برائی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ عملی جامہ نہ دے سکا تو میں کچھ بھی گناہ نہیں لکھتا ہوں اور جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، میں اس کے ایک گز قریب ہوتا ہوں۔ (اخرجہ الطیالسی ۶۲/۴۶۴)

ترکِ معاصی کا اجر وثواب

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عزم معصیت کے بعد اس پر عمل نہ کرنے پر نیکی صرف اس صورت میں لکھی جاتی ہے جب کہ اس معصیت کا نہ کرنا حق تعالیٰ کے خوف پر مبنی ہو، اگر ناسازگاریٔ حالات کی وجہ سے یہ معصیت وجود میں نہ آسکی یا کسی سہولت ونسیان کی بنا پر ذہن سے نکل گئی، تو اس قسم کی صورت میں صرف ترکِ معصیت سے وہ نیکی کا حقدار نہیں ہوتا ہے۔

صحیح مسلم میں اسراء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنا ملنے کا ضابطہ ان خصوصی انعامات میں داخل ہے جو معراج کی پُر اسرار شب میں آپ ﷺ پر کیے گئے تھے، بہر حال جس امت کو قلیل مدت میں تمام امتوں پر فائق بنانا منظور تھا اس کی صورت یہی ہوسکتی تھی کہ اس کے قلیل عمل کے لیے تضعیف کا ضابطہ وضع کردیا جائے، تاکہ اس جدید قانون کے تحت اس کے تھوڑے سے عمل بھی دوسری امتوں کے طویل مدتوں کے عمل سے بڑھ جائیں۔ اور اس پیرایہ سے عمل کی بازی جس امت کو جتانی منظور تھی وہ جیت

بھی جائے اور قانون عدل وفضل دونوں کا اقتضاء بھی پورا ہو جائے۔

اس حدیث میں کسی نیک یا بد کام کو عملی جامہ پہنانے یا ارادہ کرنے کی چار صورتیں مذکور ہیں:

(۱) نیکی کا ارادہ کر کے اس پر عمل کرلیا جائے۔

(۲) نیکی کا صرف ارادہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا۔

(۳) بدی کا ارادہ کر کے اس پر عمل بھی کرلیا جائے۔

(۴) بدی کا صرف ارادہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا۔

اس طرح یہ چار صورتیں بن جاتی ہیں، پہلی صورت میں ایک نیکی دس گنہ، سات سو گنہ اور کبھی مراتب اخلاص کے اعتبار سے شمار کی حد بندی سے بھی بے نیاز ہو جاتی ہے، دوسری صورت میں صرف ارادہ پر پوری ایک نیکی لکھدی جاتی ہے، لیکن بدی کا حکم یہ نہیں ہے۔ یہاں عمل کی صورت میں صرف ایک بدی لکھی جاتی ہے اور ارادہ کے بعد نہ کرنے پر بدی کے بجائے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

(عمل بد کرنے کے بعد ایک بدی اور ارادۂ بد پر بدون عمل بد ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اِنَّهٗ هُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں حدیث النفس کے بجائے ''هَــمَّ'' کا لفظ مروی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صرف خطرہ کا درجہ مراد نہیں بلکہ ارادہ کا وہ مرتبہ مراد ہے جس کے بعد عمل کے لیے دل میں فکر پیدا ہو جائے۔ اسی کا نام ''هَمَّ'' ہے۔

خریم بن فاتک کے الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عزم مراد ہے صرف وسوسہ وخیال مراد نہیں۔ مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَيَعْلَمُ اللّٰهُ مِنْهُ اَنَّهُ قَدْ اَشْعَرَ قَلْبُهُ وَ حَرَصَ عَلَيْهَا كَتَبْتُ لَهٗ حَسَنَةً ،جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر یہ بات ثابت کردی کہ وہ اس کا برابر احساس کر رہا ہے اور اس کو عمل میں لانے کے لیے حریص ہے پھر اس مراحل کے بعد بھی اگر اس کو نہ کیا تو بے شک اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے

گی۔صرف حسنہ کے ارادہ پر ایک نیکی لکھے جانے میں تو کوئی تفصیل نہیں ہے۔لیکن سیئہ کے ارادہ کر لینے کے بعد نہ کرنے پر ایک حسنہ ملنے پر قدرے تفصیل کی حاجت ہے۔

مواخذہ کے حدود

عزم علی المعصیة کی وہ صورت جس سے مقصود شریعت کا استخفاف واستہزاء ہو یہاں زیر بحث ہی نہیں یہ تو کھلا ہوا کفر ہے۔

اس طرح وہ صورت بھی زیر بحث نہیں ہے جہاں ایک شخص صرف اپنی خواہش نفس کی بنا پر کسی معصیت کا عزم کر لیتا ہے لیکن اس کے بعد اللہ کے خوف سے وہ اس معصیت کا ارتکاب نہیں کرتا یہاں بھی بلا شبہ اس کے خوف وخشیت کی وجہ سے ایک حسنہ کا ثواب ملنا چاہیے۔جیسا کہ صورت مذکورہ میں اگر ترک معصیت کا داعیہ مخلوق کا خوف یا محض ریا کاری ہو تو اس سے مواخذہ ہونا چاہیے غور طلب صورت صرف یہ ہے کہ ایک شخص عزم کر لینے کے بعد خود بخود اپنے ارادہ میں سست پڑ جاتا ہے اور اس لیے عمل کرنے کی اسے نوبت ہی نہیں آتی۔کیا اس کا صرف یہ عزم بھی معصیت شمار ہوگا۔یا جب کہ عمل کی حد تک پہنچا ہی نہیں تو معاف ہو جائے گا۔فقہاء و متکلمین ومحدثین کا مختار تو یہ ہے کہ چونکہ اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا اس لیے اس سے مواخذہ ہوگا گو یہ مواخدہ خود اس معصیت کے مواخذہ سے ہلکا رہے۔

ابن المبارکؒ نے سفیان ثوریؒ سے دریافت کیا، کیا آدمی کے ارادہ پر بھی مواخذہ ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں! جب پختہ ہو جائے گا، امام شافعیؒ اور ابن حامدؒ اس طرف ہیں کہ صرف عزم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے جب تک کہ اس کو منہ سے نہ نکالے یا اس پر عمل نہ کرے، یہ تمام تفصیل ان معاصی کے ارادہ میں ہے جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہو مثلاً چوری، زنا، شراب خوری، وغیرہ رہ گئے وہ اعمال جن کو اعمال قلبیہ کہا جاتا ہے جیسے کفر، حسد، جذبہ ایذاء رسانی وغیرہ جہاں عمل جوارح کا سوال ہی نہیں تو یہاں بلا تردد صرف عزم ہی نہیں بلکہ ”ھم“ پر بھی مواخذہ ہوگا فقہاء و متکلمین اور امام شافعیؒ کے درمیان زیر اختلاف شق اب بھی تشنہ ہے۔

ہمارے نزدیک حافظ ابن رجبؒ کی تفصیل یہاں بہت دل پذیر ہے، ان کے بیان

کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی معصیت کا پہلی ہی مرتبہ ارادہ کرتا ہے یعنی ابھی اس نافرمانی کی اپنی عمر بھر میں اسے نوبت ہی نہیں آئی تھی تو پہلی مرتبہ عزم پر اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ اس معصیت کا ذائقہ بھی پہلے چکھ چکا ہے، اور اب پھر اس کا عزم کر رہا ہے تو اس کے اس عزم پر بھی مواخذہ ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اب اسے صرف عزم نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ اصرار کی تعریف میں آجاتا ہے۔ یہ قابل اغماض نہیں جیسا کہ وہ شخص جو عزم کے بعد اپنی جانب سے تو اس عمل کے تمام مقدمات پورے کر چکا ہو پھر آسمانی اسباب ایسے رونما ہو جائیں، جو اس کو عملی جامہ پہنانے میں حائل ہو جائیں تو وہ بھی اس قدرتی معذوری کی بنا پر معذور نہیں کہا جاسکتا اب وہ بھی قابل درگزر نہیں ہے۔ اسی لیے جب آپ نے قاتل و مقتول کے لیے جہنم کی وعید بیان فرمائی تو سامعین نے پوچھا کہ بے چارا مقتول دوزخ میں کیوں گیا، آپ نے فرمایا کہ اِنَّهٗ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ وہ بھی تو اپنے بھائی کے قتل کرنے کی فکر میں لگ رہا تھا، یہ دوسری بات ہے کہ کسی سبب سے وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قاتل و مقتول گناہ میں دونوں برابر ہو جائیں گے ظاہر ہے کہ قاتل کا جرم شدید ہے اس کو سزا بھی شدید ملے گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ پورے عزم کے بعد عمل کے لیے قدم بھی اُٹھا چکا ہے اگر چہ کسی سبب سے کامیاب نہ ہوسکا لیکن وہ اپنی اس غیر اختیاری ناکامی سے اپنے اس اختیاری عزم اور اس کو پورا کرنے کے اختیاری سعی کے جرم سے بری نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح عزم کے بعد عمل کے لیے سعی کرنا قابل مواخذہ ہوسکتا ہے اسی طرح کسی معصیت کے ارتکاب کے بعد اس کا پھر ارادہ کرنا بھی قابل مواخذہ ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اب یہ محض عزم باقی نہیں رہا بلکہ عمل کی ابتدائی کڑی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ وہ کتنی ہی بعید ہی ہو صرف عزم پر مواخذہ گو نامناسب معلوم ہوتا ہے مگر یہ واضح رہنا چاہیے کہ عمل کی تمام روح انسان کی قوت ارادی ہے، اگر انسان کی اس قوت کو پورے طور پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس کے عزم پر کسی قسم کا کنٹرول قائم نہ رکھا جائے تو اس کے بعد معاصی

وفواحش سے اس کو روکنا بہت مشکل بلکہ بے نتیجہ ہوگا، لہٰذا اگر آپ صرف عزم پر مواخذہ کی شکل پر غور کررہے ہیں تو اس شکل میں پھر ذرا غور کیجئے کہ اگر یہ اعلان کردیا جائے کہ کسی بدتر سے بدتر گناہ جیسے قتل، چوری، زنا، شراب خوری، کا پورا پورا عزم کرنے کے بعد بھی انسان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوتا تو کیا بالفاظ دیگر کیا ان اعمال کی اجازت دینے کے مترادف نہ ہوگا، ارادہ کا یہ درجہ عمل سے بہت ہی قریب ہے کیا اس مرتبہ سے اغماض اور دوسرے بالکل متصل نقطہ پر مواخذہ کرنا انسانی ضعف کے مناسب ہوگا۔ واللہ اعلم

(ترجمان السنہ ۱/ ۵۲۰)

باب : يا ابْنَ آدَمَ ! قُمْ إِلَيَّ أَمْشِ إِلَيْکَ ......

باب: آدم کے بیٹے! تو کھڑا ہو، میں چل کر آؤں گا

(٤٧٧) عن شريحؒ قال : سمعت رجلا من أصحاب النبى ﷺ يقول : قال النبى ﷺ :

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَا ابْنَ آدَمَ ! قُمْ إِلَيَّ أَمْشِ إِلَيْکَ ، وَ امْشِ إِلَيَّ أُهَرْوِلْ إِلَيْکَ." [صحيح] (أخرجه أحمد ج ٣ ص٤٧٨)

اللہ پاک کی طرف متوجہ ہونا

(۴۷۷) ترجمہ: شریحؒ نے کہا کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک کو کہتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ نے فرمایا: اے آدم کی اولاد! میری طرف متوجہ ہو جا، میں تیری طرف چل کر آؤں گا اور جب تو چل کر آئے گا تو میں دوڑ کر آؤں گا۔

فائدہ: اس حدیث میں حق جل مجدہ نے اپنے بندوں کو اپنی عبادت کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دلائی ہے، وہ اپنی رحمت سے بندوں کو کس قدر نوازتا ہے اس کا پتہ بتلا رہا ہے کہ تمہاری تھوڑی سی توجہ پر ہماری رحمت کاملہ کس طرح متوجہ ہو جاتی ہے؟ اگر تم میری رحمتوں سے ہم کنار ہونا چاہتے ہو تو میری طرف متوجہ رہا کرو۔ اور اپنے ظرف کے بقدر رحمت الٰہی کو جگہ دو۔ وسعتِ رحمت تم کو آغوش میں لینا چاہتی ہے۔ اگر تم آنا چاہو تو

یہاں تنگی نہیں، آنے والوں کی کمی ہے۔

باب : إِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ: وَ عِزَّتِكَ يَا رَبُّ لَا أَبْرَحُ أُغْوِيْ عِبَادَكَ

باب: شیطان لعین نے کہا تیری عزّت کی قسم میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا

(٤٧٨) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه عن النبي ﷺ أنه قاله:

"قَالَ إِبْلِيْسُ: أَيْ رَبُّ! لَا أَزَالُ أُغْوِيْ بَنِيْ آدَمَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِيْ أَجْسَادِهِمْ قَالَ: فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِيْ."

[حسن](أخرجه أحمد ج ٣ ص٧٦)

شیطان کی شیطنیت اور رحمٰن کی مغفرت

(۴۷۸) ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابلیس نے ربّ العالمین سے عرض کیا: پروردگار عالم تیری عزت وجلال کی قسم میں مسلسل آدم کی اولاد کو جب تک ان کے جسم میں روحیں ہوں گی گمراہی کی محنت کرتا رہوں گا اور گمراہ کروں گا، پھر حق جل مجدہ نے ابلیس لعین کو اپنی رحمت وقدرت سے بتلایا کہ مجھ کو بھی میری عزت وجلال کی قسم، جب تک ابن آدم مجھ سے مغفرت مانگتا رہے گا میں معاف کر کے مغفرت کرتا ہی رہوں گا۔

فائدہ: جرم وگناہ کا ہونا از قبیل محرومی نہیں، بلکہ بسا اوقات جرم وگناہ کے بعد توبہ و استغفار کی وجہ سے ترقی درجات ہوجاتی ہے۔ بیشک گناہ انسان سے سرزد ہوتا ہے، مگر اس میں شیطانی آمیزش و وساوس کا دخل خواہ کسی بھی سبیل سے ہوا ہو، ہوتا ضرور ہے۔ اور شیطان کو اس سے زیادہ کی قدرت بھی نہیں، مگر استغفار وتوبہ کی توفیق حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اور جب بندہ دست سوال پھیلاتا ہے اور معبود حقیقی کی عدالت میں اپنے جرم کو پیش کر کے معذرت ومعافی کا خواستگار ہوتا ہے، تو یہ ادا اللہ پاک کو بے حد پسند ہوتی ہے، نہ یہ کہ اس پر گرفت ہو، بلکہ اللہ پاک درگزر فرماتے ہیں اور آئندہ بھی خواہ جتنی بار گناہ ہوتا رہے اور یہ مغفرت مانگتا رہے، اللہ پاک اس کو معاف کرتے رہیں گے۔ جب تک یہ

مغفرت مانگتا رہے، مغفرت ورحمت ہوتی رہیگی۔

ابلیسِ لعین نے حق تعالیٰ سے مہلت تو مانگی مگر توبہ نہیں؟

(٤٧٩) عن أبي قلابة قال:

”إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا لَعَنَ إِبْلِيسَ سَأَلَهُ النَظِرةَ فَأَنْظَرَهُ فَقَالَ: وَ عِزَّتِکَ لَا أَخْرُجُ مِنْ صَدْرِ عَبْدِکَ حَتّٰى تَخْرُجَ نَفْسُهُ. فَقَالَ: وَ عِزَّتِي لَا أَحْجَبُ تَوْبَتِي مِنْ عَبْدِي حَتّٰى تَخْرُجَ نَفْسُهُ أَوْ قَالَ: رُوْحُهُ.“

[ضعيف] (أخرجه عبدالرزاق في المصنف ج ١١/٢٠٥٣٣)

(۴۷۹) ترجمہ: ابوقلابہؒ نے کہا: جب حق تعالیٰ نے ابلیس کو لعین بنادیا تو اس نے رب العزت سے مہلت مانگی۔ حق تعالیٰ نے مہلت دے دی تو لعین نے کہا: تجھے تیری عزت کی قسم میں تو تیرے بندہ کے سینہ سے باہر ہی نہیں نکلوں گا (یعنی سینہ میں اندر بیٹھ کر وسوسہ معاصی کا رجحان پیدا کرتا رہوں گا) یہاں تک کہ اس کی روح جسم سے نہ نکل جائے۔ حق جل مجدہ نے فرمایا: مجھ کو بھی میری عزت کی قسم میں اپنے بندوں پر توبہ کا دروازہ بند نہیں کروں گا اس وقت تک جب تک کہ اس کی جان نہ نکل جائے یا فرمایا روح نہ نکل جائے۔ (اخرجہ عبدالرزاق المصنف ۱۱/۲۰۵۳۳)

توبہ پوری زندگی کے سیئات کو حسنات سے بدل دیتا ہے

یہ دنیا ربّ ذوالجلال نے آزمائش گاہ بنایا ہے، اور یہاں خیر وشر اور دونوں کے اہل کا مقابلہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، اہلِ خیر ہمیشہ خیر کی طرف ہی چلتے ہیں اور چلیں گے اگر کبھی کوئی لغزش وخطا ہوجائے گی تو حصولِ خیر کے لیے یا خطا ومعاصی کے حجاب ظلماتی کو دور کرنے کے لیے انابت وتوبہ، رجوع الی اللہ اور استغفار کی طرف قدم اٹھاتے ہیں، عجیب بات ہے، حق تعالیٰ نے بندۂ مومن کو ایک تو اعمالِ صالحہ کا طریقہ وعمل سکھلایا وبتلایا، اور بدی ومعاصی کے مٹانے کے لیے جو خیر سکھلایا وبتلایا اسی کا نام تو توبہ ہے۔ عام طور پر ہم لوگ توبہ کو عملِ صالح تصور نہیں کرتے، حالانکہ توبہ تو وہ عملِ صالح ہے کہ پوری زندگی کے

سیئات و معاصی، ذنوب وقصور کو کھنگال کر، اس کی طبیعت و مزاج اور تاثیر کو بدل کر حسنات وقربات میں شمار کرا دیتی ہے اور اس بات کی طرف ربّ ذوالجلال نے بہت ہی خوبصورت انداز میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُوْلٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْماً﴾ (الفرقان: ۷۰)

ترجمہ: مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

یعنی گناہوں کی جگہ نیکیوں کی توفیق دے گا اور کفر کے گناہ معاف کر دے گا، یا یہ کہ بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے ان کی تعداد کے مناسب نیکیاں ثبت فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ کے بعد معصیت بھی حسنات بن جاتی ہیں

کچھ علماء نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اسلام میں کئے ہوئے برے اعمال کو قیامت کے دن نیکیوں میں تبدیل کر دے گا، یہی قول سعید بن مسیّبؒ، مکحولؒ، ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرۃؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے۔

اس کی تائید حضرت ابوذرؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک آدمی کو (حساب کے لیے) لایا جائے گا اور حکم ہوگا اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ، حسب الحکم اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائیں گے، اوراس کے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں گے، وہ چھوٹے گناہ کا اقرار کرے گا، انکار نہیں کرے گا اور بڑے گناہوں کی پیشی کا اندیشہ کرتا رہے گا، حکم ہوگا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دے دو، وہ کہے گا میرے گناہ تو اور بھی ہیں جو مجھے یہاں دکھائی نہیں دیتے، یہ ارشاد فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہنس پڑے کہ کچلیاں نظر آنے لگیں۔
(رواہ مسلم، گلدستہ ۵/۲۰۵)

مومن باللہ کو اللہ تعالیٰ کی ولایت وحفاظت پر اعتماد ہے

ابلیس لعین کو وساوس وخطراتِ معاصی پر اگر ناز ہے تو مومن کامل کو رب کریم ورحیم ورحمٰن کی رحمت پر اعتماد وایمان ہے۔ ابلیس کی تمام تر کوشش وجدوجہد کا حاصل بندہ کو معاصی کی طرف میلان ورجحان کا داعیہ وعمل ہے۔ مگر توبہ جو ربّ اور بندہ کے درمیان ہے اس پر کوئی عمل دخل نہیں، توبہ محض رب رحمٰن ورحیم کا افاضہ وعرفان کا مظہر ہے۔ بندہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا، توبہ واستغفار کا ہاتھ پھیلائے گا، حق جل مجدہ اس کو مایوس نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اور بندہ کے درمیان توبہ کا دروازہ موت سے پہلے پہلے ہر وقت کھلا ہوا ہے، اس کو شیطان وابلیس لعین نہ تو بند کر سکتا ہے نہ ہی اس پر اس کا بس چل سکتا ہے۔ توبہ محض فضل الٰہی سے صاحب معاصی پر افاضہ والقا ہوتا ہے اور پھر بندہ اللہ کے افاضہ کو قبول کر کے توبہ کے عمل کو وجود بخشتا ہے، اور حق تعالیٰ پھر توبہ کی قبولیت کے ذریعہ بندہ کو بخش دیتا ہے، اس طرح لعین مایوس ومغلوب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مومن کا ولی ومعین، نصیر ووکیل ہوتا ہے۔ **سبحان ربی الاعلیٰ۔**

ابن ابی حاتمؒ نے حضرت سلیمانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو اس کا اعمالنامہ دیا جائے گا جونہی وہ اعمالنامہ کا بالائی حصہ پڑھے گا تو اس کے خیالات برے ہونے لگیں گے (لیکن) وہ یکدم اعمالنامہ کے نیچے اندارجات کو دیکھے گا تو اس میں اس کو اپنی نیکیاں دکھائی دیں گی، پھر جو بالائی حصہ کو دیکھے گا تو اس میں مندرجہ برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو چکی ہوں گی۔

ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگوں کو بھی اللہ (موقف میں) لائے گا جو دل سے خواہشمند ہوں گے کہ انھوں نے (کاش) گناہ بہت کیے ہوتے دریافت کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: جن کی برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئی ہوں گی، اگر کسی کے ذہن میں یہ آئے کہ گناہ

جیسی ناپسندیدہ چیز نیکی میں کیسے بدل سکتی ہے تو اس کا دوطرح سے ازالہ ہوسکتا ہے۔

گناہ پر نیک بندوں کی ندامت

اللہ کے نیک بندوں سے اگر بہ تقدیر الٰہی کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو ان کو انتہائی پشیمانی ہوتی ہے اتنی کہ خود ان کو اپنی جان ذلیل معلوم ہونے لگتی ہے، فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، زاری کرتے ہیں، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، معافی کے طلب گار ہوتے ہیں، آخر رحمتِ الٰہی کی ان پر اتنی اور ایسی بارش ہونے لگتی ہے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتے تو اس رحمت کا نزول ان پر نہ ہوتا اور اس مرتبے پر نہ پہنچتے حاصل یہ کہ گناہ جو موجب عذاب تھا، ندامت واستغفار کے بعد سبب ثواب بن جاتا ہے اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ اگر تم نے گناہ نہ کیے تو اللہ تم کو لے جائے گا اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ سے معافی کے طلب گار رہوں گے، اور اللہ ان کو معاف کردے گا۔ (رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہؓ)

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ

یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: کہ ماعز بن مالکؓ کے لیے دعائے مغفرت کرو، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک گروہ کو تقسیم کردی جائے تو سب کو اپنے اندر سمالے (سب کی مغفرت کے لیے کافی ہوجائے)۔

ایک خاتون کی توبہ

ایک عورت قبیلۂ غامد میں کی تھی، اس سے فعل زنا سرزد ہوگیا اس نے بھی حاضر ہوکر سزائے زنا جاری کرنے کی درخواست کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کردیجیے، اس کو بھی حضور ﷺ نے ہر چند ٹالنا چاہا مگر وہ نہ مانی، آخر اس کو بھی حضور ﷺ نے سنگ سار کرادیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس غامدیہ عورت کے متعلق کچھ ناشائستہ الفاظ کہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خالد! زبان روک۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان

ہے! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ مکس والا بھی کرے تو اس کی بھی مغفرت ہوجائے۔ (مکس وہ ٹیکس جو عُشر کے بہانہ سے سرکاری آدمی سوداگروں سے وصول کرلیتے تھے۔ یہ ٹیکس بیرونی سوداگروں سے دھوکہ دے کرلیا جاتا تھا)۔

(مجمع البحار راہ مسلم فی قصة ماعز والغامدیه عن بریدة)

یہی روح ہے اس قول کی کہ جس گناہ کا آغاز غفلت اور انجامِ ندامت (توبہ) ہو وہ اس طاعت سے بہتر ہے جس کا آغاز فخر اور انجام ریاکاری ہو۔

اہلِ محبت کے بعض اعمال واقوال

بحرِ محبت میں ڈوبنے والوں سے کبھی کبھی کوئی ایسا عمل یا قول سرزد ہوجاتا ہے جو معیارِ شریعت سے گرا ہوا ہوتا ہے جیسے رہبانیت (ترکِ لذائذ، ترکِ تعلقات، ترکِ اکل) سماع، وجد اور شطحیات (غیر شرعی کلمات) چونکہ ان امور کا ان سے صدور خالص محبت وعشق کے زیرِ اثر ہوتا ہے اس لیے ان کی ان ظاہری لغزشوں کو اللہ نیکیوں سے تبدیل کردے گا۔

عارف رومی نے فرمایا ہے:

ہر چہ گیرد علتی علت شود	کفر گیرد کاملے ملت شود
کار پاکان را قیاس از خود مگیر	گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
او بدل گشت و بدل شد کار او	لطف گشت و نور شد ہر نار او

شاید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ (قیامت کے دن بعض لوگوں کے متعلق حکم ہوگا کہ) اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ۔ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائے جائیں گے اور بڑے گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے گا، اس سے اشارہ ہمارے مذکورہ بالا قول کی طرف ہے کیونکہ کاملوں سے جو ان امور کا صدور ہوتا ہے وہ غلبۂ محبت ہوتا ہے اس لیے اللہ ان کو نیکیاں بنادے گا، رہے کبیرہ گناہ جو بقضاء الٰہی کبھی کبھی ان سے سرزد ہوگئے ہوں گے ان کو پوشیدہ رکھا جائے گا، اور معاف کردیا جائے گا، ذکر بھی نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ آئندہ آیت اس کی طرف اشارہ کررہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْراً رَّحِيْماً اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے، چھوٹے بڑے گناہوں کو بخش دے گا توبہ کے بعد بھی اور بغیر توبہ کے بھی۔

سونے کا وظیفہ

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب انسان سوتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے مجھے اپنا صحیفہ جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہیں دے۔ وہ دے دیتا ہے تو ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس گناہ وہ اس کے صحیفے سے مٹا دیتا ہے اور انھیں نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ پس تم میں سے جو بھی سونے کا ارادہ کرے وہ تینتیس دفعہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور چونتیس دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہے اور تینتیس دفعہ سُبْحَانَ اللّٰه کہے یہ مل کر سو (۱۰۰) مرتبہ ہو گئے۔

برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کو قیامت کے دن نامہ اعمال دیا جائے گا وہ پڑھنا شروع کرے گا تو اوپر اس کی برائیاں درج ہوں گی جنھیں پڑھ کر یہ کچھ ناامید سا ہونے لگے گا۔ اسی وقت اس کی نظر نیچے کی طرف پڑے گی تو اپنی نیکیاں لکھی ہوئی پائے گا، جس سے کچھ ڈھارس بندھے گی۔ اب دوبارہ اوپر کی طرف دیکھے گا تو وہاں کی برائیوں کو بھی بھلائیوں سے بدلا ہوا پائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے آئیں گے جن کے پاس بہت کچھ گناہ ہوں گے پوچھا گیا وہ کون سے لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جن کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا۔

چار قسم کے جنّتی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنّتی جنت میں چار قسم کے جائیں گے، متقین یعنی پرہیزگاری کرنے والے، پھر شاکرین یعنی اللہ کا شکر کرنے والے، پھر خائفین یعنی خوف الٰہی رکھنے والے، پھر اصحاب یمین جن کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ملے ہوں گے، پوچھا گیا کہ انھیں اصحاب یمین کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب دیا اس لیے کہ انھوں نے

نیکیاں بدیاں سب کچھ کی تھیں ان کے عمل نامے ان کے داہنے ہاتھ میں ملے اپنی بدیوں کا ایک ایک حرف پڑھ کر یہ کہنے لگا کہ ربّ العزّت ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ یہاں تو سب بدیاں لکھی ہوئی ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان بدیوں کو مٹا دے گا اور ان کے بدلے نیکیاں لکھ دے گا، انھیں پڑھ کر خوش ہو کر اب تو یہ دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ ہمارے عمل نامے دیکھو۔ جنتیوں کے اکثر یہی ہوں گے، علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ برائیوں کو بھلائیوں سے بدلنا آخرت میں ہوگا، مکحول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخشے گا اور انھیں نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔

ایک بوڑھے گنہگار کا واقعہ

حضرت مکحول رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی کہ ایک بہت بوڑھے ضعیف آدمی جن کی بھوئیں آنکھوں پر آ گئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے کوئی غداری کوئی گناہ کوئی بدکاری باقی نہیں چھوڑی میرے گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر تمام انسانوں پر تقسیم ہو جائیں تو سب کے سب غضب الٰہی میں گرفتار ہو جائیں، میری بخشش کی بھی کوئی صورت ہے؟ کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ، اس نے کلمہ پڑھ لیا کہ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ اللہ تعالیٰ تیری تمام برائیاں گناہ، بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا۔ بلکہ جب تک تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری برائیاں بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! سب کے سب، پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر و تہلیل پکارتا ہوا لوٹ گیا۔ رضی اللہ عنہ (ابن جریر)

ایک خاتون کا واقعہ

ایک عورت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور دریافت فرمایا: کہ مجھ سے بدکاری ہوگئی اس سے بچہ ہوگیا میں نے اسے مارڈالا اب کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ آپؓ نے فرمایا: کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوسکتی ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تیری بزرگی ہوسکتی ہے تیرے لیے توبہ ہرگزنہیں، وہ روتی پیٹتی واپس چلی گئی۔صبح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونے اس سے بہت ہی بری بات کہی۔کیا تو ان آیتوں کو قرآن میں نہیں پڑھتا وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ سے اِلَّا مَنْ تَابَ تک۔ مجھے بڑا ہی رنج ہوا اور میں لوٹ کر اس عورت کے پاس پہنچا،اور اسے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں وہ خوش ہوگئی اور اسی وقت سجدے میں گر پڑی،اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے چھٹکارے کی صورت پیدا کردی۔ (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا پہلا فتویٰ سن کر وہ حسرت وافسوس کے ساتھ یہ کہتی ہوئی واپس چلی کہ ہائے ہائے یہ اچھی صورت کیا جہنم کے لیے بنائی گئی تھی؟ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابوہریرہؓ کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس عورت کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے،تمام مدینہ اور ایک ایک گلی چھان ماری لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ اتفاق سے رات کو وہ عورت پھر آئی تب حضرت ابوہریرہؓ نے انھیں صحیح مسئلہ بتلایا۔اس میں یہ بھی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے میرے لیے چھٹکارے کی صورت بنائی اور میری توبہ کی قبولیت رکھی۔ یہ کہہ کر اس کے ساتھ جو لونڈی تھی اسے آزاد کردیا اس لونڈی کے ایک لڑکی بھی تھی اور سچے دل سے توبہ کرلی۔ (تفسیر ابن کثیر،گلدستہ ۵/۲۰۶)

حق جل مجدہ اور بندہ کے درمیان ربط قوی

حق جل مجدہ نے قرآن مجید میں واضح طور پر یہ بتلادیا کہ شیطان کو مومن پر غلبہ نہیں ہوتا۔ اور ایمان باللہ کا خود ذات حق جل مجدہ سے ایک مضبوط وقوی ربط وتعلق ہے۔ کام سب کا سب فضل سے ہوتا ہے،فضل کی ابتدائی کڑی کلمہ طیبہ سے شروع ہوتی ہے، یہی وہ

عہد و میثاق ہے جس کی وجہ سے رب تبارک و تعالیٰ ہمارے جسم میں جب تک جان ہے ہمارے ایمان کی حفاظت فرماتے ہیں اور ایمانیات میں جہاں جہاں رکاوٹ ہوتی ہے توّاب و رحیم توبہ کا افاضہ فرما کر ہماری حرمان نصیبی کو خوش نصیبی میں بدلتا ہے۔ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۔حق تعالیٰ کی حفاظت و عطا جب شاملِ حال ہوتی ہے تو پھر بندہ کو بندگی کے آداب کے ساتھ نیازمندانہ بے نیاز ذات کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ لہٰذا بندہ کو بندگی کرنی چاہیے۔

باب : يَا ابْنَ آدَمَ ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَ رَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ ......

باب: آدم کے بیٹے! جب تک تو مجھ کو پکارے گا میں تیری مغفرت کرتا رہوں گا

(٤٨٠) أنس ابن مالک ﷺ يقول : سمعتُ رسولَ الله ﷺ يَقُوْلُ:

”قَالَ اللّٰهُ يَا ابْنَ آدمَ ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَ رَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَا كَانَ فِيْكَ، وَ لَا أُبَالِيْ يَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ وَ لَا أُبَالِيْ. يَا ابْنَ آدَمَ ! إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِى بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً.“

[حسن] (أخرجه الترمذی ج ٥ / ٣٥٤٠، ترجمان السنه ج ١، ص ٣١٢)

بندہ جب تک اللہ پاک سے مغفرت مانگتا ہے مغفرت ہوتی رہتی ہے

(۴۸۰) ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا، حق تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم! تو جب تک مجھ کو پکارتا رہے گا اور مجھ سے امیدیں لگائے رہے گا، میں تیری مغفرت کرتا رہوں گا اور مجھے اس بات کی پرواہ بھی نہیں خواہ تیرے اعمال کیسے بھی ہوں۔ اگر تیرے گناہ آسمان تک بھی ہوں اور تو مغفرت مانگے تو میں تمہاری مغفرت کروں گا اور میں (تیرے کثرتِ گناہ کی) پروا نہیں کرتا۔

اے ابن آدم! اگر تو زمین کے (ذرّوں کے) برابر گناہ لائے اور مجھ سے اس حال

میں ملے کہ: میری ذات وصفات میں ذرّہ برابر بھی شرک نہ کیا ہو، تو میں تیرے گناہ کے برابر تیری مغفرت کے پروانوں کے ساتھ تجھ سے ملوں گا۔

حق تعالیٰ سے معافی طلب کرنا اعترافِ ربوبیت ہے

حدیث میں جو آیا ہے کہ: ''میں پروا بھی نہیں کرتا'' یعنی انسان کی سیئات، خواہ کچھ بھی ہوں، بندہ جب ذات حق سے اعتراف واقبال جرم کرلیتا ہے، تو ذاتِ حق اس کے سیئات کو درگزر کرنے میں کسی پس وپیش میں نہیں ہوتی نہ ہی اس ذات کے سامنے کوئی شیئ عفوودرگزر کرنے سے مانع ہوتی ہے؛ کیوں کہ وہ قادرکل اور مالک کل ہے۔ پھر یہ کہ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ: مانگنا اور دست سوال پھیلانا ہی اس کے سامنے اعتراف عبدیت اور اقرار ربوبیت ہے اور گناہوں کو، درگزر وہ نہیں کرے گا تو کون کرے گا۔ جرم جس کا کیا ہے، معافی بھی تو اسی سے مانگی جائے گی، اور گناہ ومعصیت کا اعتراف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر معاف نہ کرے گا، تو عذاب اسی کا آئے گا اور وہ کب چاہتا ہے کہ عذاب سے پناہ مانگنے والوں کو عذاب دیا جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دنیا میں جب کسی سے پانی مانگا جاتا ہے، تو وہ پیشاب نہیں دیتا، تو رحیم وکریم سے جنت مانگی جائے اور وہ عذاب دیدے، ایسا کیوں کر ہوگا؟ پھر تو وہ رحمٰن ورحیم؛ بلکہ ارحم الراحمین نہ رہا۔ اللہ اکبر! وہ سب کا سب کچھ معاف کرے گا، خواہ زمین وآسمان کے خلاء اور ذرّاتِ ارض گناہ ہوں، مگر ''شرک'' کا کوئی جزو قابل معافی نہیں۔ **اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا يَاحَفِيْظُ. أَشْهَد أنْ لاَ إلٰهَ إلَّا أَنْتَ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ اَسْئَلُکَ العَفْوَ وَ الْعَافِيَةَ يَا عَفُوُّ وَ يَا غَفُوْرُ.**

تیری اُمید وپکار پر میری مغفرت متوجہ ہے

(٤٨١) عن أبی ذر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرویه عن ربه قال:

''اِبْنَ آدمَ! إِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِیْ وَ رَجَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَا کَانَ فِيْکَ. اِبْنَ آدمَ! إنْ تَلْقَنِیْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا لَقِيْتُکَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً بَعْدَ

أَنْ لَا تُشْـرِكَ بِـيْ شَيْـئًـا. اِبْـنَ آدَمَ ! إِنَّكَ إِنْ تُذْنِبَ حَتّٰى يَبْلُغَ ذَنْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ تَسْتَغْفِرُنِيْ أَغْفِرُ لَكَ وَلَا أُبَالِيْ." [ضعيف] (أخرجه أحمد ج ۵ ص ۱۶۷)

(۴۸۱) ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں: اے ابن آدم جب تک تو مجھ کو پکارتا رہے گا اور مجھ سے امیدیں وابستہ رکھے گا، خواہ تیرے گناہ کتنے ہوں، تیری مغفرت کرتا رہوں گا، اگر تو زمین کے ذرّوں کے برابر بھی گناہ لے کر مجھ سے ملے گا تو میں اسی کے بقدر اپنی مغفرت ورحمت لے کر تجھ سے ملوں گا۔ ہاں! مگر میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔ ابن آدم اگر تو گناہ کرتا رہے اور تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں (پورے زمین وآسمان کے خلا کو پُر کردیں) پھر تو مجھ سے مغفرت مانگ تو بھی میں تیری مغفرت کردوں گا اور مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں۔ (احمد ۵/۱۶۷)

اللہ کی قدرت ورحمت کے سامنے بندہ کے گناہ کی کوئی وقعت نہیں

حق جل مجدہ کی قدرت بے کراں وبے پناہ اور رحمت حق، کے مقابلہ میں بندہ کا گناہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، نہ ہی بندہ کا گناہ حق تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کو روک سکتا ہے۔ دریائے رحمت میں گناہ تنکوں کی طرح بہہ جاتے ہیں، اور سیلاب رحمت ان تنکوں کو بہا کر لے جاتی ہیں، آخر حدیث میں جو وَ لَا أُبَالِيْ کا لفظ آیا ہے، وہ اسی طرف اشارہ ہے کہ حق جل مجدہ کی مغفرت ورحمت کے مقابلہ میں ان معاصی وگناہ کا کوئی اعتبار نہیں پھر حدیث میں معاصی وگناہ کی کثرت وزیادتی کو سمجھانے کے لیے لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ یعنی بندہ کا گناہ آسمان کے خلا کو کیوں نہ بھردے، یا پھر بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا کا لفظ آیا، یعنی ثقل ووزن کے اعتبار سے زمین کے وزن کے برابر کیوں نہ ہو، اور بعض حدیث میں زُبَدُ الْبَحْرِ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہو۔

انسان کے نظر ونگاہ کے سامنے جو چیزیں مرئی اور دیکھی جاسکتی ہیں ان میں یہی تین چیزیں ہیں، خلا جو زمین وآسمان کے درمیان ہیں یا ثقیل ووزنی چیز اس میں زمین اور

اس کے بے شمار پھیلے ہوئے وسیع وعریض ذرات خواہ ریت وبالو کی شکل میں ہوں، یا مٹی وابینٹ کی شکل میں ہو، یا پھر پہاڑ وچٹان کی شکل میں ہوں، ہیں سب کے سب قــــراب الارض میں داخل ہیں یا پھر سیّال وسیلان مادّہ ہوں جیسے دریا، سمندر، انہی چیزوں کو انسان دیکھتا ہے اور مخلوقات میں یہ تینوں انسان کے سامنے اپنی وسعت وپھیلاؤ کے اعتبار سے اتنے وسیع ہیں کہ کوئی شخص نہ تو خلاء جس کو عنان السماء کہا گیا، نہ ہی زمین جس کو قراب الارض کہا گیا، نہ ہی سمندر جس کو زبـد البحر کہا گیا، اپنے علم ودانش سے اس کا آخری اور حتمی ویقینی احاطہ کرسکا ہے، نہ ہی خلا کی پیمائش کرسکا ہے، نہ ہی زمین کے ثقل ووزن کو معلوم کرسکا۔ تاہم حق جل مجدہ اپنے بندوں کو فرمارہے ہیں کہ مخلوقات کی ان تین چیزوں کو تم بہت ہی وسیع وعریض تصور کرتے ہو تو اپنی خیالی دنیا میں تم ان کو گناہوں، معصیتوں اور بداعمالیوں سے بھردو، یعنی مخلوقات کے ظرف ومکان کو اگر گناہ ومعاصی سے بھرا جاسکتا ہے تو بھردو، البتہ ان معاصی وگناہ میں شرک کی نجاست وغلاظت نہ ہو تو سن لو، تمہارا رب تمہارے گناہ ومعاصی سے بہت زیادہ مغفرت ورحمت کے ساتھ ملے گا۔

تمہیں معلوم نہیں عـنـا ن السماء ہو، یا قراب الارض یا زبـد البحر یہ سب مخلوقات ہیں اور خالق جب ملے گا تو ان کی تمام ہی شان حدوتصور سے بالاتر ہوگی، تمہارے گناہ عـنـان السماء ہوں گے ان کی رحمت وراء السـمـاء ہوگی، تمہارے گناہ قـــراب الارض ہوں گے ان کی مغفرت عرش سے فرش پر ہوگی، تمہارے معاصی زبـــد البحر ہوں گے ان کی رحمت فوق الخلق ہوگی۔

دیکھو، سنو، بابِ رحمت سے چمٹ جاؤ! رحمتِ حق سے وصل حاصل کرلو، گناہ و معاصی کو رحمتِ واسعہ کے سامنے بڑا نہ جانو، مایوسی ویاس کو قریب نہ آنے دو۔ نگاہ ربّ العزّت کی وسعتِ رحمت ومغفرت پر جمادو۔

دیکھو افہام وتفہیم کی انتہا کردی گئی۔ تم خیالی دنیا میں خلا وقراب الارض، وزبدالبحر کا احاطہ نہیں کرسکتے ہو تو پھر خالق کی رحمت ومغفرت کا اندازہ کیا لگا سکتے ہو؟

دیکھو، سب گناہ معاف ہے، مگر شرک نہیں، وہ بڑا غیور و متکبر ہے، تمہارے سب سیاہ و تاریک کو معاف کردے گا اور اس کو اس کی پرواہ بھی نہ ہوگی مگر وہ اپنی ذات میں کسی کی شرکت کو برداشت نہیں کرتا یہ اس کی شان کبریائی و تقدس کو گوارہ نہیں، وہ تمہارے گناہ کے بقدر وسعت رحمت و مغفرت کے ساتھ ملے گا۔ یوں سمجھو کہ اس کی رحمت کی طرف سبھی چل رہے ہیں اور سب کو جگہ مل جائے گی مگر مشرک رحمت سے تمرد و تکبر کرکے اعراض کر رہا ہے اور رحمت سے بھاگ رہا ہے، کلمہ توحید لا إلـٰه إلَّا اللّٰه مفتاح الجنۃ ہے، کلیدِ رحمت و مغفرت ہے اور بس بقیہ وہ سب خود ہی بخش دے گا۔

مغفرت ہوگی گناہ گرچہ عنان السماء ہو

(٤٨٢) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ:

”قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَ رَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰى مَا کَانَ فِيْکَ وَ لَوْ أَتَيْتَنِيْ بِمِلْءِ الْأَرْضِ خَطَايَا لَقِيْتُکَ بِمِلْءِ الْأَرْضِ مَغْفِرَةً مَا لَمْ تُشْرِکْ بِيْ شَيْئًا، وَ لَوْ بَلَغَتْ خَطَايَاکَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ لَغَفَرْتُ لَکَ.“ [حسن لغيره] (أخرجه الطبراني في الصغير، ج ٢ ص ٢٠)

(۴۸۲) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حق جل مجدہ نے فرمایا: اے آدم کے بیٹے جب تک تو مجھ کو پکارتا رہے گا اور اپنی امیدیں مجھ سے وابستہ رکھے گا۔ میں تیری مغفرت کرتا رہوں گا خواہ تیری حالت جیسی ہو (خواہ گناہ کتنے ہوں) اور اگر تو زمین کے برابر گناہ وخطا لے کر میرے پاس آئے گا تو میں بھی زمین کے برابر مغفرت لے کر تجھ سے ملوں گا۔ ہاں! میرے ساتھ ذرّہ برابر شرک نہ کیا ہو اور اگر تیرے گناہ خلاء کو پر کرکے آسمان تک بھی پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے مغفرت مانگے تو میں تیری مغفرت کردوں گا۔ (اخرجہ الطبرانی فی الصغیر، ۲/۲۰)

صادق ومصدوق ﷺ کی بشارت

(٤٨٣) عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال : سمعتُ رسول الله الصادق المصدوق ﷺ یقول:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : اَلْحَسَنَةُ عَشْرٌ أَوْ أَزِيْدُ، وَ السَّيِّئَةُ وَاحِدَةٌ أَوْ أَغْفِرُهَا فَمَنْ لَقِيَنِيْ لَا يُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيْئَةً جَعَلْتُ لَهُ مِثْلَهَا مَغْفِرَةً." [حسن] (أخرجه أحمد، ج٥ ص ١٥٥)

(۴۸۳) ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے صادق و مصدوق رسول اللہ ﷺ کو سنا فرماتے ہوئے کہ حق جل مجدہ نے فرمایا: ایک نیکی پر دس اور میں زیادہ بھی کرسکتا ہوں اورایک گناہ و بدی پر ایک ہی گناہ یا میں اس کو معاف کردوں۔ جو مجھ سے اس حال میں ملے گا کہ میرے ساتھ ذرّہ برابر بھی شرک نہیں کیا ہو، جبکہ اس کا گناہ زمین کے ذرّوں کے برابر ہوں تو میں اسی کے بقدر اس کو مغفرت کا پروانہ دوں گا۔

(اخرجہ احمد ۵/۱۵۵)

شرک کے مقابلہ میں گناہ بے وقعت

(٤٨٤) للطبرانی فی الکبیر عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ :

" قَالَ رَبُّكُمْ تَعَالٰى: لَوْ أَنَّ عَبْدِيْ اِسْتَقْبَلَنِيْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ ذُنُوْبًا لَا يُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا اِسْتَقْبَلْتُهُ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً."

[ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ١ / ٣١٦)

(۴۸۴) ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، تمہارے رب نے فرمایا: اگر میرا بندہ زمین کے برابر گناہ لے کر حاضر ہو اس شرط کے ساتھ کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو، تو میں اس کے گناہ کے بقدر اس کا مغفرت کے ساتھ استقبال کروں گا۔

بندہ کا گناہ رحمتِ الٰہی کے مقابلہ میں ذرّہ بھی نہیں

(٤٨٥) و قال الطبرانی أیضاً عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ:

”قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : یَا ابْنَ آدَمَ ! مَهْمَا عَبَدْتَنِیْ وَ رَجَوْتَنِیْ وَ لَمْ تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا غَفَرْتُ لَکَ مَا کَانَ مِنْکَ، وَ اِنْ اِسْتَقْبَلْتَنِیْ بِمِلْءِ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ خَطَایَا وَ ذُنُوْبًا اِسْتَقْبَلْتُکَ بِمِلْئِهِنَّ مِنَ الْمَغْفِرَةِ وَ أَغْفِرُ لَکَ وَ لَا أُبَالِیْ.“

[ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ١/٢٠٢)

(۴۸۵) ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ نے فرمایا: اے ابن آدم جب کبھی تو میری عبادت کرتا ہے تو مجھ سے امیدیں رکھتا ہے اور میرے ساتھ ذرّہ برابر بھی شرک نہیں کرتا، تو میں تجھے معاف کرتا رہتا ہوں، خواہ تو کیسی ہی عبادت کیا کر اور اگر تو میرے پاس اس حال میں آیا کہ آسمان کے برابر تیرے گناہ وخطاء ہوں تو میں اتنی ہی مغفرت کے ساتھ تیرا استقبال کروں گا اور تجھے بالکل ہی معاف کردوں گا اور میں اس کی پرواہ بھی نہیں کروں گا۔

شرک رحمت کو روک دیتی ہے

شرک کی گندگی اللہ جل مجدہ کی رحمت وعنایت کو روکتی ہے۔ الغرض شرک موانع رحمت ہے۔ انسان جب موانعات کو اٹھادیتا ہے تو رحمت ایزدی کا مستحق بن جاتا ہے۔ رحمت الٰہی کی وسعت کے مقابلے میں گناہ خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں، ذرّہ ہیں؛ کیوں کہ ”رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ“ کا مظہراتم بھی جب ہی ہوگا کہ کائنات عالم کے بے شمار ایسے خطا کار وسیہ کار کو ”رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ“ کے نیچے لاکر بخش دیا جائے، غالبًا اسی معنی کو ادا کرنے کے لیے ”وَ لَا اُبَالِیْ“ کہہ دیا گیا ہے کہ رحمت کے مقابلے میں یہ گناہ ترازو کے پاسنگ میں بھی نہیں آئیں گے۔ مگر شرط ہے کہ موانعات رحمت کو ختم کردیا جائے؛ تاکہ رحمت سایہ فگن ہوسکے اور وہ شرک، صفات شرک اور شؤن شرک سے کلی

اجتناب واحتیاط ہے۔

باب : مَنْ عَلِمَ مِنْكُمْ أَنِّیْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلٰی مَغْفِرَةِ الذُّنُوْبِ ......

باب: جس کو میری قدرت پر یقین ہوگا اس کی مغفرت حتمی ہے

(٤٨٦) عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما عن النبی ﷺ قال:

"إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی يَقُوْلُ: مَنْ عَلِمَ مِنْكُمْ أَنِّیْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلٰی مَغْفِرَةِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَهُ وَ لَا أُبَالِیْ مَا لَمْ يُشْرِكْ بِیْ شَيْئًا."

[حسن لغيره] (أخرجه الحاكم فی المستدرك ج ٤ ص٢٦٢)

گناہ معاف کرنے کی قدرت محض ذاتِ حق کو ہے

(۴۸۶) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ نے فرمایا: جو شخص یہ بات یقین کامل کے ساتھ جانتا ہے کہ: گناہ کے معاف کرنے کی قدرت صرف مجھ کو ہی ہے، تو میں اس کی مغفرت کرتا رہتا ہوں اور میں اس بات کی پروا بھی نہیں کرتا۔ ہاں! مگر میرے ساتھ جب تک وہ شرک نہیں کرتا۔

باب : إِنَّ عَبْدًا أَصَابَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا

باب: ایک بندہ نے عرض کیا کہ یا رب مجھ سے گناہ ہو گیا

(٤٨٧) سمعت أبا هريرة رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبی ﷺ قال:

"إِنَّ عَبْدًا أَصَابَ ذَنْبًا وَ رُبَمَا قَالَ: أَذْنَبَ ذَنْبًا. فَقَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ وَ رُبَمَا قَالَ: أَصَبْتُ فَاغْفِرْ لِیْ. فَقَالَ رَبُّهُ: أَعَلِمَ عَبْدِیْ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ يَأْخُذُ بِهِ؟ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أَصَابَ ذَنْبًا أَوْ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ، أَوْ أَصَبْتُ آخَرَ فَاغْفِرْهُ. فَقَالَ أَعَلِمَ عَبْدِیْ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ يَأْخُذُ بِهِ؟ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ. ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ. ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا. وَ

رُبَـمَـا قَـالَ: أَصَابَ ذَنْباً. قَالَ: رَبِّ أَصَبْتُ أَوْ أَذْنَبْتُ آخَرَ فَاغْفِرْهُ لِيْ فَقَالَ: أَ عَـلِمَ عَبْدِيْ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ يَأْخُذُ بِهِ؟ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ ثَـلاثًا فَلْيَعْمَلْ مَا شَاءَ." [صحيح] (أخرجه البخاری ج ۹ ص ۱۷۸، ترجمان السنة، ج ۱، ص ۳۱۶)

بار بار گناہ کا ہوجانا اور ہر بار سچے دل سے مغفرت مانگنا سعادت ہے

(۴۸۷) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے ہوئے: ایک شخص سے گناہ ہوگیا، کبھی کہا، ایک شخص نے گناہ کرلیا، وہ کہتا ہے: میرے رب مجھ سے گناہ ہوگیا، یا کہتا ہے؛ میں نے گناہ کرلیا، مجھ کو معاف کردے، میری مغفرت کردے۔ تو حق جل مجدہ نے فرمایا: کیا میرا بندہ یقین رکھتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس پر گرفت بھی کرسکتا ہے؟ میں نے اپنے بندہ کی مغفرت کردی۔ پھر تھوڑے دن جتنا اللہ چاہے گناہ سے باز رہتا ہے۔ پھر گناہ ہوجاتا ہے یا گناہ کرلیتا ہے، تو عرض کرتا ہے: ربّ العزّت میں نے گناہ کرلیا یا مجھ سے گناہ ہوگیا، میرے گناہ کو معاف کردے، مغفرت کردے۔ حق جل مجدہ فرماتے ہیں: کیا میرے بندہ کو یقین ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کی مغفرت بھی کرتا ہے اور پکڑ بھی کرسکتا ہے؟ میں نے اپنے بندہ کی مغفرت کردی۔ پھر جب تک اللہ پاک چاہیں رکا رہتا ہے۔ پھر گناہ کرلیتا ہے یا فرمایا گناہ ہوجاتا ہے، تو عرض کرتا ہے: ربّ العزّت مجھ سے گناہ ہوگیا یا میں نے گناہ کرلیا؛ لہٰذا میرے اس گناہ کی مغفرت ومعافی کردے۔ حق جل مجدہ فرماتا ہے: کیا میرا بندہ یقین رکھتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کی مغفرت ومعافی دیتا ہے اور پکڑ بھی سکتا ہے، میں نے اپنے بندہ کی مغفرت کردی۔ اللہ تعالیٰ تین بار یہ فرماتے ہیں، جو چاہے تو عمل کرے۔ (بخاری ۹/۱۷۸)

اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اعتماد اور اس کی قدرت پر پورا یقین

اللہ کی رحمت پر اعتماد اور اس کی قدرت پر پورا یقین رکھنے کی دو صفتیں نزول مغفرت

کا سب سے بڑا سامان ہیں۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

حدیث ''اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ'' کا بھی یہی مفہوم ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے معاملہ اس کے اعتماد و وثوق کے بقدر ہوتا ہے اگر اس کو یہ یقین ہے کہ گناہوں پر گرفت یا چشم پوشی کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے اس حسن عقیدت کا خلاف کرنا پسند نہیں کرتا، اور اس کے لیے مغفرت کا اعلان کر دیتا ہے۔

جو چاہے کرو، یہ لفظ تہدید و تخویف، اعزاز و تشریف کے دونوں مقام پر بولا جاتا ہے اور دونوں جگہ اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ قرینہ مقام کے مناسب یا صرف تخویف مراد ہوتی ہے یا تشریف۔ قرآن کریم میں ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اور مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ، اسی محاورہ پر استعمال ہوا ہے۔ محاورات میں منطق چلانا نہیں چاہیے۔
(ترجمان السنہ، ج:۱، ص:۳۱۶)

گناہ ہوجانے کے بعد گناہ ہوجانا اور پھر رجوع الی اللہ ہونا ربّ العالمین کی عظمت کی دلیل ہے

(٤٨٨) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فيما يحكی عن ربه عزّ وجلّ قال: ''أَذْنَبَ عَبْدٌ ذَنْبًا فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ، فَقَالَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی: أَذْنَبَ عَبْدِیْ ذَنْبًا فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ يَأْخُذُ بِالذَّنْبِ. ثُمَّ عَادَ فَأَذْنَبَ فَقَالَ: أَیْ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ. فَقَالَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی: عَبْدِیْ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ، وَ يَأْخُذُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَأَذْنَبَ فَقَالَ: أَیْ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ فَقَالَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی: أَذْنَبَ عَبْدِیْ ذَنْبًا فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ يَأْخُذُ بِالذَّنْبِ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکَ.''

قَـالَ عَبْـدُالْأَعْـلٰى: لَا أَدْرِىْ أَ قَـالَ فِـى الثَّـالِثَةِ أَوْ الـرَّابِـعَةِ :'اِعْمَلْ مَا شِئْتَ'. [صحيح] (أخرجه مسلم، ج: ۴، ص: ۲۱۱۲)

(۴۸۸) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ربّ العزّت سے روایت کرتے ہیں، حق جل مجدہ نے فرمایا: ایک بندہ نے گناہ کیا اور کہا: اے اللہ! میرے گناہ کی مغفرت کردے، تو حق تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کا کام کیا اوراس کو یقین ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کی مغفرت بھی کرتا ہے اور گناہ پر پکڑ بھی سکتا ہے، پھرتوبہ کے بعد گناہ کرلیتا ہے اورعرض کرتا ہے: میرے رب میرے گناہ کی مغفرت کردے تو حق تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کا کام کرلیا۔ مگراس کو یقین ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کے مغفرت کی قدرت بھی رکھتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرسکتا ہے۔ پھر بندہ گناہ کرلیتا ہے اورعرض کرتا ہے: میرے رب میرے گناہ کی مغفرت کردے۔ تو رب تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا، اوراس کو یقین ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرسکتا ہے اور گناہ پر پکڑ بھی۔ جا! جو جی چاہے عمل کر۔ میں نے تیری مغفرت کردی۔

عبدالاعلیٰ راوی کہتے ہیں: میں نہیں جانتا ہوں کہ تیسری بار یا چوتھی بار فرمایا: جو جی چاہے عمل کر۔ (اخرجہ مسلم ۴/۲۱۱۲) (نفحات قدسیہ ۲۲۹ نمبر حدیث کا فائدہ دیکھ لیں)

غیرتِ ایمانی کا کرشمہ

حدیث میں اس شخص کے احوال کا بیان ہے کہ سچی و پکی توبہ کرلی ہو مگر بشریت کے لوازمات کی بنیاد پر پھر جرائم کا صدور ہوگیا اوراس طرح بار بار ہوا، مگر ہر بار غیرت ایمانی نے چین وراحت کی سانس لینے نہ دیا اور بالآخر پھر عدالت ارحم الراحمین میں سر بہ سجود ہوگیا اور اقبال جرم کرلیا۔ حق جل مجدہ کی رحیم وکریم ذات اس کو کبھی بھی مایوس اوراپنی رحمت سے ناامید نہیں کرتی، مگر شرط ہے کہ ہر بار کی توبہ اس نیت ویقین سے کی ہو کہ گناہ کے قریب بھی نہ جاؤں گا، وگرنہ یہ جھوٹا عہد چنداں مفید نہیں ہے۔ کیونکہ ندامت اور استغفار

یہ دو چیزیں مومن کو اس طرح پاک وصاف کر دیتی ہیں کہ گویا اس نے کبھی گناہ ہی نہیں کیا، حدیث میں ہے: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص مریض ہو حکیم کی دوا سے بالکل ہی صحت یاب ہو گیا ہو پھر حکیم اس کو کہہ دے کہ اب سب کچھ کھا سکتے ہو، اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہوتا کہ زہر بھی کھانے کی اجازت ہے۔ یہاں بھی بالکل ایسا ہی سمجھنا چاہیے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ توبہ واستغفار کے بعد حق جل مجدہ نے کہہ دیا کہ ماضی کے سیئات کی فکر مت کرنا، گناہ معاف ہو چکے ہیں اور آئندہ احتیاط کا قدم رکھنا کہ مرض پھر لوٹ نہ آنے پائے۔ نیز اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے کس قدر خوش ہوتے ہیں کہ فرما دیتے ہیں، جا جو جی چاہے عمل کر، تیری مغفرت تو پہلے ہی ہو چکی ہے (اللہ ہماری سیئات کو بھی معاف فرمادے آمین) واللہ اعلم۔

باب : مَا مِنْ حَافِظَيْنِ يَرْفَعَانِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

باب: دو محافظِ اعمال فرشتوں کی بارگاہ ربّ العزّت میں شہادت

(٤٨٩) عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ:

" مَا مِنْ حَافِظَيْنِ رَفَعَا إِلَى اللّٰهِ مَا حَفِظَا مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، فَيَجِدُ اللّٰهُ فِي أَوَّلِ الصَّحِيْفَةِ وَ فِي آخِرِ الصَّحِيْفَةِ خَيْرًا إِلَّا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ مَا بَيْنَ طَرَفَيِ الصَّحِيْفَةِ۔" [ضعيف] (أخرجه الترمذی، ج:۳،ص:۹۸۱)

صحیفۂ اعمال کی ابتداء وانتہا اعمالِ صالحہ پر ہو، تو درمیانی سیئات معاف ہو جاتے ہیں

(۴۸۹) ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب محافظ اعمال فرشتے رات ودن کے اعمال نامہ لے کر اوپر جاتے ہیں اور حق جل مجدہ اس نامۂ اعمال کی ابتداء اور انتہاء میں خیر وبھلائی کو دیکھتے ہیں، تو حق تعالیٰ فرماتے

ہیں: فرشتوں میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے بندہ کے نامۂ اعمال کے درمیانی تمام سیئات کی مغفرت کردی۔ (اخرجہ الترمذی ۳/۹۸۱)

فائدہ: صحیفۂ اعمال کی ابتداء وانتہا میں جب نیکیاں لکھی ہوں گی اور درمیان میں بدی تو اللہ پاک درمیانی بدی کو معاف فرمادیتے ہیں۔ دوسری حدیث میں اس کی تفصیلی وضاحت آئی ہے کہ یہ محافظ اعمال فرشتے عصر وفجر میں اپنی اپنی ذمہ داری سنبھالتے ہیں یعنی فجر کی نماز میں جب انسان ہوتا ہے تو رات کے فرشتے جاتے ہیں اور اپنی کتاب وصحیفہ میں آخری عمل نماز فجر لکھتے ہیں اور آنے والا فرشتہ ابتدائی عمل اپنے صحیفہ میں نماز فجر اور جاتے ہوئے آخری عمل نماز عصر لکھتا ہے، تو اللہ پاک عصر وفجر اور فجر وعصر کے درمیانی سیئات کو معاف فرماتے ہیں کہ ہر صحیفہ کی ابتداء وانتہاء دونوں ہی نماز۔ لہٰذا درمیانی حالت کا اعتبار نہیں کیا جاتا، کہ وہ ارحم الراحمین و خیر الغافرین ہے۔

باب : وَ عِزَّتِیْ لَا أَجْمَعُ عَلٰی عَبْدِیْ خَوْفَیْنِ وَ أَمْنَیْنِ
باب: میرے بندے پر دو حالتیں جمع نہیں ہوتی

(٤٩٠) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ فيما يروی عن ربه جل و علا أنه قال:

”وَ عِزَّتِیْ لَا أَجْمَعُ عَلٰی عَبْدِیْ خَوْفَینِ وَ أَمْنَیْنِ إِذَا خَافَنِیْ فِی الدُّنْیَا أَمَّنْتُهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَ إِذَا أَمِنَنِیْ فِی الدُّنْیَا أَخَفْتُهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.“

[حسن] (أخرجه بن حبان فی صحيحه ٢٤٩٤/ موارد)

دو امن اور دو خوف جمع نہیں ہوں گے

(۴۹۰) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ ربّ العزّت سے روایت کرتے ہیں۔ حق جل مجدہ نے فرمایا: مجھ کو میری عزت کی قسم میں اپنے بندہ پر دو امن اور دو خوف جمع نہیں کروں گا۔ بندہ جب دنیا میں مجھ سے خائف رہا، تو

قیامت کے دن امن واطمینان دوں گا اور اگر دنیا میں مجھ سے بے خوف رہا تو قیامت کے دن اس کو عذاب وخوف میں رکھوں گا۔ (اخرجہ ابن حبان، ص۲۴۹۴)

جو دنیا میں اللہ سے ڈرتا ہے آخرت میں اس کے لیے چین وسکون ہے

(٤٩١) عن شداد بن أوس رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال:

" قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: وَ عِزَّتِیْ لَا أَجْمَعُ لِعَبْدِیْ أَمْنَیْنِ وَ لَا خَوْفَیْنِ إِنْ هُوَ أَمِنَنِیْ فِی الدُّنْیَا أَخَفْتُهُ یَوْمَ أَجْمَعُ فِیْهِ عِبَادِیْ، وَ إِنْ هُوَ خَافَنِیْ فِی الدُّنْیَا أَمَّنْتُهُ یَوْمَ أَجْمَعُ فِیْهِ عِبَادِیْ." [حسن لغيره] (أخرجه أبونعيم في الحلية، ج: ٦، ص: ٩٨)

(۴۹۱) ترجمہ: شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ نے فرمایا: مجھے میری عزت وجلال کی قسم؛ میں اپنے بندوں پر دو امن وچین، یا دو خوف و پریشانی جمع نہیں کروں گا۔ اگر بندہ دنیا میں میری پکڑ و عذاب سے بے خوف زندگی گزارتا ہے تو میں جس (قیامت کے) دن لوگوں کو جمع کروں گا اس دن، اس کو (اپنے عذاب سے) ڈراؤں گا اور اگر وہ دنیا میں (عذاب سے) ڈر کر زندگی گزارتا ہے تو میں جس دن لوگوں کو جمع کروں گا اس دن اس کو اپنے عذاب سے امن اور چین کی زندگی دوں گا۔

دائمی امن کا نسخۂ کیمیا کیا ہے؟

حق جل مجدہ نے واضح طور پر یہ بتلا دیا کہ مرضیات کیا ہیں؟ اور اس پر چلنے کا انجام کیا ہے؟ ساتھ ہی مہلکات اور ان کا انجام بھی بتلا دیا، مگر دونوں کے پیچھے کچھ شعوری کیفیتیں کارفرما ہیں مرضیاتِ حق پر انسان کو آخر وہ کونسی قوتِ محکمہ ڈالتی ہے یا وہ کونسی باہیبت ہستی، جو تاریک راتوں میں، تنہائی کے مکان میں اور نرم نرم بستروں پر چین کی سانس سے سونے نہیں دیتی اور گریہ وزاری پر آمادہ کرتی ہے، کہ بندہ کبھی تحمید، کبھی تسبیح، کبھی تقدیس، کبھی تہلیل، کبھی استغفار کے مسلسل کلمات، عقیدت واحترام، عظمت وکبریائی، امید وخوف کے ملے جلے رشتوں سے بے موسم کی بارش اور تخیل وتصوّر سے کانپتے ہوئے قطرات کی

لڑیاں ان کی چوکھٹ پر عقیدت کی جبینِ نیاز سے پیش کرتا ہے۔اسی کا نام تو خوف ہے! یہ نعمت جس کو یہاں مل گئی، دائمی امن اس کو نصیب ہوگیا اور کسی کا چوری کرنا پھر سینہ زوری کرنا، گناہ و معصیت کرنا پھر دندناتے پھرنا۔ اسی کا نام تو مہلکات ہے، جو فرعون بے اسباب کو ہلاکت میں ڈال دے گی اور فرعونیت و معصیت کے آثارِ بد، انجامِ بد اور عاقبتِ سوء کے ساتھ بئس المصیر برے ٹھکانہ کا ایندھن بنادے گی۔

"اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ مَخَافَةً تَحْجِزُنَا عَنْ مَعَاصِیْکَ، آمین!"

مولیٰ عزوجل کی یاد سے غافل ہونا عذاب ہی تو ہے

دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء ہے۔ دنیا میں اللہ جل مجدہ کے عذاب سے ڈرنا ایک عظیم ترین عملِ صالح ہے، جس کی جزاء آخرت میں امن وامان، راحت وفرحت، خوشی ومسرت ہے اور دنیاوی زندگی میں عذاب سے بے خوف زندگی گزارنا گویا خوف و خشیت کو بھلا دینا ہے۔ نیز حق سے بے خوف زندگی بذاتِ خود ایک عذاب ہی تو ہے کہ بندہ مولیٰ کی یاد سے غافل ہے اور اس کی سزا یہ ہوگی کہ عذاب جو مکمل خوف و دہشت کا مقام ہے اس سے وہاں ڈرایا جائے گا، گویا دنیاوی خوف دراصل ابدی امن کا پیغام ہے اور بے خوف رہنا ابدی ذِلت و رسوائی ہے۔ الامان والحفیظ، قرآن حکیم میں حق جل مجدہ کا ارشاد ہے: ﴿اِنْ اَوْلِيَاءُ هٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾

اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ بِفَضْلِکَ يَامُجِيْبُ يَاسَمِيْعُ الدُّعَاءِ . آمین!

نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں

(٤٩٢) عن شداد بن أوس رضي الله عنه قال: قال رسول ﷺ:

"إِنَّ التَّوْبَةَ تَغْسِلُ الْحَوْبَةَ وَ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ، وَ إِذَا ذَكَرَ الْعَبْدُ رَبَّهُ فِي الرَّخَاءِ، أَنْجَاهُ فِي الْبَلَاءِ ذٰلِکَ بِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: لَا أَجْمَعُ لِعَبْدِىْ أَبَدًا أَمْنَيْنِ، وَ لَا أَجْمَعُ لَهُ خَوْفَيْنِ إِنْ هُوَ أَمِنَنِى فِي الدُّنْيَا خَافَنِىْ يَوْمَ

أَجْـمَـعُ فِيْـهِ عِبَـادِيْ وَ إِنْ هُـوَ خَافَنِيْ فِي الدُّنْيَا أَمَّنْتُهُ يَوْمَ أَجْمَعُ فِيْهِ عِبَادِيْ فِيْ حَظِيْرَةِ الْقُدْسِ فَيَدُوْمُ لَهُ أَمْنُهُ وَ لَا أَمْحَقُهُ فِيْمَنْ أَمْحَقُ.“

[حسن لغيره] (أخرجه أبونعيم فى الحلية ج ١ ص ٢٧٠)

(۴۹۲) ترجمہ: شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک توبہ صاف کردیتی ہے گناہ کی گندگی کو اور نیکی مٹا دیتی ہے بدی و برائی کو، اور جب بندہ خوشی و مسرت میں اللہ پاک کا ذکر کرتا ہے تو اللہ پاک بلاؤں سے نجات دے دیتے ہیں، یہ اس وجہ سے کہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں اپنے بندہ کے اندر کبھی بھی کسی حالت میں دو مرتبہ خوشی و مسرت جمع ہونے نہیں دوں گا، نہ ہی دو مرتبہ خوف و بے فکری جمع ہونے دوں گا، اگر بندہ دنیا میں میرے عذاب وعقاب سے بے خوف رہتا ہے تو قیامت کے دن بندہ کو (عذاب کے ساتھ) خوف وفکر میں ڈال دوں گا، اور اگر بندہ دنیا میں مجھ سے ڈر کر زندگی بسر کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کو اپنی حظیرۃ القدس میں اپنے عذاب سے بے خوف کردوں گا، یعنی پاک بندوں کے جنت میں رہنے کی جگہ میں ہمیشہ ہی امن وسکون کی زندگی اس کو عطا کروں گا اور ان لوگوں میں اس کو شامل نہیں کروں گا جن کو عذاب وعقاب ہوگا اور سزا دیا جائے گا۔

قانونِ الٰہی دارین کی امن وامان کا ضامن ہے

اللہ پاک کے احکام کو ماننا، حکم کو بجالانا، شریعت کے قانون کے سامنے اپنے مفروضہ قوانین کی بنیاد کو توڑ دینا، اپنی ذات ونفس کے خلاف، اللہ پاک کی شریعت کو نافذ کردینا، اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، اور ایسے لوگوں کے لیے حظیرۃ القدس، پاک رہائش اور خوشگوار ماحول ہے، اور جو لوگ من مانی کرتے ہیں قانونِ الٰہی کے سامنے اپنے فرسودہ بیہودہ قانون کو وضع کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی حدود میں قدم رکھتے ہیں اور وہ اللہ پاک سے اپنے آپ کو اس دنیا میں بے خوف زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی سزا قیامت میں یہ ہوگی کہ ابدی دکھ، رنج وغم، اذیت وتکلیف، رونا پیٹنا ان کو نصیب ہوگا، یہ اس لیے کہ خود کو

ان حالات کا عادی بنایا تھا اور یہ حالات خود پر مسلط کیے تھے، جو شخص اپنی پونجی اور کمائی کو خود ضائع کر دیتا ہے تو وقت پر نا کامی کا گلہ غیر سے نہیں کر سکتا، کیونکہ مال و مایۂ ایمان کو خود ضائع کیا ہے اور آنے والے دن کے لیے نہیں رکھا۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ. آمین!

توبہ عطیہ و رحمتِ ربانی ہے

قرآن مجید میں توبہ کا حکم اللہ تعالیٰ نے بار بار مومنین کو دیا ہے اور توبہ سے بندہ کا رشتہ و تعلق اللہ تعالیٰ سے خوب استوار ہو جاتا ہے، اسی لیے سالہا سال کا پرانا جرم ایک سچی و پکی توبہ سے دھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی کو توبہ نصوح کا نام دیا ہے اور اللہ نے حکم دیا ہے۔

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا﴾

اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ

توبۂ نصوح

صاف دل کی توبہ یہ ہے کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے، اگر توبہ کے بعد ان ہی خرافات کا خیال پھر آیا سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی ہے۔ اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی۔ ”رَزَقَنَا اللّٰہُ مِنْھَا حَظًّا وَافِرًا بِفَضْلِہٖ وَ عَوْنِہٖ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ“ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے حضرت عمرؓ نے کہا توبہ نصوح یہ ہے کہ گناہ سے توبہ کر لے پھر گناہ کی طرف دوبارہ نہ لوٹے جیسے دودھ لوٹ کر تھن میں نہیں جاتا ہے۔

حسن نے کہا کہ توبۂ نصوح یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر پشیمان ہوا ور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لے۔

کلبی نے کہا توبۂ نصوح چار چیزوں کا مجموعہ ہے، زبان سے استغفار، اعضاء بدن

کو (گناہوں سے) روکنا، دوبارہ نہ کرنے کا دل سے عہد اور (برے) بدکار دوستوں کو چھوڑ دینا۔

عَسٰی رَبُّکُمْ اس آیت میں گناہوں کو معاف کرنے کی امید دلائی گئی ہے اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ توبہ بجائے خود گناہوں کی معافی کی موجب نہیں، اللہ (مختار کامل ہے اس) پر کچھ واجب نہیں بندے کو امید و بیم کی حالت میں رہنا چاہیے۔

نیکیوں اور نعمتوں کا موازنہ

بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن آدمی کے تین رجسٹر ہوں گے ایک رجسٹر میں اس کے نیک اعمال کا اندراج ہوگا دوسرے رجسٹر میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوں گے اور تیسرے میں اللہ کی نعمتیں درج ہوں گی، نعمت کے رجسٹر میں مندرجہ نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے اللہ فرمائے گا کہ اس آدمی کے نیک اعمال میں سے تیرے مساوی جو عمل ہو اس کو لے لے وہ نعمت تمام نیک اعمال کو لے لے گی، اور عرض کرے گی تیری عزت کی قسم ابھی تو میں نے اپنا پورا معاوضہ لیا بھی نہیں کہ تمام نیکیاں ختم ہوگئیں اور گناہ (تو سب کے سب) باقی ہیں، پھر جب اللہ بندہ پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا میرے بندے میں نے تیری نیکیاں بڑھا کر چند گنا کر دیں اور تیری بداعمالیوں سے درگزر کی اور اپنی نعمت تجھے بخش دی۔

نجات اللہ کی رحمت سے ہوگی

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا عمل ہرگز نجات (دوزخ سے حفاظت) نہیں دے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، آپ کو بھی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا مجھے بھی نہیں سوا اس کے کہ اللہ اپنی رحمت اور فضل سے مجھے ڈھانک لے (اور کوئی نجات کا ذریعہ نہیں اس موضوع کی احادیث بہت آئی ہیں)۔

اعمال پر بھروسہ نہ کرلو

ابونُعیم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے انبیاءِ بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو اہلِ طاعت ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرلیں کیونکہ قیامت کے دن جس بندہ کو میں حساب فہمی کے لیے کھڑا کروں گا (اور اس سے محاسبہ کروں گا) اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو اس سے سخت حساب لوں گا اور اس کو عذاب دوں گا اور اپنی امت کے گنہگاروں سے کہہ دو کہ وہ مایوس نہ ہوں، میں بڑے گناہ معاف کردوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔
(تفسیر مظہری)

ندامت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے۔

توبہ اللہ اور رسول کی رضا کا سبب ہے

حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں کہا گیا تھا کہ اس امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کیا کام کریں؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق حرام کردیا ہے اور جس فعل پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی ہوتی ہے اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کریں گے جو اللہ اور رسول کی ناراضگی کا باعث ہے۔ ان لوگوں کی نماز بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبۂ نصوح نہ کریں۔

توبۂ نصوح کیا ہے؟

حضرت زرؒ نے حضرت اُبیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا توبۂ نصوح کیا ہے؟ فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو فرمایا: قصور سے گناہ ہوگیا پھر اس پر نادم ہونا، اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا۔

حسنؒ فرماتے ہیں توبۂ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسا ہی بغض دل میں

بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار ہو جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کر لیتا ہے اور اپنی توبہ پر جمارہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی تمام خطائیں اسلام فنا کر دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ سوخت کر دیتی ہے، اب رہی یہ بات کہ توبۂ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک اس گناہ کو نہ کرے، یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا، گویا پھر بہ مقتضائے بشریت بھول چوک ہو جائے۔
(تفسیر ابن کثیر)

توبہ کے چھ ارکان

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا: جس میں چھ چیزیں جمع ہوں:

(۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت۔

(۲) جو فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں ان کی قضاء۔

(۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی واپسی۔

(۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی۔

(۵) آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم و ارادہ۔

(۶) اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے۔ (مظہری) (معارف القرآن مفتی اعظم)

توبۃ النصوح کی تفسیر

(حافظ ابن جریرؒ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، فرمارہے تھے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ انسان گناہ کر لے تو اس سے

تائب ہو اور اس طرح کہ پھر گناہ دوبارہ نہ کرے، سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس عزم و ارادہ کے ساتھ توبہ کرلے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا اس طرح کبار تابعین وائمہ سے منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عزم اور پختہ ارادہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان کو کیے ہوئے گناہ پر ندامت ہو، اسی وجہ سے بعض روایات میں ہے التوبۃ الندم کہ توبہ ندامت کا نام ہے)

(حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے توبۂ نصوح یہ ہے کہ تم گناہ سے توبہ کے بعد گناہ سے اتنی ہی نفرت کرنے لگو، جس قدر تم کو اس سے پہلے اس گناہ کی رغبت تھی اور جب اس گناہ کا خیال آئے اس سے بارگاہ ربّ العزّت میں استغفار کرو، احادیث صحیحہ میں ہے توبہ انسان کے گناہوں کو اس طرح مٹاتی ہے جس طرح کہ اسلام اس سے قبل کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹاتا ہے، احادیث میں سیّد الاستغفار کے کلمات اسی حقیقت کو واضح کررہے ہیں بندہ حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے ایک طرف اس کے انعامات کا تصور کرے دوسری طرف اپنی خطاؤں اور تقصیرات کو دیکھے یقیناً اس پر ایک ندامت و شرمندگی کی کیفیت قلب میں پیدا ہوگی اس ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور آئندہ کے لیے اپنے رب سے عہد کرنا کہ پھر آئندہ حتی الامکان میں اس طرح کی غلطی نہ کروں گا، اور اس پر اللہ سے مدد مانگے اور اپنی ہمت وکوشش اسی پر صرف کرے تو انشاء اللہ یہ توبۃ النصوح ہوگی اور امید ہے اس پر وہی ثمرات مرتب ہوں گے جن کا وعدہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا: وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ

(معارف القرآن کاندھلوی، گلدستہ، ج:۷، ص:۲۱۸)

توبہ کا کمال اور نیکی کی برکت

بندہ جب بارگاہِ ربّ العزت میں توبہ کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس بندہ کے نامۂ اعمال سے گناہ کو مٹادیتے ہیں، اس کے اثرات وآثار کو ختم کردیتے ہیں اور دل سے گناہ کی

ظلمت اور کدورت کو دھل دیتے ہیں، پھر بندہ جب نیکی کرتا ہے تو دل پر اعمال کا نور اور انابت الی اللہ کا میلان پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جس کی قدر کرنی چاہیے۔

قرآن مجید میں سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰاکِرِیْنَ﴾

البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو۔

نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں

یعنی نمازوں کا قائم رکھنا، اللہ کی یادگاری ہے، جیسے دوسری جگہ فرمایا: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ یا یہ مطلب ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ کا ضابطہ یاد رکھنے والوں کے لیے یاد رکھنے کی چیز ہے، جسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے مومن کو نیکیوں کی طرف خاص ترغیب ہوتی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو تین طرح، جو نیکیاں کرے، اس کی برائیاں معاف ہوں، اور جو نیکیاں اختیار کرے اس سے خو برائیوں کی چھوٹے، اور جس ملک میں نیکیوں کا رواج ہو، وہاں ہدایت آئے، اور گمراہی مٹے، لیکن تینوں جگہ وزن غالب چاہیے، ''جتنا میل اتنا صابن''۔ (تفسیر عثمانی)

سنن میں ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جس مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے، ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کیا پھر فرمایا: اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے، جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، مسند میں ہے کہ آپ نے پانی منگوایا وضو کیا پھر فرمایا: میرے اسی وضو کی طرح رسول اللہ ﷺ وضو کیا کرتے تھے، پھر حضور ﷺ نے فرمایا جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے

اور کھڑا ہو کر ظہر کی نماز ادا کرے اس کی صبح سے لے کر اب تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پھر عصر کی نماز پڑھے تو ظہر سے عصر تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں پھر مغرب کی نماز ادا کرے تو عصر سے لے کر مغرب تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ پھر عشاء کی نماز سے، مغرب سے عشاء تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پھر یہ سوتا ہے لوٹ پوٹ ہوتا ہے پھر صبح اٹھ کر نماز فجر پڑھ لینے سے عشاء سے لے کر صبح کی نماز تک کے سب گناہ بخش دیے جاتے ہیں، یہی ہیں وہ بھلائیاں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

پانچ نمازوں کی مثال

صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: بتلاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے مکان کے دروازے پر ہی نہر جاری ہو، اور وہ اس میں ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر ذرا سا بھی میل باقی رہ جائے گا؟ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا بس یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں اور گناہ معاف فرما دیتا ہے، صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک کا کفارہ ہے، جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ مسند احمد میں ہے ہر نماز اپنے سے پہلے کی خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

یہ اصول پوری اُمت کے لیے ہے

بخاری میں ہے کہ کسی شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضرت ﷺ سے اپنے اس گناہ کی ندامت ظاہر کی اس پر یہ آیت اتری۔ اس نے کہا کیا میرے لیے ہی یہ مخصوص ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا نہیں بلکہ میری ساری امت کے لیے یہی حکم ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا میں نے باغ میں اس عورت سے سب کچھ کیا ہاں جماع نہیں کیا، اب میں حاضر ہوں جو سزا میرے لیے آپ تجویز فرمائیں میں برداشت کرلوں گا، حضور ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور وہ چلا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے

اس کی پردہ پوشی کی تھی اگر یہ بھی اپنے نفس کی پردہ پوشی کرتا، آنحضرت ﷺ برابر اسی شخص کی طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا: اسے واپس بلالاؤ۔ جب وہ آگیا تو آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس پر حضرت معاذؓ نے دریافت کیا کہ کیا یہ اسی کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، بلکہ سب لوگوں کے لیے ہے۔

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک عورت سودا لینے کے لیے آئی تھی افسوس کہ میں اسے کوٹھری میں لے جاکر اس سے بجز جماع کے اور ہر طرح لطف اندوز ہوا۔ اب جو حکم الٰہی ہو وہ مجھ پر جاری کیا جائے۔ آپ نے فرمایا شاید اس کا خاوند غیر حاضر ہوگا؟ اس نے کہا جی ہاں! یہی بات تھی، آپ نے فرمایا تم جاؤ، (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھو، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی سوال کیا، پس آپ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح فرمایا پھر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی حالت بیان کی، آپ ﷺ نے فرمایا شاید اس کا خاوند راہِ حق میں گیا ہوا ہوگا؟ پس قرآن کریم کی یہ آیت اتری، تو وہ کہنے لگا کیا یہ خاص میرے لیے ہی ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا نہیں اس طرح صرف تیری ہی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوسکتیں، بلکہ یہ سب لوگوں کے لیے عام ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ سچے ہیں، ابن جریرؒ میں ہے کہ وہ عورت مجھ سے ایک درہم کی کھجوریں خریدنے آئی تھی تو میں نے اس سے کہا کہ اندر کوٹھری میں اس سے بہت اچھی کھجوریں ہیں وہ اندر گئی، میں نے بھی اندر جاکر اسے چوم لیا۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اپنے نفس پر پردہ ڈالے رہ، لیکن ابوالیسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھ سے صبر نہ ہوسکا، میں نے جاکر حضور ﷺ سے واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا افسوس تو نے ایک غازی مرد کی اس کی غیر حاضری میں ایسی خیانت کی، میں نے تو یہ سن کر اپنے تئیں

جہنمی سمجھ لیا اور میرے دل میں خیال آنے لگا کہ کاش میرا اسلام اس کے بعد کا ہوتا؟ حضور ﷺ نے ذرا سی دیر اپنی گردن جھکالی، اسی وقت حضرت جبرئیلؑ یہ آیت لے کر اترے، ابن جریرؒ میں ہے کہ ایک شخص نے آکر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اللہ کی مقرر کردہ حد مجھ پر جاری کیجیے۔ ایک دو دفعہ اس نے یہ کہا لیکن آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ وہ شخص کہاں ہے؟ اس نے کہا حضور ﷺ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تونے اچھی طرح وضو کیا؟ اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی؟ اس نے کہا، جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا بس تو تو ایسا ہی ہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ خبردار اب کوئی ایسی حرکت نہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

نمازوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں

حضرت ابوعثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، انھوں نے ایک درخت کی خشک شاخ پکڑ کر اسے جھنجھوڑا تو تمام خشک پتے جھڑ گئے۔ پھر فرمایا: ابوعثمان رضی اللہ عنہ! تم پوچھتے نہیں ہو کہ میں نے یہ کیوں کیا؟ میں نے کہا: ہاں جناب ارشاد ہو۔ فرمایا: اسی طرح میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے کیا، پھر فرمایا جب بندہ مسلمان اچھی طرح وضو کرکے پانچوں نماز ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے اس خشک شاخ کے پتے جھڑ گئے، پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں برائی اگر کوئی ہو جائے تو اس کے پیچھے ہی نیکی کرلو کہ اسے مٹادے، اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے ملا کرو، اور حدیث میں ہے جب تجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے ہی نیکی کرلیا کر کہ اسے مٹادے، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا لا الٰہ الا اللہ پڑھنا بھی نیکی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو بہترین اور افضل نیکی ہے، ابویعلی میں ہے دن رات کے جس وقت میں کوئی لا الٰہ الا اللہ پڑھے اس کے نامۂ اعمال میں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں یہاں تک کہ ان کی جگہ ویسی ہی نیکیاں ہو جاتی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا نئی نیکی پرانی بدی کا جس طرح خوبی کے ساتھ پیچھا کرتی اور تیزی کے ساتھ اس کو پہنچ جاتی ہے اتنی پہنچ والی اور کوئی خبر میں نے نہیں دیکھی ۔ (گلدستہ ۲۷/۳۶۰)

تیسری چیز حدیث میں بتلائی گئی کہ بندہ جب خوشی کے دنوں میں اپنے رب کو یاد رکھتا ہے تو حق جل مجدہ بلاؤں میں اس کی نصرت و مدد کرتے ہیں اور مشکلات سے نجات دیتے ہیں، اہل ایمان پھر اہل تقویٰ کب اپنے رب سے غافل رہتے ہیں ان کی زندگی کا مقصود ہی یادِ الٰہی ہے۔

بندوں کو ترغیب وتشویق دِلائی جارہی ہے کہ مصیبت و پریشانی میں تو سبھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں مگر وہ بندہ جو خوشی و مسرت کے عالم میں اپنے رب کو یاد رکھتے تھے ان پر پریشانی وحالات میں دل کو قرار، باطن میں طمانیت، حالات میں اضطراب نہیں ہوگا بلکہ تعلق مع اللہ میں اضافہ ہوگا، ایسے ہی وقت بندہ آزمایا جاتا ہے، اگر حالات و مشکلات میں ربّ العالمین سے تعلق چھوٹ گیا ربط ٹوٹ گیا، یہ علامت ہے کہ عذاب میں گرفتار ہے اور اگر حالات میں پہلے سے زیادہ رجوع وانابت کی شان پیدا ہوگئی ہے تو یہ دلیل ہے کہ بلاء نہیں رحمت ہے جو بشکل زحمت ہے، اگر بلاء ومصیبت میں جزع فزع، گلہ و شکوہ، اور عبادت اور اطاعت میں خلل ہورہا ہو تو بندہ سمجھے کہ یہ عذاب وعقاب ہے اور فوراً، توبہ واستغفار سے تلافی مافات شروع کردے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ بندہ جب خوشی و مسرت کے عالم میں دعا کا اہتمام کیا کرتا تھا، خوب آہ وزاری کیا کرتا تھا، تو جب پریشانی آجاتی ہے اور دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ جانی پہچانی آواز ہے، اور مانوس فریاد و مناجات ہے، اگر خوشی میں اللہ تعالیٰ کو فراموش کیے ہوا تھا اور پریشانی میں اللہ کی طرف متوجہ ہے تو فرشتے کہتے ہیں غیر مانوس واجنبی آواز آرہی ہے، اس لیے خوشی ومسرت کے دنوں میں خوب مناجات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات کی طرف کمال توجہ اور انابت کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین!

باب : مَا غَضَبْتُ عَلٰی أَحَدٍ غَضَبِیْ عَلٰی عَبْدٍ أَتٰی مَعْصِیَّةً ......

باب: معصیت کو مغفرت اور رحمت کے مقابلے میں رکھنا حق تعالی کے غضب کا بڑا سبب ہے

(٤٩٣) للرافعي عن ناجية بن محمد المنتجع عن جده:

"جِئْتَ تَسْأَلُنِیْ عَنْ سَعَةِ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَ أُخْبِرُکَ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: مَا غَضَبْتُ عَلٰی أَحَدٍ غَضَبِیْ عَلٰی عَبْدٍ أَتٰی مَعْصِیَّةً فَتَعَاظَمَهَا فِیْ جَنْبِ عَفْوِیْ، فَلَوْ کُنْتُ مُعَجِّلًا الْعُقُوْبَةَ أَوْ کَانَتِ الْعُجْلَةُ مِنْ شَأْنِیْ لَعَجَّلْتُ لِلْقَانِطِیْنَ مِنْ رَحْمَتِیْ، وَ لَوْ لَمْ أَرْحَمْ عِبَادِیْ إِلَّا مِنْ خَوْفِهِمْ مِنَ الْوُقُوْفِ بَیْنَ یَدَیَّ لَشَکَرْتُ ذٰلِکَ لَهُمْ وَ جَعَلْتُ ثَوَابَهُمْ مِنْهُ الْأَمْنَ لِمَا خَافُوْا."

[ضعيف] (كما في كنزالعمال ج ٣/ ٥٩٠١)

رحمتِ حق کا سائل

(۴۹۳) ترجمہ: منتجع سے روایت ہے، تو اللہ پاک کی رحمت کے متعلق سوال کرنے آیا ہے، سو میں بتلا رہا ہوں کہ حق جل مجدہ ارشاد فرماتے ہیں میں کسی شخص پر اتنا غضبناک نہیں ہوتا ہوں جتنا کہ اس شخص پر ہوتا ہوں جو گناہ کر کے پھر گناہ کو میری رحمت و معافی کے مقابلے میں بڑا جانے۔ اگر میں جلد کسی کو سزا دیتا یا میری شانِ رحمت کے خلاف جلد سزا دینا ہوتا تو میں اس شخص کو سب سے پہلے سزا دیتا جو میری رحمت سے مایوس و ناامید ہوتا ہے۔ میں اپنے بندوں پر، ان کا میرے سامنے خوف سے کھڑے ہونے کی وجہ سے رحم کرتا ہوں۔ اور یقیناً میں بندہ کے اس عمل کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اور میں ان کو ثواب دیتا ہوں کہ وہ میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں اور میں اس چیز سے امن دیتا ہوں، جس سے وہ ڈرتے ہیں۔

انسانی فہم کی کوتاہی وکجی

انسانی فطرت کی کجی وکوتاہی ، حدود وقیود کا عادی انسان ہمیشہ اپنے کوتاہ علم وتصور ، خیال وافکار سے آگے نہیں نکلتا ،قدرت کی فیاضی ، رحمٰن ورحیم کی وسعتِ رحمت ،عفوودرگزر کی غیرمحدودیت کوبھی یہ اپنے ہی وہم وخیال کی دنیا سے دیکھتا اور پرکھتا ہے، خالق کی شانِ عطا، جودوسخا کوبھی اپنے کوتاہ نگاہ سے محدود جانتا ہے، جبکہ بہت ہی واضح اور کھلی ہوئی بات ہے کہ صفات کی وسعت ذات کی نسبت کے بقدر ہوا کرتی ہے، ذات کی ہمہ گیری صفات کی وسعت کا پتہ دیتی ہے، ربّ العزّت کی ذات کائنات عالم کومحیط ہے، اوران کی شان ہے،**سُبْحَانَهُ مَا اَعْظَمَ شَأْنُهُ ، لَا يُحَدُّ وَ لَا يُتَصَوَّرُ، تَعَالَى اللّٰهُ عَنِ الْجِنْسِ وَ الْجِهَاتِ** ، وہ وہم گمان سے بالاتر ہے،فہم وادراک سے بلند تر ہے،اس کی ہرشان حدودو قیود سے وراءالوراء ہے۔ایک مجرم وگنہگار کوقدرت اپنے وسعت رحمت میں ڈھانپنا چاہتی ہےاور بندہ ہے کہ گناہ کوعفوودرگزر کے سامنے بڑا تصور کرتا ہے، ایسے بندہ کوحق جل مجدہ کا واضح پیغام ہے کہ اس کا اپنے گناہ کوقدرت کےعفووتسامح کے مقابلہ میں بڑا تصور کرنا، اس کے گناہ ومعصیت سے بڑا بھیانک گناہ ہے، یعنی گناہ کومغفرت وقدرت اور وسعتِ رحمت کے مقابلہ میں بڑا جاننا گناہ ومعصیت سے بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ وہ گناہ کوقدرت کے مقابلہ میں رکھ رہاہے اورعقیدہ کوخراب کرر ہا ہے۔مگر قدرت ہے کہ عجلت سے کام نہیں لیتی ورنہ اس بدعقیدگی اورقدرت کے ساتھ اس بدسلیقگی کی اس کوسزا ضرورملتی ،مگر رحمت حق پرقربان جایئے کہ بندہ کے ہرکوتاہی وجہالت کو جوصفات باری سے متعلق تھی سب کو دامن عفو میں جگہ دیتی ہےاور پکڑ کی جگہ انعام سے نوازتی ہے۔

لہٰذا بندہ کو چاہیے کہ کبھی بھی مایوسی کوقریب نہ آنے دے اورنہ ہی حق جل مجدہ کی رحمت واسعہ کے مقابلہ میں اپنے گناہ ومعاصی کو بڑا جانے ابھی ماضی میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:**مَنْ عَلِمَ أَنِّیْ ذُوْقُدْرَةٍ عَلٰی مَغْفِرَةِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَهُ وَ لَا اُبَالِیْ** ،جس کواس بات کا یقین ہوکہ اللہ گناہ کومعاف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، اس

کی حتمی ویقینی مغفرت ہوجاتی ہے۔اورحق تعالیٰ کواس بات کی کوئی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔لہٰذا نگاہ قدرت پر یقین کے ساتھ رکھئے اور قدرت کی رحمت سے مستفیض ہوئیے۔تذبذب وشکوک کی کیفیت کوقدرت کے ساتھ نہ جوڑیئے اپنی ایمانیات کا مضبوط رشتہ اللہ تعالیٰ سے ان کی وسعت رحمت،عظمت ورفعت،قوت وقدرت کے بقدر وابستہ کیجئے۔ان کی جناب میں کافر ومشرک کے سوا کوئی رحمت سے محروم نہیں۔اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا بِرَحْمَتِکَ الَّذِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ۔آمین!

باب : رَأَیْتُ عَلِیًّا أُتِیَ بِدَابَّةٍ لِیَرْکَبَهَا ......

باب:سواری کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل

وَ فِیْهِ یَقُوْلَا : یُعْجِبُ الرَّبُّ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ

(٤٩٤) عن علی بن ربیعة رضی اللہ عنہ قال: رَأَیْتُ عَلِیًّا رضی اللہ عنہ أُتِیَ بِدَابَّةٍ لِیَرْکَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِی الرِّکَابِ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ. فَلَمَّا اسْتَوٰی عَلَیْهَا قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا کُنَّا لَهُ مُقْرِنِیْنَ وَ إِنَّا إِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. ثُمَّ حَمِدَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَ کَبَّرَ ثَلَاثاً ثُمَّ قَالَ : سُبْحَانَکَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ، ثُمَّ ضَحِکَ. فَقُلْتُ: مِمَّ ضَحِکْتَ یَا أَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ! قَالَ: رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ ثُمَّ ضَحِکَ فَقُلْتُ: مِمَّ ضَحِکْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ:

"یُعْجِبُ الرَّبُّ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا قَالَ: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ یَقُوْلُ: عَلِمَ عَبْدِیْ أَنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ غَیْرِیْ." [صحیح] (أخرجه أحمد ج ٢ /٧٥٣)

سوار کے عمل پر حق جل مجدہ کا اپنے بندہ پر تعجب

(۴۹۴) ترجمہ: علی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ کے لیے سواری لائی گئی تا کہ سوار ہوں۔جب علیؓ نے رکاب میں اپنا پاؤں رکھا تو کہا بسم اللہ !جب سواری پر ٹھیک سے بیٹھ گئے تو کہا:الحمدُ لِلّٰہِ سبحانَ الذی سَخَّرَ لنا ھذا

وما كنا له مقرنين وإنا إلى ربنا لمنقلبون. پھر الحمدللّٰہ تین بار کہا۔اللّٰہ اکبر تین بار کہا، پھر سبحانک لا إله إلا أنت قد ظلمتُ نفسی فاغفرُلی کہا اور ہنسے۔ میں نے کہا: امیر المومنین! آپ کو ہنسی کیوں آگئی یا کس چیز نے آپ کو ہنسا دیا؟ علیؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح دیکھا کرتے ہوئے جس طرح میں نے کیا ہے۔ پھر حضور ﷺ ہنسے تو میں نے سوال کیا: آپ کو کس چیز نے ہنسا دیا یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

حق جل مجدہ بندہ کے اس عمل سے تعجب کرتے ہیں جب وہ کہتا ہے: رب اغفرلی یا اللہ میری مغفرت کردے۔ تو حق جل مجدہ فرماتا ہے: میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا گناہ میرے سوا کوئی معاف و مغفرت کر نہیں سکتا۔ (اخرجہ احمد ۲/۷۵۳)

بندہ کے اعتراف عبدیت پر حق تعالیٰ کا تعجب

(٤٩٥) عن علی بن ربیعة ﷺ أنه كان رِدْفاً لِعَلِيٍّ ﷺ فَلَمَّا وَضَعَ رِجلَهُ فِي الرِّكَابِ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ. فَلَمَّا اسْتَوىٰ عَلىٰ ظَهْرِ الدَّابَّةِ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰه ثَلاثًا وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثَلاثًا.

سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ (الزخرف: ١٣)

ثُمَّ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ، ثُمَّ مَالَ إِلىٰ أَحَدِ شِقَّيْهِ، فَضَحِكَ فَقُلْتُ: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! مَا يُضْحِكُكَ؟ قَالَ: إِنِّيْ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَصَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَمَا صَنَعْتُ فَسَأَلْتُهُ كَمَا سَأَلْتَنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

"إِنَّ اللّٰهَ لَيُعْجِبُ إِلَى الْعَبْدِ إِذَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ إِنِّيْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ قَالَ: عَبْدِىْ عَرَفَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ وَ يُعَاقِبُ." [صحيح] (أخرجه الحاكم فى المستدرك، ج: ٢ ص: ٩٨، ٩٩)

(۴۹۵) ترجمہ: علی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں علی رضی اللہ عنہ کا ردیف تھا، (یعنی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھا ہوا تھا) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنا قدم سواری کے رکاب میں رکھا تو کہا: بسم اللّٰہ ۔ جب جانور کی پیٹھ پر جم کر بیٹھ گئے تو کہا: الحمد لِلّٰہ تین باراور اللّٰہ اکبر تین بار۔ پھر

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ (الزحرف: ۱۳)

پھر کہا

لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَکَ إِنِّیْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ ۔

پھر ایک جانب ہلکا سا جھکے اور ہنسے، تو میں نے کہا: امیر المومنین رضی اللہ عنہ آپ کو کس بات نے ہنسا دیا؟ پھر علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایک روز سواری پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیچھے بیٹھا ہوا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے (اتباع میں) کیا ہے۔ تو میں نے سوال کیا: جس طرح تم نے مجھ سے سوال کیا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ بندہ پر تعجب کرتے ہیں جب کہتا ہے: لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَکَ إِنِّیْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ پہچانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو مغفرت بھی کرتا ہے اور پکڑ بھی۔ (الحاکم ۲/۹۸-۹۹)

سواری محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

حق تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسان کی سوارای کے لیے مختلف چیزیں عطا کی ہیں۔ مثلاً چوپایہ، کشتی، آج کے عہد میں بحری وبری جہاز، دوڑنے والی کاریں اور گاڑیاں وغیرہ، جس کا شکرادا کرنا اور دل کی گہرائی سے ربّ ذوالجلال کا احسان ماننا چاہیے کہ اس نے مختلف سواری کو ہمارے قابو اور اختیار کے تابع بنادیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ورنہ ہم میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ ایسی ایسی چیزوں کو مسخر کر لیتے۔ پھر حق جل مجدہ نے سفر آخرت کی تذکیر و یاددہانی کرادی کہ دیکھو: آج تم اس سواری پر بیٹھ کر دنیاوی منزل

طے کررہے ہو تو سفر آخرت کو نہ بھول جانا۔ بلکہ یہ سواری جس طرح تم کو تمہاری دنیاوی منزل کے قریب کررہی ہے تم آخرت کے بھی قریب ہورہے ہو کہ ایک دن کم ہوگیا، دودن کم ہوگئے تو گویا یہ تمہاری سواری تم کو دنیاوی منزل کے ساتھ ساتھ آخرت کی منزل کے قریب بھی کررہی ہے۔لہٰذا چوکنا رہنا، ہوشیار رہنا، سفر آخرت سے غافل نہ ہونا۔ سنو عین ممکن ہے، تم سواری پر بیٹھ کر جہاں جارہے ہو وہاں پہلے سے ملک الموت تمہارا انتظار کررہا ہو۔ تم نے تو دنیاوی غرض کے لیے سفر کا ارادہ کیا ہوگا؛ مگر عین ممکن ہے، یہ سفر تمہارا آخرت کا ہی سفر ہوجائے۔ آج کے اس عہد جدید میں رات دن ہم دیکھتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں مقام پر گیا اور وہیں اس کی اجل آئی اور سواری دنیاوی سفر کا خاتمہ کرکے آخرت کی پہلی منزل پر چھوڑ کر واپس آ گئی۔ سواری آئی مگر سوار نہ آیا۔ گاڑی آئی مگر گاڑی والا نہ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ سواری پر اس دعا کو پڑھا جائے، تاکہ غفلت نہ ہو اور پورے سفر کی عافیت وراحت رب کے سپرد کردیا جائے اور خود کو بھی رب کا بندہ بنا کر پیش کردیا جائے۔ واللہ اعلم (ثمین)

باب : أُدْعُ لَنَا رَبَّکَ يَجْعَلُ لَنَا الصَّفَا ذَهَبًا

باب: اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے صفا پہاڑی کو سونا بنادے

(٤٩٦) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قالت قريش للنبی ﷺ: اُدْعُ لَنَا رَبَّکَ أَنْ يَّجْعَلَ لَنَا الصَّفَا ذَهَبًا وَ نُؤْمِنُ بِکَ قَالَ:

”وَ تَفْعَلُوْنَ؟ قَالُوْا: نَعَمْ. قَالَ: فَدَعَا فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ: إِنَّ رَبَّکَ عَزَّوَجَلَّ يَقْرَأُ عَلَيْکَ السَّلَامَ. وَ يَقُوْلُ: إِنْ شِئْتَ أَصْبَحَ لَهُمُ الصَّفَا ذَهَبًا ، فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ عَذَّبْتُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ، وَ إِنْ شِئْتَ فَتَحْتُ لَهُمْ بَابَ التَّوْبَةِ وَ الرَّحْمَةِ. قَالَ: بَلْ بَابُ التَّوْبَةِ وَ الرَّحْمَةِ.“

[صحيح] (أخرجه أحمد، ج ٤ / ٢١٦٦)

قریش کا صفا پہاڑی کو سونا بنانے کا مطالبہ اور حق تعالیٰ کا جواب اور رسول اللہ ﷺ کا توبہ و رحمت کا انتخاب

(۴۹۶) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش نے نبی اللہ ﷺ سے فرمائش کی کہ اپنے ربّ سے ہمارے لیے دعا کریں کہ وہ صفا پہاڑی کو سونا بنادے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ایمان لے آؤ گے؟ انھوں نے کہا: ہاں! ہم ایمان لے آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا مانگی، فوراً جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا: یارسول اللہ ﷺ، اللہ عزوجل نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: اگر آپ چاہیں گے تو صفا پہاڑی ان کے لیے سونا بنادی جائے گی؛ لیکن پھر بھی یہ ایمان نہ لائے تو ان لوگوں کو ایسا عبرتناک عذاب دیا جائے گا جو دنیا جہان میں کسی کو نہیں دیا گیا ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں کے لیے، توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دیا جائے گا (ظاہر سی بات ہے نبی رحمت ﷺ نے) توبہ اور رحمت کا دروازہ پسند کیا۔ (احمد۔۴/۲۱۶۶)

رسول اللہ ﷺ نے بابِ توبہ کو پسند فرمایا

(٤٩٧) و قال أحمد أيضاً:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال:

قَالَتْ قُرَيْشٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أُدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُصْبِحُ لَنَا الصَّفَا ذَهَبَةً، فَإِنْ أَصْبَحَتْ ذَهَبَةً اِتَّبَعْنَاكَ، وَ عَرَفْنَا أَنَّ مَا قُلْتَ كَمَا قُلْتَ: فَسَأَلَ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ:

"إِنْ شِئْتَ أَصْبَحَتْ لَهُمْ هٰذِهِ الصَّفَا ذَهَبَةً، فَمَنْ كَفَرَ مِنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ عَذَّبْتُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ، وَ إِنْ شِئْتَ فَتَحْنَا لَهُمْ أَبْوَابَ التَّوْبَةِ قَالَ: يَا رَبِّ لَا بَلِ افْتَحْ لَهُمْ أَبْوَابَ التَّوْبَةِ." [صحيح] (أخرجه أحمد، ٥/٣٢٢٣)

(۴۹۷) ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قریش نے رسول اللہ ﷺ نے

کہا: آپ اپنے رب سے دعا کردیں کہ صفا پہاڑی کو ہم لوگوں کے لیے سونے کا پہاڑ بنا دے۔ اگر صفا پہاڑی سونا بن گئی (تو پھر ہم سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے) ہم آپ کی پیروی کریں گے اور یقین کرلیں گے کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے (صحیح و سچ) اور وہی کہا جو حقیقت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ربّ العزّت سے اس کا سوال کیا۔ تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: (آپ ﷺ کو اختیار ہے) اگر آپ چاہیں تو صفا پہاڑی کو سونا بنادیا جائے گا؛ لیکن اس کے بعد اگر کسی نے کفر اختیار کیا تو دنیا جہان میں ایسا عبرتناک عذاب کسی کو نہیں دیا گیا جو ان کو دیا جائے گا یا آپ چاہیں تو توبہ کا دروازہ ان پر کھول دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ربّ العزّت ان پر توبہ کا ہی دروازہ کھول دے۔

بعثتِ رسول ﷺ کا مقصد معاد کی فوز وفلاح ہے نہ کہ معاش کی تلاش

دوستو! ایک بہت ہی بنیادی و آسان بات پلّو میں باندھ لو۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہدایت وفکر آخرت ہے یا یوں کہہ لو کہ معاد کی فوز وفلاح ہے نہ کہ معاش کی کھوج و تلاش۔ اگر صراط مستقیم کا ہادی ہی ان جھمیلوں میں لوگوں کو الجھا دے تو پھر رشد و ہدایت کا رہبر و ہادی کون ہوگا؟! ظاہر کی تطہیر کے ساتھ ہادیٔ کامل نے باطن کی بھی تطہیر وتزکیہ کا مکمل خیال رکھا۔ ہمارے آقا ومولا محمد رسول اللہ ﷺ تو انابت واطاعت کی شان لے کر آئے تھے، اگر دنیاوی سونا وچاندی کے چمکتے ہوئے دل فریب مشغلوں میں امت مشغول ہوجاتی تو آج دین اسلام ہمارے پاس کہاں ہوتا۔ قریش کا سوال کفر ودنیا پرستی پر مبنی تھا۔ نبی کی دعا کا رخ صفا کے سونا بنانے نہ بنانے کا نہ تھا؛ بلکہ قریش کے ایمان ونجات کا داعیہ وسوال تھا، یا یوں کہہ لو کہ قریش ایمان باللہ وبالغیب وبالرسول کے لیے صفا کا سونا بن جانا چاہتے تھے۔ اگر یہ بن جاتا تو پھر وہی دنیا پرستی، مادہ پرستی کا داعیہ پیدا ہوجاتا، جبکہ بعثت نبوی فکرِ آخرت اور حق پرستی کے لیے ہوئی تھی، اسی لیے اللہ پاک نے بھی آگاہ کردیا کہ ایمان لانے کے لیے ایمانیات والٰہیات کا سوال نہ کرکے اہل مکہ کا مادیات کا سوال کرنا بے جا سوال ہے، اگر پورا کردیا گیا اور یہ ایمان نہ لائے تو پھر عبرتناک عذاب آئے گا، جو قیامت

تک باعث مثال ہوگا، اس لیے ربّ العزّت نے پھر انتخاب اہل مکہ کو نہیں دیا، بلکہ نبی رحمت کو دیا کہ سونا بنادوں اور ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب سے ہلاک کردوں یا باب توبہ و باب رحمت کھول دوں، ظاہر سی بات ہے۔ نبی رحمت، مجسم رحمت ہی رحمت تھے، توبہ ورحمت کا انتخاب کیا کہ اُمت عذاب سے بچی، مادہ پرستی سے بچی، کیوں کہ سونا بنا کر، عذاب میں ہلاک کر کے مقصد نبوت تو پورا ہوتا نہیں اور دوسری صورت میں مقصد نبوت بدرجہ اتم واکمل پورا ہوا اور امت عذاب سے بھی بچی اور نجات بھی ملی۔ الحمد للّٰہ کثیرًا اور نہ معلوم کتنی حکمتیں اس میں ہوں گی۔ واللہ اعلم!

باب : أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ ......

باب: بندہ کے گمان پر اللہ کا معاملہ

(٤٩٨) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه ﷺ قال:

" قَالَ اللّٰهُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ."

[صحيح] (أخرجه البخاری ج ٩ ص ١٧٧)

اللہ اپنے بندوں کے گمان کے قریب ہے

(۴۹۸) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں۔ (اخرجہ البخاری ۹/۱۷۷)

حسنِ ظن عظیم نعمت ہے

(٤٩٩) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ :

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ أَنَا مَعَهُ حَيْثُ يَذْكُرُنِیْ."

[صحيح] (أخرجه أحمد ج ٢ ص٥١٦)

(۴۹۹) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں اور اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے۔ (اخرجہ احمد ۲/۵۱۶)

(۵۰۰) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

”يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، وَ أَنَا مَعَهٗ إِذَا ذَكَرَنِیْ فَإِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ، وَ إِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَأٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَ إِنْ تَقَرَّبَ إِلَیَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَ إِنْ تَقَرَّبَ إِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَ إِنْ أَتَانِیْ يَمْشِیْ أَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً.“

[صحيح] (أخرجه البخاری ج ۹ ص۱۴۷)

(۵۰۰) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حق جل مجدہ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں اور جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر دل میں اللہ، اللہ کرتا ہے تو میں بھی دل میں اس کو یاد کرتا ہوں اور اگر میرا نام مجمع میں لیتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر اچھے مجمع میں کرتا ہوں اور اگر میری جانب ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جب ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں ایک گز قریب ہوتا ہوں اور جب چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔

حق جل مجدہ کا بندہ پر بے حد فضل وانعام ہے

(۵۰۱) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

” إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ : أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، وَ أَنَا مَعَهٗ حِيْنَ يَذْكُرُنِیْ إِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ، وَ إِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَأٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَئِهِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُنِیْ فِيْهِمْ، وَ إِنْ تَقَرَّبَ الْعَبْدُ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَ إِنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَإِذَا جَاءَ نِیْ يَمْشِیْ جِئْتُهٗ أُهَرْوِلُ، لَهُ الْمَنُّ وَ الْفَضْلُ.“ [صحيح] (أخرجه أحمد، ج: ۲ ص: ۴۸۲)

(۵۰۱) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حق جل مجدہ فرماتا ہے: میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر وہ میرا ذکر جی جی میں کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر دل میں کرتا ہوں اور اگر میرا نام وہ مجمع میں لیتا ہے تو میں بھی اس کا نام بہتر مجمع میں لیتا ہوں جہاں اس نے میرا نام لیا تھا۔ (یعنی فرشتوں کے مجمع میں) اور اگر میرا بندہ میری جانب ایک بالشت قریب ہوتا ہے، تو میں بندہ کی جانب ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور بندہ ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں بندہ کے ایک گز قریب ہوتا ہوں اور جب بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں بندہ کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور میرے بندہ کے لیے میری جانب سے بہت ہی فضل و انعام ہے۔ (اخرجہ احمد ۲/۴۸۲)

بندہ جب مجھ کو پکارتا ہے

(۵۰۲) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: عَبْدِیْ عِنْدَ ظَنِّهٖ بِیْ، وَ أَنَا مَعَهٗ إِذَا دَعَانِیْ، فَإِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ، وَ إِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَإٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَ أَطْيَبَ، وَ إِنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَ إِنْ تَقَرَّبَ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ بَاعًا ،وَ إِنْ أَتَانِیْ يَمْشِیْ أَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً." [صحيح] (أخرجه أحمد ج:۲،ص:۴۸۰)

(۵۰۲) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ عزوجل نے فرمایا: میرا بندہ میرے ساتھ اپنے گمان کے اعتبار سے ہوتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے پکارتا ہے، اگر مجھ کو دل ہی دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو دل ہی دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر مجھ کو کسی مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس کے مجمع سے بہتر اور پاکیزہ مجمع میں یاد کرتا ہوں (وہ ہے حق جل مجدہ کے ہمنشین عالم ملکوت کا مجمع) اور جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں بندہ کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جب بندہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں بندہ سے ایک گز قریب ہوتا ہوں اور جب وہ چل کر آتا ہے، میں بندہ کی جانب دوڑ کر آتا ہوں۔

توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے

(۵۰۳) عن أبی هريرةؓ عن رسول اللّٰہ ﷺ أنه قال:

قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ أَنَا مَعَهُ حَيْثُ يَذْكُرُنِیْ وَ اللّٰهِ لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ أَحَدِكُمْ يَجِدُ ضَالَّتَهُ بِالْفَلَاةِ ، وَ مَنْ تَقَرَّبَ إِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا ، وَ مَنْ تَقَرَّبَ إِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا ، وَ إِذَا أَقْبَلَ إِلَیَّ يَمْشِیْ أَقْبَلْتُ إِلَيْهِ أُهَرْوِلُ. [صحيح] (أخرجه مسلم ج ۴ ص ۲۱۰۲)

(۵۰۳) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ اللہ کے رسول ﷺ سے بیان کرتے ہیں: حق جل مجدہ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں اور جب کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہے، تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (جبکہ وہ میرا ذکر کرتا ہے) اور اللہ پاک اپنے بندے کی توبہ سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے کہ تم میں سے کسی کو اپنا کھویا ہوا سامان صحرا میں مل جائے اور جو میری جانب ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے اور جو ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں ایک گز قریب ہوتا ہوں اور جب بندہ میری جانب چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر بندہ کو آغوش رحمت میں لے لیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی معیت

(٥٠٤) عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ :

"إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ أَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِیْ."

[صحيح] (أخرجه مسلم ج ٤ ص٢٠٦٧)

(۵۰۴) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں اور جب وہ مجھ کو پکارتا ہے تو میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (اخرجہ مسلم۴/۲۰۶۷)

بندوں کے گمان پر رحمت حق

(٥٠٥) و للبیهقی فی شعب الإیمان عن أبی هریرة رضی الله عنه أیضًا :

"أَمَرَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِعَبْدٍ إِلَى النَّارِ فَلَمَّا وَقَفَ عَلٰى شَفَتِهَا اِلْتَفَتَ فَقَالَ: أَمَا وَ اللّٰهِ يَا رَبِّ إِنْ كَانَ ظَنِّىْ بِكَ لَحَسَنًا ، فَقَالَ اللّٰهُ: رُدُّوْهُ. فَأَنَا عِنْدَ حُسْنِ ظَنِّ عَبْدِىْ بِىْ فَغُفِرَ لَهُ." [ضعیف] (کما فی کنز العمال، ٣/٥٨٤٦)

(٥٠٥) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، قیامت کے دن اللہ پاک ایک شخص کے متعلق حکم دیں گے، کہ اس کو جہنم میں لے جاؤ، جب وہ شخص نار جہنم کے بالکل کنارہ پر کھڑا ہوگا تو پروردگار عالم کی طرف دیکھے گا اور عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! تیری ذات کی قسم اے ربّ العالمین! میں تو تیری ذات سے صرف خیر ہی کی امید کیے ہوا تھا، پس ارشاد ہوگا: اس شخص کو جہنم سے واپس لے آؤ اور میں تو اپنے بندوں کے گمان کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں اور اس شخص کی مغفرت کر دی جائے گی۔ اللہ اکبر۔

بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ

(٥٠٦) للطبرانی عن معاویة بن حیدة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال :

"قال اللّٰه : أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِىْ بِىْ."

[ضعیف] (کما فی مجمع الزوائد ج ١٠ ص١٤٨)

(٥٠٦) ترجمہ: معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حق تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ (مجمع الزوائد)

میرا بندہ اور میری یاد

(٥٠٧) عن أنس بن مالک رضی الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم :

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : عَبْدِىْ ! أَنَا عِنْدَ ظَنِّكَ بِىْ وَ أَنَا مَعَكَ إِذَا ذَكَرْتَنِىْ." [صحیح] (أخرجه الحاکم فی المستدرک۔ ج: ١، ص:٤٩٧)

(۵۰۷) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے! میں تیرے گمان کے ساتھ تجھ سے معاملہ کرتا ہوں اور تیرے ساتھ ہوتا ہوں جب تو مجھ کو پکارتا ہے۔

حصولِ برکت کے لیے ہاتھ کا چہرہ پر پھیرنا

(۵۰۸) حیان أبو النضر قال: دخلت مع واثلة بن الأسقع رضی اللہ عنہ على الأسود الجرشي في مرضه الذي مات فيه فسلم عليه وجلس قال:

فَأَخَذَ أَبُو الْأَسْوَدِ يَمِيْنَ وَاثِلَةَ فَمَسَحَ بِهَا عَلَى عَيْنِهِ وَ وَجْهِهِ لِبَيْعَتِهِ بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ وَاثِلَةُ: وَاحِدَةٌ أَسْأَلُكَ عَنْهَا، قَالَ: وَ مَا هِيَ؟ قَالَ: كَيْفَ ظَنُّكَ بِرَبِّكَ؟ قَالَ: فَقَالَ أَبُو الْأَسْوَدِ وَ أَشَارَ بِرَأْسِهِ أَيْ حَسَنٌ. قَالَ وَاثِلَةُ: أَبْشِرْ إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ فَلْيَظُنَّ بِيْ مَا شَاءَ."

[صحيح] (أخرجه أحمد ج ٣ ص ٤٩١)

(۵۰۸) ترجمہ: حیان ابونضر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسود جرشیؒ کی عیادت کے لیے گیا جبکہ وہ مرض الموت میں تھے، حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ راوی کا کہنا ہے: ابوالاسودؒ نے حضرت واثلہؓ کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور برکت کو حاصل کرنے کی لیے ان کے ہاتھ کو اپنی دونوں آنکھوں اور چہرہ پر پھیرا اور ملا۔ اس لیے کہ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے اسی ہاتھ سے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی۔ واثلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا ہے؟ انھوں نے کہا: تمہارا اپنے رب کے ساتھ کیسا گمان ہے؟ ابوالاسودؒ نے اشارہ کیا اور کہا: عمدہ ہے، واثلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: خوشخبری سن لو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

حق جل مجدہ نے فرمایا: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں، پس وہ میرے ساتھ جیسا چاہے گمان رکھے۔

صحابی کے ہاتھ سے برکت حاصل کرنا

(۵۰۹) عن حیان أبی النضر قال : خَرَجْتُ عَائِدًا لِیَزِیْدَ بْنِ الْأَسْوَدِ فَلَقِیْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ رضی اللہ عنہ وَ هُوَ یُرِیْدُ عِیَادَتَهُ، فَدَخَلْنَا عَلَیْهِ، فَلَمَّا رَأٰی وَاثِلَةَ بَسَطَ یَدَهُ وَ جَعَلَ یُشِیْرُ إِلَیْهِ، فَأَقْبَلَ وَاثِلَةُ حَتّٰی جَلَسَ ، فَأَخَذَ یَزِیْدُ بِکَفَّی وَاثِلَةَ فَجَعَلَهُمَا عَلٰی وَجْهِهٖ فَقَالَ لَهُ وَاثِلَةُ: کَیْفَ ظَنُّکَ بِاللّٰهِ ؟ قَالَ: ظَنِّیْ بِاللّٰهِ وَ اللّٰهِ حَسَنٌ. قَالَ: فَأَبْشِرْ فَإِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ:

"قَالَ اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ إِنَّ ظَنَّ بِیْ خَیْرًا لَهُ، وَ إِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَهُ." [صحیح] (أخرجه ابن حبان فی صحیحه۔ ص:۱۷۶۔ موارد)

(۵۰۹) ترجمہ: حیان ابونضر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں یزید بن اسودؓ کی عیادت کے لیے نکلا تو میری ملاقات واثلہ بن اسقعؓ سے ہوگئی، وہ بھی عیادت کے لیے جارہے تھے، ہم لوگ ان کے پاس آئے، تو جب انھوں نے واثلہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو اپنا ہاتھ پھیلایا اور ان کی طرف اشارہ کرنے لگے، تو واثلہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور بیٹھ گئے، تو یزید نے واثلہؓ کی دونوں ہتھیلیوں کو لیا اور اپنے چہرے پر (حصولِ برکت کے لیے) پھیرنے لگے، واثلہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اللہ کے ساتھ تمہارا کیسا گمان ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ کے ساتھ میرا گمان اچھا ہے، تو انھوں نے کہا: خوشخبری حاصل کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا:

حق جل مجدہ نے فرمایا: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ بھلائی کا گمان رکھتا ہے تو بھلائی ہے اور اگر وہ برائی کا گمان رکھتا ہے تو برائی ہے۔

رحمتِ واسعہ بندہ کا انتظار کرتی ہے

حق جل مجدہ کی ذات ارحم الراحمین ہے، مادّہ رحم وکرم کا منبع وسرچشمہ ہے، اس کے ساتھ اچھا ہی گمان ہونا چاہیے۔ حدیث شریف میں اسی بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ بندہ اپنے معبود ومسجود حقیقی سے بدگمانی نہ رکھے؛ بلکہ خیر وبھلائی کا گمان رکھے اور ذات حق اپنے بندے کے گمان کے خلاف معاملہ نہیں کرے گا؛ کیونکہ وہ معبود ہے۔ ہاں! اگر کوئی بد بخت خود ہی بدگمانی میں مبتلا ہوجائے تو اس کے ساتھ بھی اس کے گمان کے خلاف معاملہ نہیں ہوگا؛ لہٰذا گریبان میں جھانک کر دیکھ لیا جائے کہ اپنا معاملہ مولائے کریم کے ساتھ کیسا ہے؟ اس حسنِ ظن کا تعلق تمام عبادات، حسن عاقبت، حسن انجام، مقبولیت دعا کے باب سے ہے۔ اللہ ہمیں اپنی ذات کے ساتھ حسن معاملہ کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین!

ان احادیث میں ربّ العالمین کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی ہدایات، اور ایک خاص اسلوب کے ساتھ ترغیب دی گئی ہے۔ ربّ العالمین کی ذات مکمل خیر کا مرکز ومنبع ہے۔ ہر شخص کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق وعلاقہ ہے، اسی تعلق اور علاقہ کی بنیاد پر بندہ اپنے رب سے ربط وامید وابستہ رکھتا ہے، جو جیسی امید حق تعالیٰ سے رکھتا ہے رب تبارک وتعالیٰ بھی معاملہ اس کے ساتھ ویسا ہی کرتا ہے۔ جو خیر کی امید رکھتا ہے اللہ پاک خیر وبھلائی کا معاملہ کرتے ہیں اور جو ربّ العزّت سے اچھی امید نہیں رکھتا اس کے ساتھ معاملہ ویسا ہی ہوتا ہے، اس لیے امام حجر عسقلانیؒ نے کہا کہ: بندہ کو پوری امید رکھنی چاہیے کہ وہ جو کچھ بھی خیر وبھلائی کا ربّ العزّت سے امیدوار ہے حق تعالیٰ بدرجہ اتم اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ اس کی امید پوری کردیں۔

امام کرمانیؒ نے کہا کہ: ناامیدی کو امید پر قوی وغالب رکھے۔ یعنی رحمت کو غضب پر عفو کو عقاب پر، جنت کو جہنم پر، اس لیے کہ جب بندہ اس بات کو پڑھتا اور سنتا ہے کہ اللہ کی رحمت غضب پر سبقت کرگئی یا اللہ اپنے بندہ کے گمان پر معاملہ کرتا ہے تو جانب امید غالب

رہے گی جانب خوف پر اور خاص کر موت کے وقت تو صرف رحمت، رحمت ہی رحمت، فضل ہی فضل پر نگاہ رہنی چاہیے تا کہ معاملہ بھی رحمت و فضل کا ہو، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ **لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ وَ ھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ**۔ یعنی تم میں سے کسی کی موت نہ آئے؛ مگر یہ کہ وہ اللہ پاک کے ساتھ حسن ظن یعنی رحمٰن ورحیم سے اچھی ہی امید وتوقع رکھے۔ یہ مقام بھی اہم ہے کہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ حسن ظن سے مراد علم ہے یعنی ﴿وَ ظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاً مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ﴾ علم ویقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

امام قرطبیؒ کی رائے ہے کہ دعا کے وقت قبولیت کا یقین رکھے۔ توبہ کرتے وقت توبہ کے قبول کا یقین کرے۔ استغفار کے وقت مغفرت کی امید رکھے۔ عبادت کے وقت ثواب اور وعدہ ربانی کا استحضار ہو۔ الغرض ہر ہر عبادت واطاعت کے وقت مکمل اس کا استحضار ہو کہ کس عمل پر کیا وعدہ کیا گیا ہے، تا کہ اس عمل کو اس کے مکمل شرائط وآداب کا خیال رکھتے ہوئے عملی جامہ پہنائے۔ حدیث میں آیا ہے:

اُدْعُوا اللّٰہَ وَ اَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَۃِ تم دعا اس کیفیت میں مانگو کہ تم کو یقین ہو قبولیت کا۔ اس لیے عبادات وطاعات کو اسی یقین کے ساتھ کرنی چاہیے کہ یہ عند اللہ قبول ہوں گی اور اس پر وہ تمام انعامات واکرام ملیں گے جو اللہ کی جانب سے وعدہ ہے۔ مثلاً مغفرت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ اللہ نہ کرے اگر اس کے دل میں یہ بات آ گئی کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کرے گا یہ عبادات اس کو نفع بخش نہیں ہے، تو یہ رحمت سے ناامیدی تو استغفر اللہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ گناہ ومعصیت پر اچھی امید رکھے۔ ہاں! وہ قادر ہے۔

بات چل رہی ہے کہ عبادات وطاعات پر قبولیت کی امید رکھے اور یہ امید اللہ پوری کریں گے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ جو ایک بالشت قریب ہوتا ہے اللہ ایک ہاتھ یعنی ہلکی پھلکی عبادت وانابت پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مغفرت ورحمت کا پروانہ مل

جاتا ہے۔

تو گویا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بندہ کے لیے مغفرت کا پروانہ دیتا ہے، رحمت کا دروازہ کھولتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت بندہ کے عمل سے زیادہ سرعت و تیزی کے ساتھ بندہ کی طرف جاتی ہے، جس کو شبر، یا ذراع، یا باع سے تعبیر کیا گیا ہے، اس میں سرعت کا بیان ہے تمنا و مراد ابھی زبان سے مکمل نہیں ہوئی اجابت حق تیار ہے۔ مغفرت مانگی نہیں؛ بلکہ باب رحمت پر بلا کر مغفرت دی جا رہی ہے۔ ثلث لیل کا منادی، لوگوں کو مغفرت و عافیت و راحت لینے کو پکارتا ہے، رحمت بندہ کا انتظار کرتی ہے۔ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰی غَضَبِیْ کا مظاہرہ کرنا چاہتی ہے۔ یہ سب سرعت کی مثالیں ہیں، جو از راہ کرم حق تعالیٰ نے بندہ کے لیے رکھی ہیں۔

باب : إِذَا أَرَادَ عَبْدِیْ أَنْ يَّعْمَلَ سَيِّئَةً ......

باب: بندہ جب برائی کا ارادہ کرتا ہے

(۵۱۰) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال:

”يَقُوْلُ اللّٰهُ: إِذَا أَرَادَ عَبْدِیْ أَنْ يَّعْمَلَ سَيِّئَةً فَلَا تَكْتُبُوْهَا عَلَيْهِ حَتّٰى يَعْمَلَهَا، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا بِمِثْلِهَا، وَ إِنْ تَرَكَهَا مِنْ أَجْلِی فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً، وَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّعْمَلَ حَسَنَةً فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً. فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةٍ.“ [صحيح] (أخرجه البخاری، ج: ۹ ص: ۱۷۷)

عمل و ارادہ کے بدلے میں اللہ کا فضل و احسان

(۵۱۰) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ فرماتا ہے: جب میرا بندہ ارادہ کرتا ہے کہ کوئی گناہ کرے تو اس کو بندہ کے اعمال نامہ میں نہ لکھو جب تک کہ کر نہ لے۔ اگر کر لے تو اسی کے بقدر برابر سرابر لکھ لو اور جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے اور نیکی ابھی نہیں کی تو بھی ایک حسنہ و نیکی لکھ لو اور اگر

نیکی کرلے تو اس کے نامۂ اعمال میں دس گنہ سے سات سو تک لکھ لو۔ (بخاری ۹/۱۷۷)

بندہ کی بدی کو عمل سے پہلے نہ لکھو

(۵۱۱) عن أبی هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ :

" قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : إِذَا هَمَّ عَبْدِیْ بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوْهَا عَلَيْهِ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا سَيِّئَةً ، وَ إِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوْهَا حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا عَشْرًا ." [صحیح] (أخرجه مسلم، ج : ۱، ص: ۱۱۷)

(۵۱۱) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : حق جل مجدہ نے فرمایا: جب میرا بندہ بدی و گناہ کا سوچتا ہے تو مت لکھو اور اگر گناہ بھی کرلے تو ایک گناہ لکھ لو اور جب نیکی کا سوچے تو ایک لکھ لو جبکہ عمل بھی نہیں کیا اور اگر نیکی کرلے تو دس لکھ لو۔ (اخرجہ مسلم ۱/۱۱۷)

نیکی کے ارادہ کو حسنہ لکھو

(۵۱۲) عن أبی هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ — وَ قَوْلُهُ الْحَقُّ —: إِذَا هَمَّ عَبْدِیْ بِحَسَنَةٍ ، فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، وَ إِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوْهَا فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا بِمِثْلِهَا فَإِنْ تَرَكَهَا وَ رُبَمَا قَالَ: لَمْ يَعْمَلْ بِهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً ثُمَّ قَرَأَ: (مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا) ."

[صحیح] (أخرجه الترمذی ج ۵/۳۰۷۳)

(۵۱۲) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ نے فرمایا۔ اور اس کا فرمان سچ ہی سچ ہے۔ جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو ایک نیکی لکھ لو اور جب ارادہ کے بعد عمل بھی کرے تو دس گنہ زیادہ لکھ لو اور جب بدی و گناہ کا خیال سوچے تو مت لکھا کرو اور اگر کرلے تو پھر ایک ہی برابر سرابر لکھ لو اور اگر

بدی کو چھوڑ دے یا فرمایا اس بدی و گناہ کا کام نہیں کیا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ لو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا جو ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس سے دس درجہ زیادہ ملے گا۔ (اخرجہ الترمذی ۵/۳۰۷۳)

بدی کا خیال آیا مگر نہ کر سکا تو حسنہ لکھ لو

(۵۱۳) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : إِنْ هَمَّ عَبْدِیْ بِحَسَنَةٍ فَاكْتُبُوْهَا، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ بِعَشْرَةِ أَمْثَالِهَا، وَ إِنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوْهَا فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا بِمِثْلِهَا فَإِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً." [صحيح] (أخرجه أحمد، ج ۱۳/ ۷۲۹۴)

(۵۱۳) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ نے فرمایا: اگر میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس ارادہ کو بھی نیکی میں لکھ لو اور اگر اس پر عمل کر لے تو دس درجہ زیادہ لکھ لو اور جب بدی و برائی کا سوچے تو اس کو مت لکھو اور اگر کر لے تو برابر سرابر لکھ لو اور اگر چھوڑ دے تو بھی ایک نیکی لکھ لو۔ (احمد)

بدی کرنے کے بعد اگر توبہ کر لے تو اس کو مٹا دو

(۵۱٤) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰه ﷺ عن اللّٰه جل وعلا قال:

"إِذَا هَمَّ عَبْدِیْ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ عَشْرًا لِأَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ. وَ إِذَا هَمَّ عَبْدِیْ بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوْهَا عَلَيْهِ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا سَيِّئَةً فَإِنْ تَابَ فَامْحُوْهَا عَنْهُ."

[صحيح] (أخرجه ابن حبان فی صحيحه / ۲٤٦۱ موارد)

(۵۱۴) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ اللہ ربّ العزّت سے روایت کرتے ہیں حق تعالیٰ نے فرمایا: جب میرے بندہ نے نیکی کا ارادہ کیا اور ابھی اس نیکی کو عملی جامہ نہیں پہنایا تو ایک نیکی لکھ لو اور اگر عمل کر لے تو دس درجہ سے

سات سو تک لکھ لو اور جب میرا بندہ گناہ کا سوچے تو اس کے حق میں کچھ مت لکھو اور اگر گناہ کر لے تو ایک ہی گناہ لکھو اور اگر گناہ سے توبہ کر لے تو اس کے نامہ اعمال سے اس گناہ کو مٹا دو۔ ختم کر دو۔ (اخرجہ ابن حبان ۲۴۶۱ موارد)

ربّ العزّت یہ تو وہ بندہ ہے جس نے گناہ کا ارادہ کیا تھا

(۵۱۵) أبوهريرة ﷺ عن محمد رسول الله ﷺ فذكر أحاديث منها قال رسول الله ﷺ:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : إِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِیْ بِأَنْ يَّعْمَلَ حَسَنَةً فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ حَسَنَةً مَا لَمْ يَعْمَلْ ، فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، وَ إِذَا تَحَدَّثَ بِأَنْ يَّعْمَلَ سَيِّئَةً فَأَنَا أَغْفِرُهَا لَهُ مَا لَمْ يَعْمَلْهَا. فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ بِمِثْلِهَا ."

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :

"قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ: رَبِّ ذَاكَ عَبْدُكَ يُرِيْدُ أَنْ يَّعْمَلَ سَيِّئَةً (وَ هُوَ أَبْصَرُ بِهِ) فَقَالَ: اُرْقُبُوْهُ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ بِمِثْلِهَا: وَ إِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّای." [صحيح] (أخرجه مسلم، ج : ۱، ص:۱۱۷)

(۵۱۵) ترجمہ: ابو ہریرہ ؓ نے محمد ﷺ سے جو روایت بیان کی ہیں ان میں ایک یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حق جل مجدہ نے فرمایا: جب میرا بندہ دل میں نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ لیتا ہوں جب تک وہ اس کو نہیں کر لیتا ہے اور جب اس نیکی کو کر لیتا ہے تو دس درجہ زیادہ لکھ لیتا ہوں اور جب میرا بندہ دل میں کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو میں اس کو معاف رکھتا ہوں جب تک اس گناہ کو کر نہ لے اور جب گناہ کر لیتا ہے تو برابر سرابر گناہ لکھ لیتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرشتوں نے عرض کیا: ربّ العزّت! یہ تو وہ بندہ ہے جس نے گناہ کا ارادہ کیا تھا (جبکہ حق جل مجدہ کو فرشتوں سے زیادہ معلوم ہے) حق

جل مجدہ فرماتا ہے: تم اس کی نگہداشت ونگرانی رکھو، اگر وہ گناہ کرلے تو برابر سرابر لکھ لینا ، اگر اس گناہ کو چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھ لینا؛ کیونکہ اس نے گناہ میری (عظمت ورضا اور خوف وسزا کی) وجہ سے چھوڑا ہے۔ (اخرجہ مسلم۔۱/۱۱۷)

حق تعالیٰ کا خصوصی انعام

نیکی کے ارادہ پر ایک ثواب کا لکھا جانا اور بدی کے ارادہ پر کچھ نہ لکھا جانا جب تک کہ بدی کو عملی جامہ نہ دے دیا جائے۔ اس کی تفصیلی بحث ماضی میں آپ پڑھ چکے ہیں، یہاں تو صرف اتنی بات جان لینی چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ کو منجانب اللہ بے شمار خصوصیات وممیّزات عطا کیے گئے ہیں، اور آقا ومولیٰ ﷺ کے توسط سے آپ کی امت کو بھی حق تعالیٰ نے تمام امم کے مقابلہ میں عنایات وبرکات کا ایک خاص رتبہ عطا کیا ہے، انہیں عطیات وعنایات کے باب سے یہ بھی ملا ہے کہ محض ارادۂ خیر پر نیکی لکھ دی جاتی ہے اور عملی جامہ کے بعد دس سے سات سو اور اس سے بھی زیادہ لکھ دیا جاتا ہے، اور بدی کے ارادہ پر فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ اگر گناہ وبرائی کو عملی جامہ پہنا دے تو ایک گناہ لکھ لینا اور اگر میرے خوف سے چھوڑ دے تو اس پر بھی ایک نیکی لکھ لینا کہ اس نے میری عظمت کی خاطر گناہ کو ترک کیا۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ بروز قیامت اس امت کو تمام امم کے مقابلہ میں پیش کیا جائے گا جن کی نیکیاں زیادہ ہونگی اور معاصی وگناہ کم سے کم تر ہوں گے، اس لیے اس امت کے لیے حق تعالیٰ نے قانون ہی ایسا وضع کر دیا کہ قیامت کے دن آئین وقانون کے تحت یہ امت تمام امم پر فائق وفائز ہو جائے گی۔ اور قانونی ودستوری اصول سے کسی کو بولنے کا حق نہ ہو، یہ سب کی سب فضیلتیں بہ فیض خاتم النبیین محمد ﷺ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوَاتِکَ بِعَدَدِ مَعْلُوْمَاتِکَ وَ بَارِکْ وَ سَلِّمْ عَلَیْهِ.

اللہ پاک کے کرم کی مثال

(٥١٦) عن أبی هريرةؓ عن رسول اللهﷺ قال:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِذَا هَمَّ عَبْدِیْ بِحَسَنَةٍ وَ لَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبْتُهَا لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، وَ إِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ وَ لَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ أَكْتُبْهَا عَلَيْهِ فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا سَيِّئَةً وَاحِدَةً."

[صحيح] (أخرجه مسلم ج ١ ص١١٧)

(۵۱۶) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہﷺ نے فرمایا: حق جل مجدہ نے فرمایا: جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور ابھی اس نے نیکی کی نہیں، تو میں ایک نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتا ہوں اور جب بندہ اس نیکی کو کر گزرتا ہے تو دس نیکی سے لے کر سات سو تک نیکی لکھ دیتا ہوں اور جب برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس وقت تک کچھ نہیں لکھتا جب تک کہ بندہ اس برائی کو کر نہ لے اور جب وہ اس برائی کو کر لیتا ہے تو صرف ایک برائی لکھتا ہوں۔

نیکی میں اضافہ اخلاص کے بقدر ہوتا ہے

اس حدیث میں حق جل مجدہ نے اپنی شانِ کریمی اور صفت رحیمی کو واضح فرمایا ہے کہ: دیکھو! جب بندہ نیکی کا محض ارادہ کرتا ہے تو میں ایک نیکی لکھ دیتا ہوں؛ حالانکہ عملاً ابھی اس سے کسی نیکی کا صدور ہوا بھی نہیں اور جب ارادے کو معرض وجود میں لا کر نیکی و بھلائی کر گزرتا ہے تو رحمٰن ورحیم اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی کی جگہ (بقدر اخلاص) دس سے بڑھا کر سات سو تک نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ یعنی دس تو یقینی ہے، مگر ایک شخص اپنے نیک اعمال میں بے حد مخلص ہے تو حق جل مجدہ اس کے اخلاص کے بقدر سات سو تک اضافہ کر دیتا ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو حق جل مجدہ نے اعمال صالحہ کے ساتھ اخلاص کی

دولت بھی عطا کی ہے۔اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا الْاِخْلَاصَ لَکَ یَا رَبِّ! حضرت عمرؓ دعاء فرماتے تھے:اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ عَمَلِیْ کُلَّهٗ صَالِحًا وَ اجْعَلْهُ لِوَجْھِکَ خَالِصًا وَ لَا تَجْعَلْ لِأَحَدٍ فِیْهِ شَیْئًا.

حسنات وسیئات کی کتابت

(۵۱۷) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰه ﷺ فیما یروی عن ربه تبارک و تعالی قال:

"إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَ السَّيِّئَاتِ، ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، وَ إِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ ، وَ إِنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً ، وَ إِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً." [صحیح] (أخرجه مسلم، ج: ۱، ص: ۱۱۸)

(۵۱۷) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رب تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔حق تعالیٰ نے حسنات نیکیاں اور سیئات بدیاں لکھ دی ہیں (یعنی نیکی کے طریقے اور بدی وگناہ کے طریقے بتلا دیے۔کیا کیا نیکیاں ہیں اور کیا گناہ وسیئات ہیں؟ سب بتلا دیا کچھ چھپا کے نہیں رکھا) پھر ان کو خوب واضح طور پر بیان کر دیا۔ لہٰذا جو نیکی کا ارادہ کرتا ہے دل میں سوچتا ہے اور اس نیکی کو ابھی کرتا نہیں تو بھی اللہ تعالیٰ ایک نیکی کامل لکھ دیتے ہیں اور جب نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے سوچتا ہے اور کر بھی لیتا ہے،تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس دس سے لے کر سات سو تک اور اس سے بھی کئی گنہ زیادہ لکھ لیتے ہیں اور اگر گناہ وبدی کا ارادہ کرتا ہے اور کرتا نہیں تو اللہ ایک نیکی لکھ لیتے ہیں (کہ اس نے گناہ کا ارادہ کر کے اللہ کے خوف سے اللہ کی عظمت اور رضا کے لیے چھوڑ دیا ہے) اور اگر گناہ کا ارادہ کر کے گناہ کر بھی لیتا ہے،تو اللہ پاک محض ایک گناہ لکھ لیتے ہیں۔

ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے۔

اور اللہ اس گناہ کو مٹا دیتے ہیں (یعنی جب توبہ کر لیتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کے پاس وہی ہلاک ہوگا جو خود ہی ہلاک ہونا چاہے (یعنی نہ توبہ کرے، نہ نیکی کرے اور خود ہی ہلاک ہونا چاہے)۔ (اخرجہ امام مسلم ۱/ ۱۱۸)

تمہارا رب نہایت ہی مہربان ہے

(۵۱۸) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰہ ﷺ فیما یروی عن ربہ قال:

"إِنَّ رَبَّکَ رَحِيْمٌ ، مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ ، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ عَشْرًا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ ، وَ مَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ وَاحِدَةً أَوْ يَمْحُوْهَا اللّٰهُ وَ لَا يَهْلِکُ عَلَى اللّٰهِ إِلَّا هَالِکٌ." [صحيح] (اخرجه أبوعوانة فى مسنده، ج : ۱، ص: ۸۴)

(۵۱۸) ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رب العزّت سے روایت کرتے ہیں: تمہارا رب نہایت ہی مہربان ہے۔ جو نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور نیکی کرتا نہیں تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر نیکی کر لے تو دس نیکی سے سات سو تک اور اس سے بھی کئی درجہ زیادہ لکھ دی جاتی ہے (بقدر اخلاص نیکی کے اجر وثواب میں اضافہ در اضافہ ہوجاتا ہے) اور جو بدی و گناہ کا ارادہ کرے اور کرے نہیں تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے (کہ اس نے خوف اور اللہ کی رضا کے لیے چھوڑا) اور اگر گناہ کر بھی لے تو صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس کو بھی مٹا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہلاک و برباد نہیں ہوگا؛ مگر جو خود ہی تباہ و برباد ہونا چاہے (کہ نہ توبہ کرے نہ نیکی کر کے جائے)۔ (ابوعوانہ فی مسندہ ۱/ ۸۴)

اسلام کا اللہ، رحمٰن ورحیم، مسلمان پر کتنا کریم ہے

نیکی و بدی ایک شکل ہے، ایک چیز آئی گئی اور ایک پختہ ارادہ اور عزم ہے۔ نیکی کی تمام صورتیں خیر ہی خیر میں داخل ہیں۔ جہاں تک تعلق ہے شر کا تو پختہ عزم مصمم گناہ و

معاصی کا اس پر مواخذہ ہوگا اور مواخذہ ہونا معقول بھی ہے۔اس حدیث میں اس کی بحث ہی نہیں۔ یہاں تو سیدھی سادی بات کہی گئی ہے کہ بندہ کے دل میں ایک بات آئی اور چلی گئی اگر از قبیل نیکی ہے تو اس پر اجر وثواب بھی ملے گا مگر بدی اور گناہ ہے اور خیال آیا گیا، اس پر مواخذہ بھی نہیں اور خیال آیا؛ مگر فوراً خوف آ گیا اللہ کی طرف طبیعت میں انابت آ گئی اس پر نیکی کی بشارت ہے اور گناہ کر بھی لیا تو محض ایک گناہ لکھا گیا، جبکہ نیکی کے ارادہ پر ایک حسنہ، عمل کرنے کے بعد دس تو یقینی اور پھر سات سو تک، بلکہ سات سو سے بھی زیادہ رحمٰن ورحیم اللہ اس کو دیں گے۔قرآن پاک میں ہے کہ ایک نیکی بھی کل قیامت میں باعثِ نجات ہو جائے گی۔ اسلام کا اللہ مسلمان کا رحمٰن ورحیم اللہ، کتنا کریم ہے کہ بندہ کو مایوس نہیں کرتا؛ بلکہ اپنی جانب مقناطیسی کیفیت سے جذب کرتا ہے، اللہ ہمیں دین اسلام اور ربّ اسلام کی قدر کی توفیق بخشے۔آمین۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ اپنے اسلام کو سنوار لیتا ہے تو اس کی ہر نیکی دس سے سات سو درجہ تک لکھی جاتی ہے اور گناہ برابر سرابر یہاں تک کہ بندہ اپنے رب سے مل لیتا ہے۔

باب : يَدْنُوْ أَحَدُكُمْ مِنْ رَبِّهٖ حَتّٰى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيْهِ ......

باب:ابن عمر رضی اللہ عنہ کی نجویٰ وسرگوشی کی روایت

(۵۱۹) عن صفوان بن محرز أن رجلاً سأل ابن عمر رضی اللہ عنہ كيف سمعت رسول الله ﷺ يقول فی النجوی .قال:

”يَـدْنُـو أَحَـدُكُمْ مِنْ رَبِّهِ حَتّٰى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ: أَ عَمِلْتَ كَذَا وَ كَـذَا؟ فَيَـقُـوْلُ: نَـعَـمْ. وَ يَقُوْلُ: عَمِلْتَ كَذَا وَ كَذَا؟ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ. فَيُقَرِّرُهُ. ثُمَّ يَقُوْلُ : إِنِّيْ سَتَرْتُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَ أَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ.“

[صحيح] (أخرجه البخاری ج ۹ ص ۱۸۱، ج۸ ص ۲۴)

حق تعالیٰ دنیا میں مومن کے گناہوں کو چھپاتے ہیں اور قیامت کے دن معاف کرکے مغفرت فرمائیں گے

(۵۱۹) ترجمہ: صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نجویٰ و سرگوشی کے سلسلہ میں آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص اپنے رب سے اتنا قریب ہوگا کہ حق جل مجدہ اس پر اپنا سایہ رحمت (دستِ شفقت) ڈال دے گا اور اس سے فرمائے گا: تو نے فلاں، فلاں کام کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا: ہاں کیا تھا۔ ارشاد ہوگا: تو نے فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا: ہاں ضرور کیا تھا۔ الغرض تمام گناہوں وسیئات کا اقرار کرالیا جائے گا۔ پھر ارشاد رحمٰن و ستّار ہوگا: میں نے تیرے گناہوں کو دنیا میں چھپایا تھا (کہ گناہ کی نحوست بھی ظاہر ہونے نہیں دی، کسی کو اطلاع بھی نہ دی۔ نہ ہی تیری کسی سے شکایت کی) تو جا میں نے آج تیرے گناہ معاف کردیے۔ (اخرجہ البخاری ۹/۱۸۱و۸/۲۴)

مومن ربّ العزّت سے اتنا قریب ہوگا کہ حق تعالیٰ دستِ رحمت و کنف رکھ دیں گے

(۵۲۰) عن صفوان بن محرز قال: بَيْنَا ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَطُوفُ إِذْ عَرَضَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَوْ قَالَ: يَا ابْنَ عُمَرَ! سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي النَّجْوىٰ؟ فَقَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ:

" يُدْنَى الْمُؤْمِنُ مِنْ رَبِّهِ ــــ وَ قَالَ هِشَامٌ ــــ : يَدْنُو الْمُؤْمِنُ حَتّٰى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهُ فَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ، تَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ يَقُولُ : أَعْرِفُ. يَقُولُ: رَبِّ أَعْرِفُ مَرَّتَيْنِ. فَيَقُولُ: سَتَرْتُهَا فِي الدُّنْيَا وَ أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ. ثُمَّ تُطْوَى صَحِيفَةُ حَسَنَاتِهِ وَ أَمَّا الْآخَرُونَ أَوِ الْكُفَّارُ فَيُنَادَى عَلٰى رُؤُوسِ الْأَشْهَادِ : هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَّبُوا عَلٰى رَبِّهِمْ." [صحيح] (أخرجه البخاری ج ٦ فی تفسير سورة هود)

(۵۲۰) ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے نجویٰ یعنی سرگوشی کے بارے میں سنا ہے فرماتے تھے:

قیامت کے دن مومن ربّ العزّت سے خوب قریب ہوگا۔ ہشام راوی کہتے ہیں: مومن ربّ العزّت سے اتنا قریب ہوگا کہ رب تبارک وتعالیٰ اپنا دست رحمت اس پر رکھ دیں گے (جیسے کہ گفتگو کے وقت بعض لوگ اپنے ہم کلام ومخاطب پر شفقت کے طور پر یا اپنی قربت وتعلق کو ظاہر کرنے کے لیے یا مانوس کرنے کے لیے یا بیگانگی کو دور کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔قربان جایئے رحمٰن ورحیم پر کہ اپنے ایک بندہ پر اتنا کرم کہ ذاتِ حق سے مانوس کریں گے، تاکہ بندہ خائف نہ ہو، ڈرے نہیں۔ **اللّٰہ اکبر کبیرًا، سبحان اللّٰہ و بحمدہ ۔**) اوراس سے تمام کا تمام گناہ اقرار کرالیں گے۔تو جانتا ہے، یہ گناہ تو نے کیا تھا؟ وہ کہے گا: جانتا ہوں کہ میں نے یہ گناہ کیا ہے۔ ارشاد ربّ العزّت ہوگا: میں نے تیرے اس گناہ کو دنیا میں چھپایا اورآج میں تیری مغفرت کرتا ہوں (تیرے گناہ معاف کرتا ہوں کہ کوئی گرفت وپکڑ نہیں کروں گا، جا معاف کردیا) پھراس کا صحیفہ حسنات لپیٹ دیا جائے گا۔ (یعنی فائل کلوز کردی جائے گی) جہاں تک دوسرے لوگوں کا (منافقین ملحدین) یا کفار کا معاملہ ہے تو تمام کائنات عالم کے سامنے آواز لگا کر آگاہ کردیا جائے گا۔یہی ہیں وہ لوگ جنھوں نے ربّ العالمین پر جھوٹ باندھا تھا۔

(اخرجہ البخاری فی تفسیر سورۃ ہود۔حدیث نمبر: ۴۴۰۸)

قرآن کو اللہ کا کلام ماننا اور ایمان لانا ضروری ہے

یہود ونصاریٰ، بت پرست، مجوس، عرب، عجم، یورپ، ایشیا کسی فرقہ، جماعت اور ملک وملت سے تعلق رکھتا ہو جب تک قرآن کو نہ مانے گا نجات نہیں ہوسکتی۔قرآن کی صداقت اورمنجانب اللہ ہونے میں قطعاً شک وشبہ کی گنجائش نہیں، جولوگ نہیں مانتے احمق و معاند ہیں۔صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس امت سے جو بھی مجھے سن لے اور پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے۔

(گلدستہ ۳/۳۱۰)

قرآن کریم کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے

قرآن کریم جھوٹ اور افترا نہیں، اللہ تعالیٰ کا سچا پیغام ہے، جس کو قبول کرنا ضروری ہے، خوب سمجھ لو کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہوسکتا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، مثلاً اس کا کلام نہ ہو اور کہہ دے کہ اس کا کلام ہے یا واقعی اس کا ہو اور اللہ تعالیٰ بار بار فرمائے کہ میرا کلام ہے، مگر باوجود روشن دلائل کے جھٹلاتا رہے اور کہتا رہے کہ اس کا نہیں۔

(تفسیر عثمانی، گلدستہ ۳/۳۱۰)

محشر میں ظالموں کے خلاف شہادت وگواہی

یعنی محشر میں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے **علی رؤس الاشھاد** پیش ہوں گے اور ان کی شرارتوں کے دفتر کھولے جائیں گے، اس وقت گواہی دینے والے (ملائکہ) صالحین بلکہ خود ان کے ہاتھ پاؤں کہیں گے کہ یہ ہی وہ بدبخت ظالم ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ بکا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اَشہاد سے کیا مراد ہے؟ شہادت کون لوگ دیں گے؟

میں کہتا ہوں اشہاد (شہادت دینے والے) صرف وہی نہیں ہوں گے جن کا ذکر (مختلف علماء کے اقوال میں) کیا گیا ہے، بلکہ انسان کے جسمانی اعضاء بھی شہادت دیں گے۔ اللہ نے فرمایا:

﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ﴾

دوسری آیت میں آیا ہے:

﴿قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا الخ﴾،

ایک اور آیت ہے:

﴿یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ الخ﴾

مسلم نے حضرت انسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے فرمایا:

کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا وَ بِالْکِرَامِ الْکَاتِبِیْنَ شَھِیْدًا یعنی منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضاء سے کہا جائے گا تم بولو۔

منجملہ دوسرے شاہدوں کے زمانہ اور مقام بھی شہادت دے گا، سورۃ اِذَا زُلْزِلَتْ کی آیت یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا کے ذیل میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: زمین شہادت دے گی کہ کس بندے اور کس بندی نے اس کی پشت پر کیا کیا، کیا۔

بخاری نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مؤذن کی آواز جتنی مسافت پر پہنچے گی اور جہاں تک جن وانس اس کو سنیں گے، قیامت کے دن اس کی شہادت دیں گے۔

ابنِ خزیمہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ مؤذن کی آواز جو پتھر، ڈھیلا، جن وانس سنے گا، مؤذن کے لیے شہادت دے گا، ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچے گی (اسی کے مطابق) اس کی مغفرت کی جائے گی اور ہر تر وخشک اس کی شہادت دے گا۔

ابن المبارک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص جس مقام کے قریب سجدہ کرے گا، وہاں درخت ہو یا پتھر، قیامت کے دن وہ شہادت دے گا، عطاء خراسانی کی روایت سے بھی یہ اثر منقول ہے۔

ابونعیم نے حضرت معقل بن یسار کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو دن ابن آدم پر آتا ہے اس میں آواز دی جاتی ہے (یعنی دن خود آواز دیتا ہے) اے آدم زاد! میں دن ہوں تو جو کچھ کرے گا کل میں تیرے لیے شہادت دوں گا، اس لیے میرے اندر تو نیکی کرنا تا کہ کل کو میں تیرے لیے (اچھی) شہادت دوں، میں اگر گزر گیا تو پھر مجھے کبھی نہیں دیکھے گا، رات بھی اسی طرح کہتی ہے۔ مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ مال بڑا سبز اور شیریں ہے اور مسلمان کا اچھا ساتھی ہے اور جو مال قیدی اور یتیم اور (ضرورت مند) مسافر کو دیا جائے

گا، خود (وہ مال) اس کی گواہی دے گا، اور جو شخص بغیر حق کے مال لیتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا تو ہو اور سیر نہ ہوتا ہو، قیامت کے دن یہ مال اس شخص کے خلاف شہادت دے گا، ابونعیم نے طاؤس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن مال اور صاحب مال دونوں کو لایا جائے گا اور دونوں باہم جھگڑا کریں گے۔ (الحدیث) (تفسیر مظہری)

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ

ظالموں پر لعنت

ارشاد ہے یعنی جو لوگ ظلم اور ناانصافی سے اللہ کے کلام کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر آخرت کے منکر ہیں دوسروں کو اللہ کی راہ پر چلنے سے روکتے ہیں اور اس تلاش میں رہتے ہیں کہ سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں ایسے ظالموں پر اللہ کی خصوصی لعنت ہے۔ (تفسیر عثمانی) (گلدستہ۔ ج:۳،ص:۳۱۱)

حق جل مجدہ سے بندہ کی سرگوشی

(۵۲۱) عن صفوان بن مُحرز قال: قال رجلٌ لابنِ عمرَ رضی اللہ عنہ: كيفَ سمعتَ رسولَ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم يقول في النجوى؟ قال: سمعتُهُ يقول:

" يُدْنَى الْمُؤْمِنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ حَتّٰى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهُ فَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ. فَيَقُوْلُ: هَلْ تَعْرِفُ؟ فَيَقُوْلُ: أَىْ رَبِّ أَعْرِفُ. قَالَ: فَإِنِّىْ قَدْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِى الدُّنْيَا وَ إِنِّىْ أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ، فَيُعْطٰى صَحِيْفَةَ حَسَنَاتِهِ، وَ أَمَّا الْكُفَّارُ وَ الْمُنَافِقُوْنَ فَيُنَادَى بِهِمْ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا عَلَى اللّٰهِ." [صحيح] (أخرجه مسلم، ج: ۴، ص: ۲۱۲۰)

(۵۲۱) ترجمہ: ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے کس طرح نجویٰ یعنی سرگوشی کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مومن رب عزوجل سے اتنا قریب ہوگا کہ حق تعالیٰ اس پر اپنا

دست رحمت ڈال دیں گے، پس وہ بندہ تمام گناہوں کا اقرار کرلے گا۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: کیا تم پہچانتے ہو؟ (یعنی ان تمام گناہوں کو) وہ عرض کرے گا: ہاں! یا رب پہچانتا ہوں، میرے ہی گناہ ہیں۔ ارشاد ہوگا: سنو میں نے دنیا میں تیرے گناہوں کو چھپایا تھا اور آج تیری مغفرت کرتا ہوں۔ لہٰذا اس کے صحیفۂ حسنات اس کو پکڑادیے جائیں گے اور کفار ومنافقین کے سلسلہ میں تمام محشر کے سامنے اعلان ہوجائے گا: یہی ہیں وہ لوگ جنھوں نے ربّ العالمین پر جھوٹ باندھا تھا، کہ اس کا شریک ٹھہرایا تھا۔ (مسلم)

یہی ہیں وہ لوگ جنھوں نے ربّ العٰلمین پر جھوٹ باندھا تھا

(٥٢٢) عن صفوان بن مُحرز المازنی قال: بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَ هُوَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ إِذْ عَرَضَ لَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ فِي النَّجْوىٰ؟ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ:

”يُدْنَى الْمُؤْمِنُ مِنْ رَبِّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهُ ثُمَّ يُقَرِّرُهُ بِذُنُوْبِهِ فَيَقُوْلُ: هَلْ تَعْرِفُ؟ فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ أَعْرِفُ. حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مِنْهُ مَا شَآءَ اللّٰهُ أَنْ يَبْلُغَ قَالَ: إِنِّيْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَ أَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ، قَالَ: ثُمَّ يُعْطٰى صَحِيْفَةَ حَسَنَاتِهِ أَوْ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ. قَالَ وَ أَمَّا الْكَافِرُ أَوِ الْمُنَافِقُ فَيُنَادٰى عَلٰى رُؤُوْسِ الْأَشْهَادِ.“

﴿هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ (ہود:١٨)

[صحيح] (أخرجه ابن ماجه ج ١/١٨٣)

(٥٢٢) ترجمہ: طواف کے درمیان ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: اے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ! آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کے سلسلہ میں کس طرح سنا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے ہوئے: مومن قیامت کے دن ربّ العزّت سے اتنا قریب ہوگا کہ حق جل مجدہ اس پر سایہ رحمت اور ستر و پردہ ڈال دیں گے، پھر اس سے گناہ کا اقرار کرائیں گے، ارشاد ہوگا تو ٹھیک سے پہچانتا ہے نا۔ وہ

عرض کرے گا: ہاں یارب! میں پہچانتا ہوں (میرے ہی گناہ ہیں) میں نے تیرے گناہ کو دنیا میں بھی چھپایا تھا اور آج بھی تیری مغفرت کرتا ہوں۔ پھر اس کا صحیفۂ حسنات اس کو دے دیا جائے گا یا اس کا کتاب اس کے داہنے ہاتھ میں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک کافر یا منافق کا معاملہ ہے تو تمام اہل محشر اور خلائق کے روبرو اعلان کر دیا جائے گا۔ یہی ہیں وہ لوگ جنھوں نے ربّ العالمین پر جھوٹ باندھا تھا۔ خبردار یقیناً اللہ پاک کی لعنت ہے ظالموں (مشرکوں اور منافقوں) پر۔ (اخرجہ ابن ماجہ ۱/۱۸۳)

حدیثِ نجویٰ، کانا پھوسی

(۵۲۳) عن محرز قال: بینما ابن عمر رضی اللہ عنہ یطوف بالبیت إذعرضه رجل فقال: یا أبا عبدالرحمن کیف سمعت النبی ﷺ یقول فی النجوی قال:

"یَدْنُو الْمُؤْمِنُ مِنْ رَبِّهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَأَنَّهُ بَذَجٌ، فَیَضَعُ عَلَیْهِ کَنَفَهُ أَیْ یَسْتُرُهُ ثُمَّ یَقُوْلُ: أَ تَعْرِفُ؟ فَیَقُوْلُ: رَبِّ أَعْرِفُ. ثُمَّ یَقُوْلُ: أَ تَعْرِفُ؟ فَیَقُوْلُ: رَبِّ أَعْرِفُ (یَعْنِی) فَیَقُوْلُ: أَنَا سَتَرْتُهَا عَلَیْکَ فِی الدُّنْیَا وَ أَنَا أَغْفِرُهَا لَکَ الْیَوْمَ، وَ یُعْطٰی صَحِیْفَةَ حَسَنَاتِهِ. وَ أَمَّا الْکُفَّارُ وَ الْمُنَافِقُوْنَ فَیُنَادٰی بِهِمْ عَلٰی رُؤُوْسِ الْأَشْهَادِ:"

﴿هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ﴾ (ہود:۱۸)

قال سعید رضی اللہ عنہ: قال قتادة رضی اللہ عنہ: فَلَمْ یَخْزَ یَوْمَئِذٍ أَحَدٌ فَخَفِیَ خِزْیَةٌ عَلٰی أَحَدٍ مِنَ الْخَلَائِقِ. [صحیح] (أخرجه أحمد ج ۸/۵۸۲۵)

(۵۲۳) ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا: یا ابا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ! آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کس طرح سرگوشی کے سلسلہ میں سنا ہے۔ تو انھوں نے کہا:

مومن ربّ العزّت سے قیامت کے دن اتنا قریب ہوگا، ایسا معلوم ہوگا جیسا کہ بھیڑ کا بچہ ہے (جو ماں کی ممتا و رحمت کی وجہ سے ماں سے چپکا رہتا ہے)۔ تو ربّ العالمین

اس پر اپنی ستاری کا سایۂ رحمت ڈال دے گا، یعنی اس کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لے گا، پھر اس سے فرمائے گا: تو پہچانتا ہے؟ (یعنی گناہ وسیئات کو) وہ عرض کرے گا: ہاں پہچانتا ہوں۔ پھر اللہ فرمائے گا: تو پہچانتا ہے؟ وہ عرض کرے گا: ہاں یارب! خوب پہچانتا ہوں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں نے تیرے گناہ کی دنیا میں پردہ پوشی کی، اور تیرے گناہوں کو لوگوں سے چھپایا، تو آج تیرے تمام گناہوں کی مغفرت کرتا ہوں اور تم کو معاف کرتا ہوں۔ پھر اس کا صحیفۂ حسنات اس کو تھما دیا جائے گا اور کفار ومنافقین کے لیے تمام مخلوقات کے سامنے آواز لگادی جائے گی۔ یہی ہیں وہ لوگ جنھوں نے ربّ العالمین پر جھوٹ باندھا تھا، خبردار یقیناً اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ظالموں (مشرکوں منافقوں) پر۔

سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ قتادہؒ نے کہا کہ آج جو رسوا کر دیا گیا اس کی رسوائی خلائق پر پوشیدہ نہیں رہے گی۔ یعنی تمام کے سامنے رسوا ہوگا۔ (اخرجہ احمد ۸/ ۵۸۲۵ اتحاف ۳۷۸)

بندہ پر پردہ پوشی اور عفو کا فیضان

حق تعالیٰ کی ذات نہایت ہی مہربان ہے۔ انسان انسان کی کمزوریوں کو تلاشتا و ڈھونڈتا ہے اور پھر اس کو اپنی طاقت بھر لوگوں کے سامنے بیان کر کے اپنے آپ کو فخر و سربلندی کا تمغہ حاصل کرتا ہے۔ یہ انسان کی نہایت گندی صفت اور غیر معمولی کمزوری ہے، ذات حق بالکل ہی اس کے برخلاف اپنے بندوں کے گناہوں کو خلائق اور خود اس معصیت کے ارتکاب کرنے والے سے بھی اس گناہ کی نحوست کو چھپالیتا ہے۔ دوسروں سے پردہ پوشی کرتا ہے اور یہ صفت رب کی ہی ہوسکتی ہے کہ بندہ کے گناہ کو چھپا کر فخر کرتا ہے اور کل قیامت کے دن حق تعالیٰ بندہ سے سرگوشی کریں گے، قریب کر کے اپنے کنف ورحمت میں لے کر گناہ کا اقرار بھی کرائیں گے تاکہ عفو ومغفرت جو ملے گی اس پر مسرت وخوشی دوبالا ہو جائے۔ بعض احادیث میں ہے کہ یہ دل ہی دل میں پریشان ہوگا کہ میرا اب معاملہ خطرناک ہے اور نجات کی شکل نہیں؛ مگر معاملہ بالکل ہی برعکس ہوگا کہ حق تعالیٰ فرمادیں گے کہ دنیا میں تمہارے گناہ پر پردہ ڈالا، لوگوں کے سامنے رسوائی سے بچایا، اب آج تیری

مغفرت بھی کررہا ہوں۔ یہ سن کر اس کی خوشی ومسرت کی انتہا نہیں رہے گی۔اہل ایمان کی لیے یقیناً اللہ کی رحمت غضب پر، عفو ومغفرت عذاب وعقاب پر سبقت کر جائے گی۔اس کے برخلاف کفار ومشرکین اور منافقین وملحدین، اس کی قرآن نے خوب وضاحت کردی کہ جن لوگوں نے قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا سچا فرمان نہیں مانا۔اللہ تعالیٰ کو ایک اکیلا نہیں مانا۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اس سے بڑا ظالم کون ہوگا۔ یہ لوگ جب محشر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے علی رؤس الاشہاد پیش ہوں گے اور ان کی شرارتوں کے دفتر کھولے جائیں گے، اس وقت گواہی دینے والے ملائکہ، انبیاء، صالحین، بلکہ خود ان کے ہاتھ پاؤں کہیں گے: یہی وہ بدبخت ظالم ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ بکا تھا۔ (تفسیر عثمانی ۲۸۵)

الغرض کفار پر لعنت برسے گی اور مومنین وصالحین پر رحمت کہ ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ محسنین کون ہیں؟ اہلِ ایمان، اہلِ توبہ، اہلِ انابت، اہلِ عبادت، اہلِ اطاعت، اہلِ سنت، اہلِ مغفرت، اہلِ فضل، ربّ العزت ان لوگوں کے گناہ پر اپنے فضل وکرم سے قیامت کے دن پردہ پوشی کر کے مغفرت کا پروانہ عطا کر کے اپنی آغوش رحمت میں لے لے گا۔ اور ان پر نظر عنایت تام ہوگی۔ یہ کوئی کم نعمت ہوگی کہ ربّ العالمین ان کو قریب کر کے اپنی مناجات وسرگوشی، کا شرف بخشے گا۔ یہ شرف بھی اہل ایمان ہی کا نصیب ہے۔ فهنيئاً لهم!

باب: يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ: اِعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهِ...

باب: قیامت کے دن حکم الٰہی سے ایک شخص کے سامنے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے گئے

(٥٢٤) عن أبي ذر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

”يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ: اِعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهِ، وَ يُخَبَّأُ عَنْهُ كِبَارُهَا، فَيُقَالُ: عَمِلْتَ يَوْمَ كَذٰى كَذِىْ وَ كَذِىْ، وَ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذٰى

كَـذِیٰ وَ كَذِیٰ، وَ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذِیٰ كَذِیٰ وَ كَذِیٰ — ثَـلَاثَ مَرَّاتٍ — قَالَ: وَ هُوَ مُقِرٌّ لَيْسَ بِمُنْكِرٍ، وَ هُوَ مُشْفِقٌ مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ تَجِيْئَ قَالَ: فَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِـهِ خَيْـرًا، قَـالَ: أَعْـطُوْهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ إِنَّ لِيْ ذُنُوْبًا مَا رَأَيْتُهَا هَاهُنَا. فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَضْحَكُ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ تَـلَا رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ ﴿فَأُوْلٰئِكَ يُبَدِّلَ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِم حَسَنَاتٍ﴾" (الفرقان/٧٠)

[صحيح] (أخرجه أبوعوانه فی مسنده ج ١ص ١٧٠)

قیامت کے دن مومنین کو گناہوں کی جگہ نیکیاں ملیں گی

(۵۲۴) ترجمہ: ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا۔ ارشاد ہوگا: اس کے سامنے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہوں کو اس سے چھپا لیا جائے گا۔ اس سے کہا جائے گا: کہ تو نے فلاں فلاں، فلاں دن یہ یہ گناہ کیے تھے اور اس اس دن یہ یہ گناہ کیے تھے۔ یہ بات تین بار اس سے کہی جائے گی۔ ارشاد فرمایا: کہ وہ سب گناہوں کا اقرار کرے گا، ایک کا بھی انکار نہیں کرے گا اور دل ہی دل میں ڈر بھی لگا ہوا ہوگا (کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کا یہ حال ہے تو پھر) بڑے گناہ کا کیا بنے گا اگر وہ سامنے لایا گیا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ ربّ العزّت جب اس شخص کے ساتھ بھلائی وخیر کا معاملہ کرنا چاہیں گے تو ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دی جائے گی۔ (بس ہر گناہ کے بدلہ میں ایک ایک نیکی اس کو منجانب اللہ عطاء ہوگی) وہ فوراً بول پڑے گا: ربّ العزّت میرے بہت سارے گناہ اور بھی ہیں جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں۔ راوی کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ہنسے یہاں تک کہ آقا ﷺ کے دانت مبارک ظاہر ہوگئے۔ پھر آپ ﷺ نے آیت تلاوت فرمائی۔

﴿فَأُوْلٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِم حَسَنَاتٍ﴾ (الفرقان/٧٠)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گزشتہ گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا۔
(اخرجہ ابوعوانہ فی مسندہ۔۱/۱۷۰)

نوٹ: قارئین اس حدیث کی شرح کے لیے حدیث نمبر ۴۷۹ کی شرح دیکھ لیں، وہاں تفصیلی بات آ گئی ہے۔ (ثمین)

جا! میں نے تیری مغفرت کردی

(۵۲۵) قال الخطابی فی الغریب عن أبی أمامة رضی اللہ عنہ:

''أَوَّلُ مَا يُسْتَنْطَقُ مِنِ ابْنِ آدَمَ جَوَارِحُهُ فِيْ مَحَاقِرِ عَمَلِهِ، فَيَقُوْلُ: وَ عِزَّتِکَ إِنَّ عِنْدِیْ الْمُطَمَّرَاتِ الْعِظَامَ! فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا أَعْلَمُ بِهَا مِنْکَ اِذْهَبْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکَ۔ '' [ضعیف] (کما فی کنزالعمال، ۱۴/۳۸۹۹۹)

(۵۲۵) ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ابن آدم کے سب سے پہلے جوارح و اعضاءِ جسم شہادت دیں گے چھوٹے چھوٹے اعمال کا۔ وہ عرض کرے گا: ربّ العزّت تیری قسم! میرے چھپے ہوئے بڑے بڑے پوشیدہ گناہ بہت زیادہ ہیں۔ حق جل مجدہ ارشاد فرمائے گا: میں ان گناہوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ جا، جا، میں نے تیری مغفرت کردی۔ (کنزالعمال ۱۴/۳۸۹۹۹)

شرح: حق تعالیٰ کی شان بے نیاز ہر چیز پر قدرت کامل رکھتی ہے، چاہے تو ایک ہی گناہ کو سبب بنا کر جہنم رسید کردے اور چاہے تو گناہ کو شمار کرکر کے نیکیاں عطا فرمادے ؂

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

بندہ بھی کتنا عجیب ہے کہ بڑے گناہوں پر ایک تو ڈر رہا ہے؟ مگر جب باب رحمت پر عنایت کی بارش دیکھتا ہے تو جس بڑے گناہ سے ڈر رہا تھا اب انہی گناہوں پر نیکیوں اور ثواب کا امیدوار ہے اور حق جل مجدہ کی ذات بھی رحمت کا دھانہ کھول دیتی ہے اور سیئات کو مبدل بہ حسنات کرکے بندہ کو نوازتی رہتی ہے۔ یقیناً وہ اجود الاجودین، ارحم

الراحمين، خیر الغافرین اور خیر المعطین ہے۔

باب : كَانَ فِيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْن نَفْسًا ......

باب: بنی اسرائیل کا ایک شخص جس نے ننانوے انسان کو قتل کیا

(٥٢٦) عن أبی سعید رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

''كَانَ فِيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ إِنْسَانًا ، ثُمَّ خَرَجَ يَسْأَلُ، فَأَتَى رَاهِبًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ: هَلْ مِنْ تَوْبَةٍ ؟ قَالَ: لَا . فَقَتَلَهُ . فَجَعَلَ يَسْأَلُ ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: اِئْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَ كَذَا. فَأَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِهِ نَحْوَهَا، فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ. فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَى هٰذِهِ أَنْ تَقَرَّبِيْ، وَ أَوْحَى اللّٰهُ إِلَى هٰذِهِ أَنْ تُبَاعِدِيْ، وَ قَالَ: قِيْسُوْا مَا بَيْنَهُمَا فَوُجِدَ إِلٰى هٰذِهِ أَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَهُ.'' [صحیح] (أخرجه البخاری، ج: ۴، ص: ۲۱۱)

سو قاتل کی مغفرت اور وسعتِ رحمت

(۵۲۶) ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے قتل کیے تھے، پھر معلوم کرنے کے لیے نکلا تو ایک راہب کے پاس آیا اور سوال کیا کہ ایسے شخص کی توبہ قبول ہوگی جس نے ننانوے قتل کیا ہو؟ راہب نے کہا: کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، پھر اس نے اس راہب کو بھی قتل کردیا، پھر سوال کے لیے نکلا تو اس کو ایک شخص نے کہا: کہ فلاں فلاں بستی میں جاؤ، راستہ ہی میں اس عابد کی موت آ گئی اس بستی میں جاتے ہوئے، اب اس شخص کے بارے میں ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب جھگڑنے لگے کہ جنت میں یا جہنم میں داخل کیا جائے، اللہ پاک نے زمین پر وحی نازل کی کہ رحمت کی طرف قریب ہوجاؤ اور عذاب وعقاب کے حصہ پر وحی نازل ہوئی کہ تو بعید ہوجا اور فرشتوں کو حکم ہوا کہ آپس میں زمین کی پیمائش کے ذریعہ فیصلہ کرلو، اگر رحمت سے قریب ہے تو جنت ورنہ پھر جہنم۔ پس پیمائش کی گئی تو رحمت کی

طرف ایک بالشت زیادہ قریب ہوگئی، تو اس کی مغفرت ہوگئی۔(یہ ہے رحمت کی سبقت غضب پر)

اللہ والوں کی بستی وصحبت

(۵۲۷) عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أن نبی اللّٰہ ﷺ قال:

”کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّ تِسْعِیْنَ نَفْسًا ، فَسَأَلَ عَنْ أَعْلَمِ أَهْلِ الْأَرْضِ، فَدُلَّ عَلٰی رَاهِبٍ فَأَتَاهُ فَقَالَ، إِنَّهُ قَتَلَ تِسْعَةً وَّ تِسْعِیْنَ نَفْسًا فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَقَالَ: لَا. فَقَتَلَهُ فَکَمَّلَ بِهِ مِائَةً، ثُمَّ سَأَلَ عَنْ أَعْلَمِ أَهلِ الْأَرْضِ فَدُلَّ عَلٰی رَجُلٍ عَالِمٍ فَقَالَ: إِنَّهُ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ.فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. وَ مَنْ یَحُوْلُ بَیْنَهُ وَ بَیْنَ التَّوْبَةِ؟ اِنْطَلِقْ إِلٰی أَرْضِ کَذَا وَ کَذَا فَإِنَّ بِهَا أُنَاسًا یَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مَعَهُمْ وَ لَا تَرْجِعْ إِلٰی أَرْضِکَ فَإِنَّهَا أَرْضُ سُوْءٍ، فَانْطَلَقَ حَتّٰی إِذَا نَصَفَ الطَّرِیقُ أَتَاهُ الْمَوْتُ ، فَاخْتَصَمَتْ فِیْهِ مَلَائِکَةُ الرَّحْمَةِ وَ مَلَائِکَةُ الْعَذَابِ. فَقَالَتْ مَلَائِکَةُ الرَّحْمَةِ : جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلًا بِقَلْبِهِ إِلَی اللّٰهِ، وَ قَالَتْ مَلَائِکَةُ الْعَذَابِ: إِنَّهُ لَمْ یَعْمَلْ خَیْرًا قَطُّ. فَأَتَاهُمْ مَلَکٌ فِیْ صُوْرَةِ آدَمِیٍّ فَجَعَلُوْهُ بَیْنَهُمْ. فَقَالَ: قِیْسُوْا مَا بَیْنَ الْأَرْضَیْنِ. فَإِلٰی أَیَّتِهِمَا کَانَ أَدْنٰی فَهُوَ لَهُ. فَقَاسُوْهُ فَوَجَدُوْهُ أَدْنٰی إِلَی الْأَرْضِ الَّتِیْ أَرَادَ فَقَبَضَتْهُ مَلَائِکَةُ الرَّحْمَةِ.“

قَالَ قَتَادَةُ: فَقَالَ الْحَسَنُ: ذُکِرَ لَنَا أَنَّهُ لَمَّا أَتَاهُ الْمَوْتُ نَأَی بِصَدْرِهِ.

[صحیح] (أخرجه مسلم، ج: ٤، ص:٢١١٨)

(۵۲۷) ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلی امت میں ایک شخص تھا، جو ننانوے آدمی کا قتل کیے ہوا تھا۔ اس وقت زمین پر جو بڑا عالم تھا، اس کے متعلق سوال کیا: تو اس کو ایک راہب عبادت گزار کی جانب بھیج دیا۔ وہاں آیا اور اس راہب سے سوال کیا کہ: ایک آدمی نے ننانوے قتل ناحق کیا ہے کیا اس کی

توبہ عنداللہ قبول ہوگی؟ (اور وہ توبہ کرسکتا ہے؟) اس راہب نے منع کردیا کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ بس اس شخص نے اسی راہب کو قتل کرکے سو کا عدد پورا کردیا۔ پھر (اس کو فکر ہوئی، آخرت کا خوف ہوا تو) اس نے زمین پر ایک بڑے عالم کے متعلق سوال کیا، تو اس کو ایک عالم کا اتہ پتہ بتادیا کہ وہاں جاؤ۔ وہ وہاں آیا اور عالم سے سوال کیا کہ ایک شخص نے ایک سو قتل کیا ہے کیا عنداللہ اس کی توبہ کی کوئی شکل ہے؟ اس عالم نے جواب دیا: ہاں! کیوں نہیں؟ اس کے اور اس کی توبہ کے درمیان کون حائل ہوسکتا ہے؟ تو فلاں مقام پر فلاں جگہ چلا جا کہ وہاں کچھ (اللہ والے) لوگ رہتے، ہیں جو خالص اللہ ہی کی عبادت میں مشغول ہیں، تو بھی ان کے پاس جا کر اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول ہوجا اور اپنی بستی میں واپس نہ جانا، اس لیے کہ وہ بری جگہ ہے، وہ شخص وہاں سے اس اللہ والوں کی بستی کی طرف چل پڑا۔ جب آدھے راستہ میں پہنچا کہ ملک الموت آئے اور اس کی روح قبض کرلی۔ اب اس شخص کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتے میں بحث چھڑگئی۔ رحمت کے فرشتے کہتے کہ یہ شخص توبہ کرنے آیا تھا، دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف راغب تھا (یعنی تائب اور منیب الی اللہ تھا) لہٰذا اس پر اللہ کی رحمت ہوگی۔ عذاب کے فرشتے کہتے نہیں اس نے ابھی کوئی نیکی ہی نہیں کی (اس لیے عذاب ہوگا) تو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کے لیے ایک فرشتہ انسانی شکل میں آیا اور دونوں کے درمیان فیصلہ کیا کہ: دونوں طرف کی زمین کی پیمائش کرو۔ جدھر کی مسافت کم ہو اسی طرف اس کو لے جاؤ، لہٰذا زمین کی پیمائش ہوئی تو اللہ والوں کی بستی کی جانب سے قریب تھا۔ تو رحمت کے فرشتے لے گئے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ: حَسَنؒ نے بیان کیا کہ ان سے ذکر کیا گیا کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو صالحین کی بستی کی طرف سینہ پھیرلیا۔ (اخرجہ مسلم ۴/ ۲۱۱۸)

رحمت خود ہی مغفرت کا وسیلہ تلاشتی ہے

(٥٢٨) عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ :

''أَنَّ رَجُلاً قَتَلَ تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ نَفْسًا فَجَعَلَ يَسْأَلُ: هَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَأَتٰى رَاهِبًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ: لَيْسَتْ لَكَ تَوْبَةٌ. فَقَتَلَ الرَّاهِبَ، ثُمَّ جَعَلَ يَسْأَلُ. ثُمَّ خَرَجَ مِنْ قَرْيَةٍ إِلٰى قَرْيَةٍ فِيْهَا قَوْمٌ صَالِحُوْنَ. فَلَمَّا كَانَ فِيْ بَعْضِ الطَّرِيْقِ ، أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَأٰى بِصَدْرِهِ ثُمَّ مَاتَ، فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَكَانَ إِلَى الْقَرْيَةِ الصَّالِحَةِ أَقْرَبَ مِنْهَا بِشِبْرٍ فَجُعِلَ مِنْ أَهْلِهَا.''

[صحيح] (أخرجه مسلم ج ٤ ص٢١١٩)

(٥٢٨) ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی ننانوے آدمی کا قتل کیے ہوا تھا۔ وہ لوگوں سے معلوم کرتا تھا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہوگی اور وہ توبہ کرسکتا ہے؟ تو ایک راہب کے پاس آیا اور سوال کیا کہ توبہ کرسکتا ہے؟ اس نے منع کردیا تو اس کو قتل کردیا۔ پھر لوگوں سے پوچھتا کہ: کیا اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ پھر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں چلا گیا، جہاں نیک صالحین اللہ والوں کی جماعت رہتی تھی۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ اس کی موت آگئی۔ تو اس نے اپنا سینہ اللہ والوں کی بستی کی طرف پھیر دیا۔ اب اس شخص کے سلسلہ میں رحمت اور عذاب کے فرشتے لڑ پڑے کہ عذاب ہو یا رحمت۔ تو نیک وصالح لوگوں کی بستی سے ایک بالشت قریب تھا تو اہلِ رحمت وجنت میں شمار ہوا۔

خبیث بستی سے جلد نکل جا

(٥٢٩) عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: لاأحدثكم إلا ما سمعت من رسول اللّٰه ﷺ. سمعته أذنای ووعاه قلبی:

''إِنَّ عَبْدًا قَتَلَ تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ نَفْسًا، ثُمَّ عَرَضَتْ لَهُ التَّوْبَةُ، فَسَأَلَ عَنْ أَعْلَمِ أَهْلِ الْأَرْضِ فَدُلَّ عَلٰى رَجُلٍ فَأَتَاهُ فَقَالَ: إِنِّيْ قَتَلْتُ تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ نَفْسًا

فَهَلْ لِيْ مِنْ تَوْبَةٍ ؟ قَالَ : بَعْدَ قَتْلِ تِسْعَةٍ وَّ تِسْعِيْنَ نَفْسًا ؟ قَالَ: فَانْتَضَى سَيْفَهُ فَقَتَلَهُ بِهِ فَأَكْمَلَ بِهِ مِائَةً. ثُمَّ عَرَضَتْ لَهُ التَّوْبَةُ فَسَأَلَ عَنْ أَعْلَمِ أَهْلِ الْأَرْضِ، فَدُلَّ عَلٰى رَجُلٍ فَأَتَاهُ. فَقَالَ إِنِّيْ قَتَلْتُ مِائَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لِيْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَقَالَ: وَ مَنْ يَحُوْلُ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ التَّوْبَةِ ؟ اُخْرُجْ مِنَ الْقَرْيَةِ الْخَبِيْثَةِ الَّتِيْ أَنْتَ فِيْهَا إِلَى الْقَرْيَةِ الصَّالِحَةِ قَرْيَةِ كَذَا وَ كَذَا فَاعْبُدْ رَبَّكَ فِيْهَا قَالَ : فَخَرَجَ إِلَى الْقَرْيَةِ الصَّالِحَةِ ، فَعَرَضَ لَهُ أَجَلُهُ فِي الطَّرِيْقِ. قَالَ: فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ. قَالَ : فَقَالَ إِبْلِيْسُ: أَنَا أَوْلٰى بِهِ إِنَّهُ لَمْ يَعْصِنِيْ سَاعَةً قَطُّ. قَالَ: فَقَالَتْ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ : إِنَّهُ خَرَجَ تَائِبًا.'' [صحيح] (أخرجه أحمد، ج:۳،ص:۲۰)

(۵۲۹) ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں تم لوگوں کو وہی بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے محفوظ کرلیا۔ ایک آدمی نے ننانوے آدمی کو ناحق قتل کردیا۔ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلینا چاہیے۔ اسی فکر کے تحت اس نے پوچھا کہ زمین میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ لوگوں نے بتلادیا کہ فلاں آدمی ہے۔ تو یہ اس کے پاس آیا اور کہا کہ: میں نے ننانوے قتل کیے ہیں، کیا میں توبہ کرسکتا ہوں؟ اور میرے لیے توبہ کا دروازہ ہے؟ اس عالم نے کہا: ننانوے قتل کے بعد تم کو توبہ کی فکر لاحق ہوئی ہے۔ بس اس نے ہاتھ میں تلوار سنبھالا اور اس سے اسی عالم کا کام تمام کردیا اور پورے ایک سو قتل کا عدد پورا کردیا۔ پھر اس کو توبہ کا خیال آیا، پھر لوگوں سے پوچھا کہ: زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو لوگوں نے ایک شخص کا اتہ پتہ بتلایا۔ اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں پورے ایک سو انسان کا قاتل ہوں کیا میرے لیے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟ اس عالم نے بتلایا کہ تیری توبہ اور تیرے درمیان کوئی حائل ہوسکتا ہے؟ (جلدی کر) تو اس خبیث بستی سے نکل جا جس میں تو مقیم ہے، اور اس بستی کی جانب جو نیک وصالح لوگوں کی بستی ہے فلاں مقام فلاں علاقہ میں اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوجا۔ بس وہ اللہ والے صالحین کی بستی کی جانب چل

پڑا۔راستہ ہی میں اس کی اجل وموت آ گئی۔اب اس شخص کے بارے میں عذاب ورحمت کے فرشتے الجھ گئے کہ کہاں لے جایا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابلیس لعین نے کہا کہ: میں اس کو لے جانے کا بہت زیادہ مستحق ہوں کہ اس نے کبھی میری نافرمانی نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ: نہیں یہ توبہ کی غرض سے نکلا تھا۔ (ابورافعؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا جس نے دونوں کے درمیان فیصلہ کیا۔ دیکھو دونوں بستی میں سے کس کے قریب ہے، اسی کے ساتھ اس کو کردو۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ: جب اس بندہ نے محسوس کیا کہ اب موت آنے والی ہے تو اس نے سانس پھلانا شروع کردیا، تو اللہ جل مجدہ نے صالحین اور اللہ والوں کی بستی سے قریب کردیا اور خبیث وگندوں کی بستی سے دور کردیا۔ لہٰذا اس کا حشر صالحین کے ساتھ ہوگیا)۔ (احمد)

توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے

(۵۳۰) للطبرانی و أبی یعلٰی و ابن عساکر عن معاویة رضی اللہ عنہ:

"إِنَّ رَجُلًا یَعْمَلُ السَّیِّئَاتِ ، وَ قَتَلَ سَبْعَةً وَّ تِسْعِیْنَ نَفْسًا کُلَّهَا یَقْتُلُ ظُلْمًا بِغَیْرِ حَقٍّ، فَخَرَجَ فَأَتَی دَیْرَانِیًّا فَقَالَ: یَا رَاهِبُ ! إِنَّ الْآخَرَ قَتَلَ سَبْعَةً وَّ تِسْعِیْنَ نَفْسًا کُلَّهَا تُقْتَلُ ظُلْمًا بِغَیْرِ حَقٍّ فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ ؟ قَالَ: لَا . لَیْسَ لَکَ تَوْبَةٌ .فَضَرَبَهُ فَقَتَلَهُ. ثُمَّ جَاءَ آخَرَ فَقَالَ لَهُ : یَا رَاهِبُ ! إِنَّ الْآخَرَ قَدْ قَتَلَ ثَمَانِیَةً وَّ تِسْعِیْنَ نَفْسًا کُلَّهَا تُقْتَلُ ظُلْمًا بِغَیْرِ حَقٍّ فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ : لَا. لَیْسَتْ لَهُ تَوْبَةٌ. فَضَرَبَهُ فَقَتَلَهُ. ثُمَّ أَتَی آخَرَ فَقَالَ لَهُ : إِنَّ الْآخَرَ لَمْ یَدَعْ مِنَ الشَّرِّ شَیْئًا قَدْ قَتَلَ تِسْعَةً وَّ تِسْعِیْنَ نَفْسًا کُلَّهَا تُقْتَلُ ظُلْمًا بِغَیْرِ حَقٍّ. فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ : لَا . فَضَرَبَهُ فَقَتَلَهُ. ثُمَّ أَتٰی رَاهِبًا آخَرَ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ الْآخَرَ لَمْ یَدَعْ مِنَ الشَّرِّ شَیْئًا إِلَّا قَدْ عَمِلَهُ قَدْ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ کُلَّهَا تُقْتَلُ ظُلْمًا بِغَیْرِ حَقٍّ فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ ؟ فَقَالَ لَهُ : وَ اللّٰهِ لَئِنْ قُلْتُ لَکَ: إِنَّ اللّٰهَ لَا یَتُوْبُ عَلٰی مَنْ تَابَ إِلَیْهِ لَقَدْ کَذَبْتُ. هَاهُنَا دَیْرٌ فِیْهِ قَوْمٌ مُتَعَبِّدُوْنَ فَأْتِهِمْ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مَعَهُمْ. فَخَرَجَ تَائِبًا حَتّٰی

إِذَا كَـانَ فِي نِصْفِ الطَّرِيْقِ بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْهِ مَلَكًا فَقَبَضَ نَفْسَهُ فَحَضَرَتْهُ مَلَائِكَةُ الْـعَـذَابِ وَ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ فَاخْتَصَمُوْا فِيْهِ، فَبَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ مَلَكًا فَقَالَ لَهُمْ: إِلٰـى أَيِّ الْـفَـرِيْـقَيْـنِ أَقْرَبُ فَهُوَ مِنْهَا فَقَاسُوْا مَا بَيْنَهُمَا فَوَجَدَهُ أَقْرَبَ إِلٰى قَرْيَةِ التَّوَّابِيْنَ بِقَيْسِ أُنْمُلَةٍ فَغُفِرَ لَهُ." [صحيح لغيره] (كما فى كنزالعمال، ۴/ ۱۰۲۹۸)

(۵۳۰) ترجمہ: معاویہؓ سے روایت ہے،ایک شخص عادی مجرم تھا جس نے ستانوے قتل کیے تھے اور وہ ناحق قتل کرتا تو راہب کے پاس عبادت خانہ میں آیا ایک دفعہ قاتل نے راہب سے کہا کہ ایک آدمی ہے جس نے ستانوے قتل کیے ہیں اور تمام لوگوں کو ظلماً ناحق قتل کیا ہے، کیا توبہ ومغفرت کی کوئی شکل ہے؟ راہب نے جواب دیا: ایسے شخص کے لیے توبہ ومغفرت کی کوئی سبیل نہیں، اس شخص نے اس راہب کو قتل کردیا اور بھاگا ہوا دوسرے راہب کے پاس آیا، سوال کیا کہ ایک شخص نے اٹھانوے قتل کیے ہیں اور سب کا سب ناحق وظلماً کیا، ایسے شخص کے لیے توبہ ومغفرت کی کوئی شکل ہے؟ اس عالم نے بھی جواب دیا کوئی صورت نہیں، اس کو بھی مار کر قتل کردیا اور پھر ایک راہب کے پاس آیا اور سوال کیا کہ ایک شخص نے ننانوے ناحق قتل کیے ہیں، کیا اس کے لیے توبہ ومعافی کی سبیل ہے؟ اس عالم نے بھی کہا: کوئی صورت نہیں، اس کو بھی قتل کر کے سو کے عدد کو پورا کر کے بھاگا ہوا پھر ایک راہب کے پاس آیا اور عرض کیا: ایک شخص نے دنیا کا کوئی گناہ نہیں چھوڑا سبھی کر لیے اور ایک سو جانوں کو بھی ناحق وظلماً قتل کیا۔ کیا ایسے شخص کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے؟ اس عالم نے جواب دیا اللہ پاک کی قسم اگر میں یہ کہوں کہ اللہ پاک اس شخص کی توبہ قبول نہیں کرتا جو ذات حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو میں جھوٹا اور کذّاب ہوں گا۔ دیکھو فلاں مقام پر ایک عبادت خانہ ہے، اس میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو ہمہ وقت مصروف عبادت ہیں ان کے پاس جاؤ اور انہیں کے ساتھ مصروف عبادت ہو جاؤ۔ وہ شخص خالص توبہ وانابت کے ساتھ عابدوں کے پاس جانے کے لیے نکلا جب بیچ راستے میں پہنچا تو اللہ پاک نے ملک الموت کو بھیج کر اس کی روح قبض کرالی اب رحمت کے فرشتے اور عذاب

کے فرشتے دونوں ہی آ پہنچے اور آپس میں جھگڑنے لگے (رحمت کے فرشتے کہتے کہ جنت کا مستحق ہے کہ توبہ کرلیا، عذاب کے فرشتے کہتے کہ ابھی عبادت گاہ میں نہیں پہنچا تھا) الغرض اللہ پاک نے ایک تیسرے فرشتے کو بھیجا اور فرمایا کہ: ان رحمت وعذاب کے فرشتوں سے کہو کہ راستہ کی پیمائش کریں، اگر عبادت خانہ کے قریب ہے تو جنت ورنہ جہنم، جب فرشتوں نے پیمائش کی تو انگلی برابر عابدین کی بستی کے قریب نکلا، اللہ پاک نے پھر اس کی مغفرت کردی۔

صالحین کی بستی نزولِ رحمت ومغفرت اور قبولیت کی جگہ ہے

قاتل کا بار بار حق جل مجدہ کی طرف متوجہ ہونا یا خوف عقاب الٰہی اور توبہ کی غرض سے راہب کی طرف متوجہ ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ قتل کے بعد اس کو قتل کے گناہ نے بے چین کردیا تھا، خوف وخشیت بارگاہ ربّ العزّت کی حاضری اور جرم قتل کی باز پرس کا عقیدہ ہر بار اس قاتل کو مجبور کرتا تھا کہ حضور حق میں آخر کیا جواب دے گا، کیا یہ عمل جناب باری میں عمل صالح کی قبیل سے کم تھا؟ ہرگز نہیں، بالآخر انابت وتوبہ، رحمٰن ورحیم کی رحمتِ تامہ کا باعث بن گیا اور ارحم الراحمین نے اپنی قدرت کاملہ کا ظہور، مغفرت کی معجزانہ قدرت ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا﴾ کی شکل میں ظاہر فرمادی۔

نیز حدیث سے صالحین کی بستی کا مقدس ومبارک ہونا اور قابل سکونت اور نزول رحمت ومغفرت کا ہونا بھی معلوم ہوا۔ جس مقام پر اعمال صالحہ ہوں وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور رحمت کے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اور ایسی جگہ مقدس ومبارک ہوجاتی ہے۔ قرآن نے بھی ارض المقدسہ، مقدس سرزمین کہا ہے۔ جو لوگ اس تقدس کا انکار کرتے ہیں، وہ جہلاء وحمقاء کی فہرست میں شمار ہیں۔ اسی طرح جہاں معاصی اور منکرات ہوتے ہیں، وہ جگہ ناقابل رہائش اور نزول عذاب وعقاب ہوتی ہے۔ گناہ ومعاصی کی لعنت ونحوست سے وہاں کے مکین ضرور متاثر ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے تبوک کے سفر میں عذاب والی بستیوں سے آخر تیز رفتار گزرنے

کا حکم کیوں دیا تھا؟ جبکہ زمانہ گزر چکا تھا کے ان پر عذاب ہوا تھا۔ وہاں کے پانی سے گندھے ہوئے آٹے کو ضائع کرادیا۔ معلوم ہوا کے اعمالِ صالحہ کا اثر نسلوں میں نزول رحمت اور حفاظت کا سبب بن جاتا ہے۔ اور مقامات کا تقدس بھی زمانوں تک باقی رہتا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿وَ کَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ واضح طور پر آیا ہے۔ خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا تا کہ فساد سے بچے کہ اس کے والد نیک تھے۔ اور ایک کے مکان کی دیوار کو گرنے سے بچایا تا کہ مال محفوظ رہے کہ اس کے والد نیک تھے۔

باب : إِنَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ رَجُلًا طُوَالًا كَأَنَّهُ نَخْلَةٌ ......

باب: آدم علیہ السلام طویل قامت تھے گویا کہ کھجور کا درخت

(٥٣١) عن أبی بن کعب رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

"إِنَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ رَجُلًا طُوَالًا، كَأَنَّهُ نَخْلَةٌ سَحُوْقٌ كَثِيْرُ شَعْرِ الرَّأْسِ، فَلَمَّا وَقَعَ بِمَا وَقَعَ بِهِ بَدَتْ لَهُ عَوْرَتُهُ، وَ كَانَ لَا يَرَاهَا قَبْلَ ذٰلِكَ فَانْطَلَقَ هَارِباً فَأَخَذَتْ بِرَأْسِهِ شَجَرَةٌ مِنْ شَجَرِ الْجَنَّةِ. فَقَالَ لَهَا: أَرْسِلِيْنِيْ. قَالَتْ : لَسْتُ مُرْسِلَتَكَ قَالَ فَنَادَاهُ رَبُّهُ عَزَّوَجَلَّ : أَ مِنِّي تَفِرُّ؟

قَالَ: أَيْ رَبِّ! لَأَسْتَحْيِيْكَ؟ قَالَ فَنَادَاهُ : وَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَسْتَحْيِيْ رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الذَّنْبِ إِذَا وَقَعَ بِهِ ثُمَّ يَعْلَمُ بِحَمْدِ اللّٰهِ أَيْنَ الْمَخْرَجُ. يَعْلَمُ أَنَّ الْمَخْرَجَ فِي الْاِسْتِغْفَارِ وَ التَّوْبَةِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ."

[صحیح] (أخرجه أحمد فی کتاب الزهد له، ص: ٤٨)

آدم علیہ السلام پر حیا غالب آگئی

(۵۳۱) ترجمہ: اُبَیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم علیہ السلام بہت ہی زیادہ لانبے قد کے آدمی تھے۔ گویا کہ لمبا کھجور کا درخت و تنہ۔ سر پر بال بھی بہت ہی گنجان و گھنے تھے۔ جب ان کو وہ واقعہ (اکلِ شجر کا) پیش آگیا جو

پیش آنا ہی تھا تو ان کا ستر کھل گیا۔اس سے پہلے کبھی انھوں نے ستر کھلتے نہیں دیکھا تھا (نہ ہی اپنے ستر پر نگاہ ڈالی) تو جلدی سے بھاگنے لگے (یعنی ستر چھپانے کی کوئی چیز لینے کو تیزی سے بھاگے) تو آدمؑ کو سر سے جنت کے ایک درخت نے پکڑ لیا۔آدم نے درخت سے کہا: مجھ کو چھوڑ دو۔ درخت نے جواب دیا: میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔حق تعالیٰ نے آدمؑ کو آواز دی: اے آدمؑ! کیا مجھ سے راہِ فرار اختیار کررہے ہو؟ آدمؑ نے جواب دیا: یا رب! آپ سے شرم آتی ہے۔حق تعالیٰ کی جانب سے صدا آئی: ہاں بات بھی ٹھیک ہے، بے شک مومن سے جب گناہ ہوجاتا ہے تو اس کو رب تبارک وتعالیٰ سے شرم وحیا آتی ہے اور آنی بھی چاہیے، یہی شرم وحیا پھر ندامت کی شکل اختیار کرکے توبہ واستغفار کا سبب بن جاتی ہے۔ پھر آدمؑ پر الحمدللہ راہِ نجات واضح ہوگیا اور وہ بخوبی جان گئے کہ اس ذنب و گناہ کی تلافی اللہ عزوجل کے حضور میں توبہ واستغفار سے ہی ہوسکتی ہے اور یہی ایک راستہ ہے۔ (اخرجہ احمد فی کتاب الزہد ۴۸)

ا۔ جنتی لباس کی حقیقت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ (سورۃ اعراف ۲۲)

پھر جب چکھا ان دونوں نے درخت کو تو کھل گئیں ان پر شرمگاہیں ان کی۔

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

یعنی عدول حکمی کرا کر لباسِ بہشتی ان پر سے اتر وادیا۔کیونکہ جنتی لباس حقیقت میں لباس تقویٰ کی محسوس صورت ہوتی ہے۔کسی ممنوع کے ارتکاب سے جسقدر لباس تقویٰ میں رخنہ پڑے گا اسی قدر جنتی لباس سے محرومی ہوگی۔غرض شیطان نے کوشش کی کہ عصیان کرا کر آدم کے بدن سے بطریق مجازات جنت کا خلعت فاخرہ اتر وادے۔ یہ میرا خیال ہے۔ (تفسیر عثمانی)

۲۔ بعض مباحات ایسے ہوتے ہیں جن سے انسان کو طبعی نفرت ہوتی ہے

گناہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جنتی کپڑے بدن سے اتر جائیں اور لیریھما میں لام عاقبت کا ہے یعنی انجام شیطان کے کہنا ماننے کا یہ ہوا کہ آدم وحوا کو ان کا ستر دِکھلا دے۔ اس میں ایک باریک مسئلہ کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ یہ معلوم ہے کہ آدم وحوا علیہ السلام دونوں میاں بیوی ہیں اور یہ بھی کہ اپنا بدن دیکھنا جائز ہے اور نیز اپنی بیوی کا بدن دیکھنا بھی جائز ہے۔ پھر اس میں کیا حرج تھا کہ آدم وحوا نے آپس میں اپنا یا دوسرے کا بدن دیکھا۔ انجام تو کوئی ایسا امر بیان فرمانا چاہیے تھا کہ جو کوئی امر مذموم ہوتا، یہ تو امر مباح ہے تو بات یہ ہے کہ بعض مباحات ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے انسان کو طبعی نفرت ہوتی ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام کا گیہوں کھانا خطاءِ اجتہادی تھی، گناہ نہیں تھا، لیکن بہ فحوائے ''مقربان را بیش بود حیرانی'' عتاب اس پر ہوا کہ عزم اور احتیاط کا درجہ کیوں فروگذاشت ہوا، اس لیے اس کا انجام واثر بھی ایسا ہی امر ہوا کہ وہ فی نفسہٖ مباح تھا قبیح وشنیع نہیں تھا، لیکن ان کی شان کے خلاف تھا، یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم وحوا تقدس کے اس درجے میں تھے کہ ان کے لیے یہ امر مباح بھی باعثِ تکدر ہوا۔ اور نیز یہ مسئلہ بھی مستفاد ہوا کہ اِراءۃِ عورۃ زوجین میں گو جائز ہے، لیکن ادب کے خلاف ہے اور بلاضرورت ایسا کرنا نامناسب ہے۔ (اشرف التفاسیر صفحہ نمبر: ۲/۴/۱۵۴، حضرت تھانوی)

نورِ حق طاہر بود اندر ولی
نیک بیں باشی اگر اہل دلی

(ولی کے اندر نورِ حق ہوتا ہے۔ اگر تو اہل دل ہے تو تو بھی اس نور کو دیکھ لے۔)

۳۔ معصومیت کے حجاب کا اترنا

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے نزع لباس کو اکل شجرہ کے ایک طبعی اثر کے طور پر لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حاجت استنجاء اور حاجت شہوت جنت میں نہ تھی ان کے بدن پر

کپڑے تھے جو کبھی اترتے نہ تھے کیونکہ حاجت اُتارنے کی نہ ہوتی تھی۔ آدم وحوا علیہما السلام اپنے اعضاء سے واقف نہ تھے۔ جب یہ گناہ ہوا تو لوازمِ بشری پیدا ہوئے۔ اپنی حاجت سے خبردار ہوئے اور اپنے اعضاء دیکھے۔ گویا اس درخت کے کھانے سے جو پردہ انسانی کمزوریوں پر پڑا تھا وہ اُٹھ گیا۔ ''سوءۃ'' کے لغوی معنی میں بہت وسعت ہے، قابیل اور ہابیل کے قصے میں **سَوۡءَةَ اَخِيۡهِ** فرمایا، اور حدیث میں ہے **اِحۡدٰی سَوۡءَ تَکَ یَا مِقۡدَاد** ۔ اب تک آدمؑ کی نظر میں صرف اپنی سادگی اور معصومیت تھی، اور ابلیس کی نظر میں صرف اس کی خلقی کمزوریاں تھیں، لیکن اکلِ شجرہ کے بعد آدمؑ کو اپنی کمزوریاں پیش نظر ہوگئیں اور جب اس غلطی کے بعد انھوں نے توبہ وانابت اختیار کی تو ابلیسِ لعین کو ان کے اعلیٰ کمال اور انتہائی نجابت وشرافت کا مشاہدہ ہوگیا، اس لیے سمجھ لیا کہ یہ مخلوق لغزش کھا کر بھی میری مار کھانے والی نہیں۔ ﴿**اِنَّ عِبَادِی لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ**﴾

شاید اسی لحاظ سے تورات میں ابن قتیبہ صاحبِ معارف کی نقل کے موافق اس درخت کو **شَجَرَةُ الۡخَیۡرِ وَ الشَّرِّ** سے موسوم کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

ابھی پورے طور پر کھانے بھی نہ پائے تھے فقط مزہ ہی چکھا تھا کہ نافرمانی کی نحوست سے دوچار ہو گئے، سزا میں پکڑے گئے، اور بدن سے (جنت کا) لباس اتر گیا، عبد بن حمید نے وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ دونوں کا لباس نور کا تھا۔ (گلدستہ: ۲/۴۸۳)

۴۔ شرم وحیاء

حیا کی دو قسمیں ہیں: ایک خلقی و پیدائشی۔ دوسری کسبی۔ پہلی قسم اخلاق میں شمار ہے، اس میں انسان کے کسب واکتساب یعنی اپنی جدوجہد اور کوشش کا کچھ دخل نہیں، لیکن حیا و شرم چونکہ ایسی صفت کا نام ہے، جو بلند اخلاق کی محرک ہوتی ہے، اور رذیل اخلاق سے روکتی ہے، اس لحاظ سے اس فطری صفت کو بھی ایمان کا ایک جزء شمار کیا گیا ہے۔ بخاری و مسلم میں عمران بن حصینؓ کی حدیث میں آیا ہے: **اَلۡحَیَاءُ لَا یَاۡتِی اِلَّا بِخَیۡرٍ وَ فِی رِوَایَةٍ اَلۡحَیَاءُ خَیۡرٌ کُلُّهٗ** ۔ یعنی شرم کا نتیجہ بہتر ہی بہتر نکلتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے، شرم و

حیا تو سب ہی بہتر ہوتی ہے۔ان دونوں روایت میں اسی فطری و پیدائشی حیاء کا ذکر ہے، یعنی یہ صفت خلقۃً بھلی باتوں ہی کی محرک ہوتی ہے۔دوسری قسم وہ ہے جو بڑے ریاضات و مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی عظمت و جلال، اس کا بندوں سے قرب اور ان کے احوال پر پورے علم کے استحضار کا ثمرہ ہوتی ہے، یہ ایمان بلکہ مرتبہ احسان کا بھی اعلیٰ درجہ ہے۔ (ترجمان السنہ:۲/۱۸۵)

۵۔شرم وحیا جنت میں لے جاتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیا وشرم ایمان سے پیدا ہوتی ہے، اور ایمان کا نتیجہ جنت ہے۔اور بے حیائی وفحش کلامی درشتی فطرت سے ناشی ہوتی ہے، اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے، اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَ الْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّةِ. وَ الْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَ الْجَفَاءُ فِی النَّارِ۔ (احمد وترمذی)

بسا اوقات بعض چیزیں دیکھنے میں ہلکی پھلکی نظر آتی ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے بڑی ہی گہری اور عمیق ہوتی ہے۔ حیا وشرم معمولی چیز نہیں بلکہ بہت ہی اہم اور غیر معمولی قابل قدر و منزلت ہے کہ حیاء وشرم کا جوڑ ایمان سے ہے۔اور ایمان کا جوڑ حیاء وشرم سے ہے۔اس لیے ایمان وحیاء والا جنت میں جائے گا، کہ یہ دونوں جنتی صفات میں سے ہے۔ اور بے حیائی جب آتی ہے تو ایمان بھی رخصت ہو جاتا ہے، اور جب ایمان ہی رخصت ہوجائے گا تو بندہ جہنم میں ہی بجائے گا۔ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرِنَا جَمِیْعاً فَاِذَا رَفَعَ اَحَدُهُمَا رَفَعَ الْآخَرُ ، حیا وایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں، جب ان میں کا ایک اٹھا لیا جاتا ہے، تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔ایک روایت میں ہے، فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْآخَر (حاکم فی المستدرک)، جب ان میں سے ایک چھین لیا جاتا ہے، تو دوسرا بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوجاتا ہے۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

صاحب ترجمان السنہؒ لکھتے ہیں: حمید بن زنجویہ نے کتاب الادب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اَلْحَیَاءُ وَالاِیْمَانُ فِی قَرْنٍ فَاِذَا نَزَعَ الْحَیَاءُ تَبِعَهُ الآخَر ، حیا و ایمان دونوں کے ہونے کی صورت میں ایک کے اٹھ جانے سے دوسرے کا اٹھ جانا تو حدیثوں میں آتا ہے، مگر دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک آجانے سے دوسرے کا آجانا اب تک کسی حدیث میں ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصد مومن کو شرم وحیا کی ترغیب دینا ہے اور بے حیائی کی صورت میں اس امر سے ڈرانا ہے کہ کہیں اصل متاع ایمانی بھی اس کے ہاتھوں سے کھو ہی نہ جائے۔

(ترجمان السنۃ: ۲/ ۱۸۷)

۶۔ شیطان کا پہلا حملہ انسان کو ننگا کرنے کی صورت میں ہوا

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو جب شیطان نے اپنی شیطنت اور دھوکہ وفریب میں لے کر درخت کا پھل کھلوادیا تو سب سے پہلے دونوں کا جنتی لباس جسم سے اُتر گیا، جبکہ انسان کے لیے ننگا ہونا اور قابلِ ستر اعضاء کا دوسرے کے سامنے کُھلنا انتہائی ذلت ورسوائی اور بے حیائی کی علامت ہے۔ ملعون شیطان نے دونوں پر حملہ کر کے سب سے پہلے ان کے چھپے ہوئے اعضاءِ جسم، جس کو چھپا کر رکھنا اور چھپا رہنا ہی چاہیئے تھا برہنہ و ننگا کروا دیا۔ یعنی حیا و شرم کے مقام کو برہنہ کر دیا۔ مردود وملعون کو جو کرنا تھا وہ کرگزرا، اس کا جو اثر آدم وحواء پر ظاہر ہونا تھا وہ ظاہر بھی ہوگیا، مگر خلیفۃ اللہ کو قدرت کب بے سہارا اور بغیر رہنمائی کے چھوڑ دیتی۔ دونوں میں ایمان کا اہم وغیر معمولی جز وحیا وشرم کا مادہ اجاگر ہوا، اور جنتی درخت کی طرف بھگے اور ان کے پتوں کو جوڑ جوڑ کر مقام ستر وحیا پر رکھنے لگے۔ کیونکہ حق تعالیٰ اہل ایمان کی ہر طرح صلاح وفلاح کی رہنمائی ونگرانی کرتا ہے، اور آدمؑ وحواؑ نے سب سے پہلے حق کی رہنمائی سے ستر پوشی کا اہتمام کیا۔ معلوم ہو کہ ایمان کے بعد تمام اعمال سے پہلے مومن کا پہلا فریضہ ستر پوشی ہے، پھر نماز روزہ وغیرہ کا فریضہ۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شیطان کا پہلا حملہ اور کید، انسان کو ننگا کرنا اور ستر کے مقام سے لباس کا

اُتروانا ہے۔اسی لیے حدیث میں حیاوایمان کو قرناء کہا گیا ہے: اِنَّ الْحَیَاءَ وَ الِایْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِیْعًا، جسکی تفصیل ابھی آپ نے پڑھی۔اسی حکمت کے پیش نظر شریعتِ اسلام جوانسان کی ہرطرح صلاح وفلاح کی کفیل ہےاس نے ستر پوشی کا اہتمام اتنا کیا کہ ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض ستر پوشی کوقرار دیا،نماز روزہ سب اس کے بعد ہے، پھر مذہب اسلام شرم وحیا کے معاملے میں بے حد حساس اور دور رس نتائج پر نگاہ رکھتا ہے، اخلاقی معیار کا نگہبان ہے، انسانی تقدس وطہارت کا علمبردار ہے،حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے خلیفہ اور پہلے معلم انسانیت ہیں۔انہوں نے عملی طور پر سکھلا دیا کہ ربّ العزت کی نگاہ میں ستر اور غیر ستر کا کوئی فرق نہیں مگر انسانی بساط وقدرت میں جوممکن ہے،اسی کا منجانب اللہ وہ پابند ہے، اوراس کی کوشش بھی ضروری ہے۔حضرت آدم علیہ السلام نے وہی کیا جوان کو کرنا چاہیے تھا۔حق تعالیٰ نے پوچھا آدم مجھ سے بھاگ کر کہاں جارہے ہو۔ابونا آدمؑ نے جواب دیا: آپ سے نہیں بھاگ رہا ہوں بلکہ حیاء وشرم میں اپنے ستر اور پوشیدہ مقام کو دیکھنے سے خجالت وندامت میں سرگرداں ہوں۔ بالآخر جنتی درخت کے پتوں سے ستر کو چھپانے لگے۔معلوم ہوا ایمان وحیا اپنے ستر کو دیکھنے سے بلاضرورت مانع ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان وحیاء کے ساتھ زندگی گذارنے کی توفیق بخشے اور یہود ونصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلنے سے امت کی حفاظت فرمائے۔آمین

آدم مجھ سے جان چھڑا کر کہاں بھاگ رہے ہو

(٥٣٢) و لعبد بن حمید فی تفسیر وأبی الشیخ فی العظمة والخرائطی فی مکارم الأخلاق عن أبی بن کعب رضی اللہ عنہ:

"إِنَّ أَبَاكُمْ آدَمَ كَانَ طُوَالًا كَالنَّخْلَةِ السَّحُوْقِ سِتِّيْنَ ذِرَاعًا كَثِيْرَ الشَّعْرِ وَارِيَ الْعَوْرَةِ ، فَلَمَّا أَصَابَ الْخَطِيْئَةَ فِي الْجَنَّةِ خَرَجَ مِنْهَا هَارِبًا ، فَلَقِيَتْهُ شَجَرَةٌ فَأَخَذَتْ بِنَاصِيَتِهِ فَحَبَسَتْهُ ، وَ نَادَاهُ رَبُّهُ: أَفِرَارًا مِنِّيْ يَا آدَمُ؟ قَالَ: لَا بَلْ حَيَاءً مِنْكَ يَا رَبِّ مِمَّا جَنَيْتُ . فَأُهْبِطَ إِلَى الْأَرْضِ فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ

بَعَثَ إِلَيْهِ مِنَ الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِكَةِ بِكَفَنِهِ وَحَنُوطِهِ، فَلَمَّا رَأَتْهُمْ حَوَّاءُ ذَهَبَتْ لِتَدْخُلَ دُوْنَهُمْ قَالَ: خَلِّي بَيْنِيْ وَ بَيْنَ رُسُلِ رَبِّيْ فَمَا أَصَابَنِيَ الَّذِيْ أَصَابَنِيْ إِلَّا فِيْكِ، وَ لَا لَقِيْتُ الَّذِيْ لَقِيْتُ إِلَّا مِنْكِ فَلَمَّا تُوُفِّيَ غَسَّلُوْهُ بِالْمَاءِ وَ السِّدْرِ وِتْرًا، وَ كَفَّنُوْهُ فِيْ وِتْرٍ مِنَ الثِّيَابِ ، ثُمَّ لَحَدُوْا لَهُ وَ دَفَنُوْهُ وَ قَالُوْا : هٰذِهِ سُنَّةُ وُلْدِ آدَمَ مِنْ بَعْدِهِ." (كما في كنز العمال، ۴۲۴۰۸/۱۵)

(۵۳۲) ترجمہ: اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، تمہارے باپ آدم لمبے قد کے تھے، جیسے لمبا کھجور کا تنا، ساٹھ ہاتھ لمبے، جسم پر بہت ہی زیادہ بال، اس قدر گنجان و گھنے ستر عورت چھپا لیتے تھے، جب ان سے گناہ سرزد ہو گیا، تو وہ جنت سے نکل کر بھاگنے لگے، جاتے ہوئے ایک درخت نے ان کو پیشانی سے پکڑ کر روک لیا، ادھر ربّ العالمین نے ارشاد فرمایا: اے آدمؑ! کیا مجھ سے جان چھڑا کر بھاگتے ہو، انھوں نے عرض کیا: نہیں ربّ العالمین اپنے گناہ کی بنا پر تجھ سے حیا و شرما کر، پھر ان کو زمین پر نازل کر دیا گیا، تو جب ان کی وفات کا وقت آیا، تو حق جل مجدہ نے فرشتوں کو جنت سے ان کے لیے کفن و خوشبو لے کر بھیجا، جب حوا (ان کی بیوی) نے دیکھا کہ اب آخری وقت ہے تو ارادہ کیا کہ ان کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کریں (یعنی تخلیہ میں کچھ باتیں کہیں) آدمؑ نے حواؑ سے کہا: مجھ کو اور میرے پاس بھیجے ہوئے مہمان الٰہی ملک الموت و فرشتوں کو رہنے دو؛ کیونکہ جو حالات مجھ پر آئے ہیں اور جن باتوں کا مجھ سے صدور ہوا اس کا سبب ظاہری تو ہی تو بنی تھی اور جن مشکلات کا سامنا مجھ کو کرنا پڑا وہ سب کا سب تیری وجہ سے ہوا، جب آدم علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو ان کو بیری کے پانی سے طاق بار غسل دیا گیا اور طاق عدد کپڑوں میں کفن دیا گیا، پھر لحد والی قبر کھودی گئی اور اس میں دفن کیا گیا پھر فرشتوں نے عرض کیا: آدم کی اولاد کے لیے دفن کا یہی طریقۂ سنت ہوگا۔

باب : فِيُ مَعْنٰى قَوُلِهٖ تَعَالٰى﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنُ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيُهِ﴾

باب: آدم علیہ السلام نے ربّ العالمین سے توبہ کے چند کلمات سیکھ لیے

(٥٣٣) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما:

﴿ فَتَلَقَّى آدَمُ مِنُ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيهِ﴾ (البقرة:٣٧)

قَالَ :أَیُ رَبِّ! أَلَمُ تَخُلُقُنِیُ بِیَدِکَ؟ قَالَ: بَلٰی. قَالَ: أَیُ رَبِّ! أَلَمُ تَنُفُخُ فِیَّ مِنُ رُّوُحِکَ؟ قَالَ: بَلٰی. قَالَ: أَیُ رَبِّ ! أَلَمُ تُسُکِنِّیُ جَنَّتَکَ؟ قَالَ: بَلٰی . قَالَ: أَیُ رَبِّ! أَلَمُ تَسُبِقُ رَحُمَتُکَ غَضَبَکَ؟ قَالَ: بَلٰی. قَالَ: أَ رَأَیُتَ إِنُ تُبُتُ وَ أَصُلَحُتُ أراجعی أَنُتَ إِلَی الُجَنَّةِ ؟ قَالَ: بَلٰی. قَالَ: فَهُوَ قَوُلُهٗ: فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنُ رَّبِهٖ كَلِمَاتٍ.'' [صحیح] (أخرجه الحاكم فى المستدرک، ج: ٢، ص:٥٤٥)

آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے چند کلمات حاصل کر لیے تھے

(۵۳۳) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آیت:

﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنُ رَّبِّهٖ كَلِمَات فَتَابَ عَلَيهِ﴾

حاصل کر لیے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی ان پر، یعنی توبہ قبول کر لی۔

آدمؑ نے عرض کیا: اے میرے ربّ! کیا آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ ارشاد ہوا: کیوں نہیں۔ آدمؑ نے عرض کیا: اے میرے رب! کیا آپ نے اپنی جنت میں مجھ کو ٹھہرایا نہیں؟ ارشاد ہوا: ہاں ضرور ٹھہرایا۔ آدمؑ نے عرض کیا: اے میرے رب! کیا آپ کی رحمت غضب پر سبقت نہیں کر جاتی ہے؟ ارشاد ہوا: ہاں سبقت کر جاتی ہے۔ آدمؑ نے عرض کیا: یا اللہ! اگر تیرے حضور میں توبہ کرلوں اور اپنی اصلاح کرلوں (یعنی توبہ کے بعد زندگی سنوارلوں) تو کیا آپ مجھ کو جنت میں واپس کر دیں گے۔ حق جل مجدہ نے فرمایا : ضرور واپس کردوں گا۔ فرمایا: اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

﴿فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَاتٍ﴾۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک، ۲/ ۵۴۵)

توبہ کا معنیٰ اور مطلب

توبہ کے اصل معنی لغت میں رجوع اور لوٹنے کے ہیں۔ اور توبہ سے مراد ہے کیے ہوئے گناہ پر پشیمانی اور اس کے لیے استغفار، اور استغفار کے ساتھ آئندہ نہ کرنے کا عہد۔ اگر توبہ کی نسبت بندہ کی طرف کریں گے تو معنی ہوگا گناہ سے پھرنا اور بعض رہنا۔ اور اگر توبہ کی نسبت حق تعالی کی طرف کریں گے تو معنی ہو گا بندہ کو عذاب دینے سے اعراض کرنا اور مغفرت کی طرف توجہ فرمانا۔ اور خاص کر جب توبہ کے بعد لفظ علیٰ آتا ہے اور اللہ کی طرف توبہ کی نسبت کی جاتی ہے تو رحمت کے ساتھ بندہ کی طرف متوجہ ہونے اور توبہ قبول کرنے کے معنی ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندہ پر رحم کرے گا، اور اس کی توبہ قبول کر کے آخرت میں عذاب نہیں دے گا۔ جیسے وتب علینا۔ واللہ اعلم

کلماتِ توبہ کا اِلقاء اور عبدیت کا کمال

جنت میں جو ہونا تھا ہوا، آدم علیہ السلام جنت سے باہر آ گئے، تو ندامت کی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے چند کلمات آدم علیہ السلام کو القا والہام کے طور پر بتلائے، جن سے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی وہ کلمات وحی۔ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنِ﴾ ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ بندہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مایوس نہ ہو، خواہ گناہ جیسا کیسا ہوا ہو۔ گناہ کے بعد توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا، یہی تو عبدیت کا کمال ہے۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے صرف آدمؑ اور ابن آدم کو دی ہے۔ شیطان مردود ہوا، توبہ سے محروم رہا۔ فرشتوں کو لذت توبہ کا کیا پتہ یہ کیسی نعمت ہے؟ اور عبدیت کی پُر بہار منزل اور اس پر کیسی حلاوت کی نعمت منجانب اللہ عطا ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ دوست رکھتے ہیں بار بار توبہ کرنے والوں کو، یہ بار بار توبہ کرنا

کیا ہے؟ عبدیت کا اظہار اور رب تبارک وتعالیٰ کی عظمت وقدرت کا اعتراف، یہ وظیفہ انسان کو جنت کا وارث اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

حضرت آدم کی ندامت اور گریہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدم وحوا علیہما السلام دوسو برس روئے، اور چالیس روز تک نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ حضرت آدمؑ سو برس تک حضرت حوّاؑ کے پاس نہ آئے۔

یونس بن حباب اور علقمہ بن مرثد فرماتے ہیں کہ اگر سارے زمین والوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو حضرت داؤد علیہ السلام کے آنسوان سے زیادہ ہوں گے۔ اور اگر حضرت داؤد علیہ السلام اور زمین والوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو بڑھ جائیں گے۔ شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آدم علیہ السلام نے گناہ کی شرمندگی سے تین سو برس تک سر نہیں اٹھایا۔

توبہ کی حکمت

حضرت آدم علیہ السلام کے سہو سے توبہ واستغفار کا طریقہ بتلانا مقصود تھا کہ جب کبھی کسی سے کوئی گناہ صادر ہو تو فوراً اپنے باپ آدمؑ کی طرح تضرع اور زاری کے ساتھ بارگاہ ربّ العزّت میں رجوع کرے۔ شیطان کی طرح معارضہ اور مقابلہ نہ کرے بالفرض اگر حضرت آدمؑ سے یہ معصیت سرزد نہ ہوتی تو ہم گنہگاروں کو توبہ واستغفار کا طریقہ کیسے معلوم ہوتا۔

سعادت وشقاوت کا افتتاح

عارف ربّانی شیخ عبدالوہاب شعرانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کے اللہ کے علم میں سعادت اور شقاوت دونوں ہی مقدر تھیں۔ اس کی حکمت اس کو مقتضی ہوئی کہ سعادت کا بھی افتتاح ہو اور شقاوت کا بھی۔ اس لیے سعادت کا افتتاح حضرت آدمؑ کے ہاتھ سے کرایا اور شقاوت کا افتتاح ابلیس کے ہاتھ سے کرایا۔

حضرت آدم کی بے چینی

حضرت آدم علیہ السلام اس خطاب سراپا عتاب کو سنتے ہی بے چین و بیتاب فوراً بارگاہ حق میں ایسے تضرع اور ابتہال کے ساتھ ملتجی ہوئے کے سارے عالم کا تضرع اور ابتہال بھی اس کے پاسنگ میں نہیں ہوسکتا۔حق تعالیٰ شانہ کی شان عفواور مغفرت جوش میں آ گئی۔

اے خوشا چشمے کے آں گریانِ اوست
وے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست
درپے ہر گریہ آخر خندہ ایست
مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

اورحضرت آدمؑ کو توبہ اور معذرت کے کلمات تلقین فرمائے گئے۔ابلیس کی معصیت چونکہ تمرد اور سرکشی کی بناء پر تھی اس لیے اس کو توبہ اور معذرت کی تلقین نہیں فرمائی۔

باب : فِيْ قِصَّةِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامِ وَ السَّامِرِيِّ وَ عِجْلِ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ

باب:موسیٰ علیہ السلام اور سامری کے بچھڑے کا واقعہ

(٥٣٤) عن علی رضی اللہ عنہ قال:

”لَمَّا تَعَجَّلَ مُوْسٰى إِلٰى رَبِّهِ عَمَدَ السَّامِرِيُّ، فَجَعَلَ مَا قَدَرَ عَلَيْهِ مِنْ الْحِلْيِ حِلْيَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ، فَضَرَبَهُ عِجْلًا ثُمَّ أَلْقَى الْقَبْضَةَ فِيْ جَوْفِهِ، فَإِذَا هُوَ عِجْلٌ لَهُ خُوَارٌ، فَقَالَ لَهُمُ السَّامِرِيُّ: هٰذَا إِلٰهُكُمْ وَ إِلٰهُ مُوْسٰى. فَقَالَ لَهُمْ هَارُوْنُ: يَا قَوْمِ! أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حُسْنًا؟ فَلَمَّا أَنْ رَجَعَ مُوْسٰى إِلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَ قَدْ أَضَلَّهُمُ السَّامِرِيّ، أَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيْهِ فَقَالَ لَهُ هَارُوْنُ مَا قَالَ. فَقَالَ مُوْسٰى لِلسَّامِرِيِّ: مَا خَطْبُكَ؟ قَالَ السَّامِرِيُّ: قَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ أَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ.(طه: ٩٦) قَالَ: فَعَمَدَ مُوْسٰى

إِلَى الْعِجْلِ فَوَضَعَ عَلَيْهِ الْمَبَارِدَ فَبَرَدَهُ بِهَا، وَ هُوَ عَلٰى شَفَا نَهَرٍ فَمَا شَرِبَ أَحَدٌ مِنْ ذٰلِكَ الْمَاءِ مُمْكِنٌ كَانَ يَعْبُدُ ذٰلِكَ الْعِجْلَ إِلَّا اِصْفَرَّ وَجْهُهُ مِثْلَ الذَّهَبِ. فَقَالُوْا لِمُوْسٰى: مَا تَوْبَتُنَا؟

قَالَ: يَقْتُلُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. فَأَخَذُوْا السَّكَاكِيْنَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَقْتُلُ أَبَاهُ وَ أَخَاهُ، وَ لَا يُبَالِيْ مَنْ قَتَلَ حَتّٰى قُتِلَ مِنْهُمْ سَبْعُوْنَ أَلْفًا، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلٰى مُوْسٰى: مُرْهُمْ فَلْيَرْفَعُوْا أَيْدِيَهُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لِمَنْ قُتِلَ وَ تُبْتُ عَلٰى مَنْ بَقِيَ.''

[صحيح] (أخرجه الحاكم فى المستدرك ج ٢ ص٣٧٩)

قصۂ موسیٰ علیہ السلام اور سامری کا بچھڑا، بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی

(۵۳۴) ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب موسیٰؑ جلدی سے رب تبارک وتعالیٰ کی طرف چلے گئے، تو سامری بنی اسرائیل کے جتنے زیورات پر قدرت رکھتا تھا اس سے ایک بچھڑا کی شکل کا مجسمہ بنایا، پھر اس میں ایک مٹھی خاک ڈال دی، تو وہ ایک بچھڑا سا ہو گیا، جس میں آواز تھی (یہ آواز اس بچھڑے کی اپنی نہیں تھی بلکہ منہ اور پشت کے اندر سے جو ہوا باہر کی آتی جاتی اس سے ایک آواز قدرتی نکلتی تھی، جس کو ان لوگوں نے سمجھا کہ بچھڑا بولتا ہے۔ جبکہ وہ آواز اس ہوا کی ہوتی جو پشت سے داخل ہو کر منہ کی طرف سے نکل جاتی، لوگوں کو دھوکا لگ جاتا) تو سامری نے بنی اسرائیل کو کہا کہ: یہ تمہارا اور موسیٰؑ کا معبود ہے۔ بنی اسرائیل کو ہارون علیہ السلام فرمانے لگے: اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف لوٹے، جبکہ ان کی قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا تھا۔ تو اپنے بھائی کا سر پکڑ لیا تو ان کے بھائی ہارونؑ نے عرض کر دیا جو کچھ عرض کرنا تھا۔ تو موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟ (یعنی تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ سامری نے کہا:) میں نے اس فرستادۂ الٰہی کی سواری کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر خاک اٹھالی تھی، سو میں نے اس بچھڑے کے قالب کے اندر ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی

(کہ اس خاک میں حیات کا اثر ہوگا) پھر موسیٰ علیہ السلام اس بچھڑے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو ریتی رندا سے برادہ (یعنی ذرّہ ذرّہ) بنادیا، اور وہ بچھڑا ایک نہر کے کنارہ پر تھا (یعنی بچھڑے کے برادہ اور ذرّہ کو نہر میں ڈال دیا)۔اب جو بھی ان کی قوم میں کا بچھڑے کی عبادت کر چکا تھا اگر اس نہر کا پانی پیتا تو اس کا چہرہ ایسا ہی پیلا ہوجاتا جیسا کہ سونا پیلا ہوتا ہے۔اب ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: ہماری توبہ کا کیا طریقہ ہے؟ (یعنی ہم توبہ کس طرح کریں کہ ہمارا قصور معاف ہوجائے؟) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ایک دوسرے کو قتل کرو۔تو سب لوگوں نے چھری لی اور باپ بھائی کو قتل کرنے لگے اور اس بات کی پرواہ ہی نہیں رہی کہ کون کس کو قتل کر رہا ہے، یہاں تک کہ ستّر ہزار بنی اسرائیل قتل ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی، اب ہاتھ اٹھالیں یعنی قتل بند کریں کہ میں نے جو قتل ہوچکے ان کی مغفرت کردی اور جو زندہ بچے ہیں ان کی توبہ قبول کرلی۔ (اخرجہ الحاکم ۲/ ۳۷۹)

اس حدیث کی وضاحت کے لیے چند بنیادی باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

کوہِ طور اور موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چالیس روز کے لیے تشریف لے گئے ہیں، اور بنی اسرائیل کی دینی قیادت اور رشد و ہدایت کی نگرانی و ذمہ داری حضرت ہارون علیہ السلام پر تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک شخص سامری نام کا ہے، جو سامرہ مقام وجگہ کی طرف منسوب ہے، یا یہ کرمان کا رہنے والا منافق وکافر تھا، یا بنی اسرائیل کا کوئی سردار تھا، بیضاویؒ نے کہا کہ سامرہ بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ تھا، جس کی طرف سامری منسوب تھا، سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ (گلدستہ تفاسیر: ۴/ ۴۲۸)

سامری کی پرورش کا عجیب واقعہ

مشہور یہ ہے کہ سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب موسیٰ سامری پیدا ہوا تو فرعون کی طرف سے تمام اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا حکم جاری تھا، اس کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعونی سپاہی اس کو قتل کردیں گے، تو بچہ کو اپنے سامنے قتل ہوتا دیکھنے کی مصیبت سے بہتر سمجھا کہ اس کو جنگل کہ ایک غار میں رکھ کر اوپر سے بند کردیا، (کبھی کبھی اس کی خبر گیری کرتی ہوگی) ۔ادھر اللہ تبارک وتعالی نے جبریلؑ امین کو اس کی حفاظت اور غذا دینے پر مامور کردیا، وہ اپنی ایک انگلی پر شہد، ایک پر مکھن، ایک پر دودھ لاتے اور اس بچہ کو چٹا دیتے تھے، یہاں تک کہ یہ غار ہی میں پل کر بڑا ہوگیا، اور اس کا انجام یہ ہوا کہ کفر میں مبتلاء ہوا اور نبی اسرائیل کو مبتلاء کیا، پھر قہر الٰہی میں گرفتار ہوا، اسی مضمون کو کسی شاعر نے دو شعروں میں منضبط کیا ہے:

اذا المرء لم يُخلق سعيدا تحيّرت

عقول مربِّيهِ وخابَ المؤمل

فموسى الذى ربّاه جبريلٌ كافر

وموسى الذى ربّاه فرعون مرسل

ترجمہ: جب کوئی شخص اصل پیدائش میں نیک بخت نہ ہو تو اس کے پرورش کرنے والوں کی عقلیں بھی حیران رہ جاتی ہیں، اور اس سے امید کرنے والا محروم رہ جاتا ہے، دیکھو جس موسیٰ کو جبریلؑ امین نے پالا تھا وہ تو کافر ہوگیا، اور جس موسیٰ کو فرعون لعین نے پالا وہ اللہ کا رسول بن گیا۔ (معارف القرآن: ۱۳۵/۶)

زیوروں سے بچھڑا بنایا

سامری نے زیور گلا کر اور ڈھال کر بچھڑا بنایا، یہ زیور اصل میں فرعون کی قوم قبطیوں کا تھا، ان کے پاس سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا۔ (تفسیر عثمانی، گلدستہ تفاسیر: ۵۵۴/۲)

بعض علماء کہتے ہیں کہ فرعون اور اس کے ساتھی جب دریا میں ڈوب گئے تو دریا نے ان کا زیور باہر پھینک دیا، بنی اسرائیل نے بطور مال غنیمت اس کو لے لیا، لیکن مال غنیمت ان کے لیے جائز نہ تھا، اس لیے انہوں نے اس کو بوجھ ہی کہا۔ (مظہری، گلدستہ:۴/۴۲۸)

قرآن مجید میں ﴿اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ﴾ کہا ہے اور ''اوزار''، ''وزر'' کی جمع ہے۔ جس کے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں۔ انسان کے گناہ بھی چونکہ قیامت کے روز اس پر بوجھ بن کر لادیے جائیں گے، اس لیے گناہ کو وزر اور گناہوں کو اوزار کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل نے عید کا بہانا کر کے قوم قبط سے کچھ زیورات مستعار لے لیے تھے، جو بنی اسرائیل کے ساتھ تھے۔ اسی کو اوزار یعنی گناہوں کا بوجھ کہا گیا۔ کیوں کہ جو زیورات عاریۃً لیے تھے، حق تھا کہ واپس کر دیں، جو ابھی تک واپس نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان لوگوں کو اس کے گناہ ہونے پر متنبہ کیا، اور ایک گڑھے میں سب زیور ڈال دینے کا حکم دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ سامری نے اپنا مطلب نکالنے کے لیے، ان کو کہا کہ یہ زیورات دوسروں کا مال ہے، تمہارے لیے اس کا رکھنا وبال ہے، اس کے کہنے سے گڑھے میں ڈالے گئے۔ (گلدستہ تفاسیر:۴/۴۳۰)

وہ زیورات جو بنی اسرائیل کے پاس کافر حربی سے حاصل ہوئے تھے، وہ تو مباح الاصل تھے، پھر اس کو وزر کیوں کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار حربی کا مال لینا اگر چہ مسلمان کے لیے جائز ہے، مگر وہ مال بحکم مال غنیمت ہے، اور مال غنیمت کا استعمال پہلی شریعت میں اور اس سے نفع اٹھانا حلال و درست نہیں تھا، بلکہ مال غنیمت جمع کر کے، کسی ٹیلہ یا اونچی جگہ پر رکھ دیا جاتا، اور آسمانی آگ آ کر اس کو کھا جاتی، یہی علامت ان کے جہاد اور مال غنیمت کے قبول ہونے کی ہوتی تھی۔ اور جس مال غنیمت کو آسمانی آگ نہ کھائے تو یہ علامت ہوتی تھی کہ جہاد و مال غنیمت مقبول نہیں (مال غنیمت کی حلت ہماری شریعت میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت و رحمت ہے)۔ بہر حال اس قاعدہ کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا ہوا مال جو قوم فرعون سے لیا تھا، مال غنیمت ہی کے حکم میں قرار

دیا جائے، تب بھی اس کا استعمال ان کے لیے جائز نہیں تھا، اسی وجہ سے اس مال کو اوزار (گناہ) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کے حکم سے، اس کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ قرآن مجید میں فَقَذَفْنٰهَا، یعنی ہم نے ان زیوارت کو پھینک دیا، معلوم ہوا یہ عمل حضرت ہارون علیہ السلام کے حکم سے کیا گیا۔ اور بعض روایت میں ہے کہ سامری نے ان کو بہکا کر زیورات گڑھے میں ڈلوا دئے، اور دونوں باتیں جمع ہو جائیں، یہ بھی کوئی مستبعد نہیں (کہ سامری نے چالبازی کی نیت سے یہ کہا ہو تو حضرت ہارون کے حکم سے زیورات گڑھے میں ڈالے گئے ہوں، واللہ اعلم۔) (گلدستہ تفاسیر: ۴/۴۳۰)

حضرت قتادہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ بچھڑا سامری نے بنایا تھا، اور حضرت جبریل علیہ السلام کے نشان قدم کی خاک اس کے منہ میں ڈال دی تھی، جس کی وجہ سے وہ گوشت اور خون والا جسم بن گیا۔
(تفسیر مظہری، گلدستہ تفاسیر: ۲/۵۵۲)

سامری کی چالاکی وچالبازی

حضرت ہارون علیہ السلام نے جب نبی اسرائیل کہ سب زیورات گڑھے میں ڈلوا دیے، اور اس میں آگ جلوادی کہ سب زیورات پگھل کر ایک جسم ہو جائے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد اس کا معاملہ طے کیا جائے گا کہ کیا کیا جائے؟ جب سب لوگ اپنے اپنے زیورات اس میں ڈال چکے تو سامری بھی مٹھی بند کیے ہوئے پہنچا اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میں بھی ڈال دوں؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ اس کے ہاتھ میں بھی کوئی زیور ہوگا۔ فرمایا کہ ڈال دو، اس وقت سامری نے حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا میں جب ڈالوں گا کہ آپ یہ دعا کریں کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ پورا ہو جائے۔ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا نفاق وکفر معلوم نہیں تھا، دعاء کردی۔ اب جو اس نے اپنے ہاتھ سے ڈالا تو زیور کے بجائے مٹی تھی، جس کو اس نے جبریلؑ امین کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے، کہیں یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر اُٹھا

لیا تھا کہ جس جگہ اس کا قدم پڑتا ہے، وہی مٹی میں نشو ونما اور آثار حیات پیدا ہو جاتے ہیں، جس سے اس نے سمجھا کہ اس مٹی میں آثار حیات رکھے ہوئے ہیں۔ شیطان نے اس کو اس پر آمادہ کر دیا کہ یہ اس کے ذریعہ ایک بچھڑا زندہ کر کے دکھلا وے، بہر حال اس مٹی کا ذاتی اثر ہو یا حضرت ہارون علیہ السلام کی دعا کا، کہ یہ سونے چاندی کا پگھلا ہوا ذخیرہ اس مٹی کے ڈالنے اور ہارون علیہ السلام کے دعا کرنے کے ساتھ ایک زندہ بچھڑا بن کر بولنے لگا۔ جن روایات میں ہے کہ سامری ہی نے نبی اسرائیل کو زیورات اس گڑھے میں ڈالنے کا مشورہ دیا تھا، ان میں یہ بھی ہے کہ اس نے زیورات کو پگھلا کر ایک بچھڑے کی مورت تیار کر لی تھی، مگر اس میں کوئی زندگی نہیں تھی، پھر جبریلؑ امین کے نشان قدم کی مٹی ڈالنے کے بعد اس میں حیات پیدا ہوگئی۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ محض ایک جسد اور جسم تھا، زندگی اس میں نہیں تھی، اور آواز بھی ایک خاص صفت کے سبب اس سے نکلتی تھی۔

(معارف القرآن، گلدستہ: ۴/۴۳۰)

قوم کی بے عقلی اور حماقت

جب سامری نے بچھڑا بنا کر کھڑا کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ دیکھو تمہارا الٰہ ومعبود یہ ہے، جو بچھڑا کی شکل میں العیاذ باللہ نمودار ہوا ہے، اور تمہارے پاس ہے، اور موسیٰ اللہ کو کوہ طور پر ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ احمق اور بے وقوف قوم نے یہ نہ سونچا کہ اللہ عز وجل کو چھوڑ کر ایسے جانور جو حماقت میں ضرب المثل ہے، اس کی بھی محض ایک تصویر و مجسمہ کو اپنا الٰہ بنالیا، بیل حماقت میں ضرب المثل ہے، اور بیل کا بچہ تو بیل سے بھی کم ہے۔ اسی لیے وہ بے شعوری اور بے عقلی میں اس سے بھی بڑھا ہوا ہے، مگر قوم کی عقل ماری گئی تھی، جس کی قیادت سامری کر رہا تھا۔ الغرض جب سامری کی یہ حیرت انگیز شیطانی ایجاد سامنے آئی تو اس نے بنی اسرائیل کو اس کفر کی دعوت دینا شروع کر دی کہ (العیاذ باللہ) یہی الٰہ ومعبود ہے، موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالی سے باتیں کرنے کے لیے کوہ طور پر گئے ہیں، اور اللہ تعالی (معاذ اللہ) خود یہاں آگئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہوگئی، ھٰذَا اِلٰھُكُمْ وَاِلٰهُ

مُـوسٰی فَنَسِیَ ، یہ تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ (علیہ السلام) کا بھی ، یہ موسیٰ کی بھول ہے کہ اپنے پاس کے الہ کو چھوڑ کر کسی بن دیکھے الہ کو تلاش کرنے پہاڑ کی چوٹی پر گیا ہے، نبی اسرائیل میں سامری کی بات پہلے سے مانی جاتی تھی، اوراس وقت تو یہ شعبدہ بھی اس نے دکھلایا، تو اور بھی معتقد ہو گئے، اوراسی گائے کی شکل کو الٰہ سمجھ کر اس کی عبادت میں لگ گئے

(ماخوذ از معارف القرآن کاندھلویؒ:۱/۱۸۱، ومعارف القرآن مفتی شفیعؒ)

بنی اسرائیل کے تین گروہ اوران کی توبہ

جب بنی اسرائیل نے سامری کے اغواء سے گؤ سالہ کی پرستش وعبادت شروع کر دی تو بنی اسرائیل میں تین گروہ ہو گئے ۔ایک حضرت ہارون علیہ السلام اوران کے متبعین کا کہ خود بھی اس سے علیحدہ رہے، اور دوسروں کو بھی منع کیا۔ دوسرا فریق سامری اوراس کے متبعین کا، جنہوں نے گؤ سالہ کو سجدہ کیا۔تیسرا فریق ساکتین کا کہ نہ خود گوسالہ پرستی کی اور نہ دوسروں کو منع کیا، یعنی خود تو بچھڑا کو سجدہ نہ کیا، مگر دوسروں کو اس حماقت سے روکا بھی نہیں۔ پہلے گروہ وفریق کو توبہ کی حاجت نہ تھی ، کہ وہ اس حماقت سے دور رہے۔تیسرے فریق کو توبہ کا حکم اس طرح ہوا کہ وہ دوسرے فریق یعنی سامری اوراس کے متبعین اور مرتدین کو قتل کریں، تا کہ دوسرے فریق مرتدین کی توبہ ہو جائے ۔اور قتل سے تیسرے فریق ساکتین کی توبہ ہو جائے (یعنی مجرمین ومرتدین کی توبہ مقتول ہو جانا تھا، اور تیسرے فریق ساکتین کی توبہ قتل کرنا تھا)۔اس لیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض تھا، اس سے سکوت اور خاموشی کیسے جائز تھا؟! اس لیے اس سکوت اور خاموشی کی توبہ یہ ہے کہ تم ان خویش واقارب اوراحباب ومخلصین کو کہ جو گؤ سالہ پرستی کی وجہ سے مرتد ہو گئے ہیں ان کو اپنے ہاتھ سے قتل کرو، یہی تمہاری توبہ ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے **فاقتلوا انفسکم** اور مارڈالوا اپنی اپنی جان۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ:۱/۱۸۲)

توبہ کے لیے قتلِ نفس کا حکم الٰہی

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہماری شریعت میں قاتلِ عمد کی توبہ کی تکمیل ،تمیم کی لیے یہ ضروری ہے، کہ قاتل اپنے کو اولیاء مقتول کے سپرد کردے، کہ چاہیں قتل کریں اور چاہیں معاف کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیؑ پر وحی نازل فرمائی کہ مرتدین کی توبہ جب مکمل ہوگی کہ جب وہ اپنے کو قتل کی لیے سپرد کردیں۔ (تفسیر کبیر)

یہی تمہارے لیے ہر طرح سے بہتر اور نافع ہے تمہارے خلاق کے نزدیک۔ جب تم نے اللہ کے حکم کے دل و جان سے تعمیل کی تو اللہ نے تم پر توجہ فرمائی اور تمہاری توبہ قبول کی۔ اگرچہ تمہارا جرم فرعون سے زیادہ سخت تھا اس لیے کہ وہ ابتداء ہی سے کافر تھا اور تم نے ایمان کے بعد کفر کیا اور مرتد ہوئے۔ دین الٰہی کی بے حرمتی اور آبروریزی کی، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے، اور بڑا ہی مہربان ہے۔ کہ ایک ایک گھڑی کی تکلیف برداشت کر لینے ہر ہمیشہ کی عزت اور کرامت عطاء فرماتا ہے، وہ حیات جسکی حقیقت لہو ولعب سے زائد نہیں۔ ایسی حیات لیکر حیات سرمدی اور ابدی سے سرفراز فرماتا ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنچہ در و ہمت نیاید آں دھد

(معارف کاندھلوی، ج۱، ص۱۸۴)

مرتدین کے قتل کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ بارہ ہزار بنی اسرائیل جنھوں نے گوٗ سالہ پرستی نہ کی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تھے ان کو شمشیر برہنہ ساتھ لیکر جائیں اور مرتدین کا قتل کریں۔ چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ایک بلند مکان کی چھت پر چڑھ کر آواز لگایا۔

یَا مَعْشَرَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِنَّ اِخْوَانَکُمْ اَتَوْکُمْ سَاهِرِیْنَ سَیُوْفِهِمْ یُرِیْدُوْنَ

اَنْ يَّقْتُلُوْكُمْ فَاتَّقُو اللّٰهَ وَ اصْبِرُوْا .

ترجمہ: اے بنی اسرائیل کے گروہ تمہارے بھائی اپنی تلواریں ننگی سوتے ہوئے آئے ہیں، تاکہ (تمہاری اور اپنی توبہ کی قبولیت کے لیے) تمہیں قتل کریں، تو تم لوگ اللہ سے ڈرو (کہ اس سے منہ نہ موڑنا اور جان کی قربانی میں دریغ نہ کرنا) اور صبر کرو (کہ ثابت قدم رہنا اور اس کڑوے گھونٹ کو توبہ کی قبولیت کے لیے بصد شوق و رغبت پی لینا)۔

جب بنی اسرائیل کو یہ پیغام الٰہی سنایا، تو سب نے کہا ہم دل و جان سے اپنے مولیٰ کے حکم پر راضی ہیں، چناں چہ سب ایک میدان میں جمع ہوگئے، جن لوگوں نے گؤ سالہ پرستی نہیں کی تھی، خنجروں اور تلواروں سے گوسالہ پرستی کرنے والوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ، عبداللہ بن عباسؓ، سعید بن جبیرؓ، حسن بصریؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ اور ابوالعالیہؒ وغیرہم سے مروی ہے۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ جن جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی، ان کو اپنے گھروں سے باہر دروازہ پر نہتے ہوکر بیٹھنے کا حکم ہوا، اس طرح کہ اپنے سروں کو جھکا کر اپنے زانوں پر رکھ لیں اور جنھوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی ان کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تلوار لے کر نکلنے کا حکم ہوا، تاکہ یہ ان پرستش کرنے والوں کو قتل کریں، اب چونکہ قتل ہونے والوں میں قتل کرنے والوں کے باپ بھائی، بھتیجے، بھانجے عزیز و دوست تھے، اس لیے قتل کرنے میں ان کو طبعی شفقت کے باعث تردد ہوا، اور ہاتھ رکا، یعنی جب امتثال امر الٰہی کے لیے تلوار اٹھائی تو فرط محبت و شفقت کی وجہ سے تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی، اور حق تعالی کے حکم کی تعمیل نہ ہوسکی، سب نے حضرت موسیٰؑ علیہ السلام سے عرض کیا، یا نبی اللہ اب ہم کیا کریں، ہم تو مغلوب ہوگئے۔ اس وقت حق تعالی نے آسمان سے ایک ابر سیاہ بھیجا، یا سیاہ غبار بھیج دیا، جس سے ایسی تاریکی اور اندھیری چھا گئی کہ کوئی کسی کو دیکھ نہ سکتا تھا، اور نہ کسی کی شناخت ہوسکتی تھی۔ کئی روز تک یہ قتل کا سلسلہ چلتا رہا، صبح و شام تک برابر قتل کرتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ مقتولین کی تعداد

ستر ہزار تھی، جب ستر ہزار آدمی قتل ہوئے بنی اسرائیل کی عورتیں بچے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فریاد کرنے لگے تو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام ننگے سر ہوکر اللہ تعالی سے نہایت تضرع اور ابتہال کے ساتھ بارگاہ ارحم الراحمین میں عفو درگزر کی درخواست کی حق تعالی نے دعا قبول فرمائی، اور حکم الٰہی آیا کہ اچھا ہم نے سب کی توبہ قبول کر لی، جو مارا گیا اس نے مرتبہ شہادت پایا، اور جو زندہ رہا، وہ گناہوں سے پاک ہوا اور جہاد کا ثواب دیا۔ اس طرح آپس میں باپ، بیٹوں اور بھائیوں میں قتل وخون موقوف ہوا، اور اللہ توّاب رحیم نے ساری قوم کو اس گوسالہ پرستی کے جرم عظیم سے معاف فرمایا۔ (گلدستہ تفاسیر باختصار: ۱/۱۴۳)

آخری بات

اندھوں کو اتنی موٹی بات بھی نہیں سوجھی کہ جو مورتی نہ کسی سے بات کر سکے نہ کسی کو ادنی ترین نفع ونقصان پہونچانے کا اختیار رکھے، وہ معبود یا الہ کس طرح بن سکتی ہے۔
(تفسیر عثمانی)

کلام ربانی اور وحی رحمانی کا اعلان یہ بھی ہے کہ صفت کلام سے محروم ہونا بھی بہت بڑا نقص ہے، شرمناک عیب ہے۔ ناممکن ہے کہ معبود برحق ہو اور کلام نہ کر سکے۔ اور ان سے زیادہ بدعقل اور کج فہم کوئی نہیں ہوسکتا ہے، جو کسی ایسے کو معبود تصور کرلیں جو کلام نہ کر سکے، پکارنے والے اور گفتگو کرنے والوں کو بات کا جواب نہ دے سکے۔ الغرض کسی جسم سے آواز نکلنا کوئی کمال نہیں، اصل چیز ہے کلام کرسکنا، سائل کو جواب دینا، مضطر کو مطمئن بنانا، گم گشتگان راہ کو راستہ بتانا، نفع ونقصان کا خالق ومالک ہونا۔
(از افادات شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ، گلدستہ: ۴/۴۳۱)

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ، آمَنْتُ بِاللّٰهِ، لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، رَبِّىَ اللّٰهُ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ.

باب : أَنَا أَكْرَمُ وَ أَعْظَمُ عَفْوًا مِنْ أَنْ أَسْتُرَ عَلٰى عَبْدٍ

باب: میں نہایت ہی کریم ہوں، پردہ پوشی کے بعد بندہ کو رُسوا کرنا میری شان نہیں

(۵۳۵) للحکیم عن الحسن مرسلاً، وللعقیلی عن أنس رضی اللہ عنہ:

”قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنَا أَكْرَمُ وَ أَعْظَمُ عَفْوًا مِنْ أَنْ أَسْتُرَ عَلٰى عَبْدٍ مُسْلِمٍ فِي الدُّنْيَا، ثُمَّ أُفْضِحُهُ بَعْدَ إِذْ سَتَرْتُهُ وَ لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لِعَبْدِىْ مَا اسْتَغْفَرَنِىْ.“

[ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ٤ /١٠٢١٥)

اللہ پاک ہی معاف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں

(۵۳۵) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ نے فرمایا: میں نہایت ہی کریم اور بلند وعظیم ہوں کہ بندۂ مسلم کی دنیا میں پردہ پوشی کروں اور پھر آخرت میں پوشیدہ گناہوں کی وجہ سے رسوا کروں (یہ بات مجھے پسند نہیں کہ دنیا میں بندے کی ستر پوشی کروں، پھر آخرت میں اس کے گناہوں کو ظاہر کرکے اس کو رسوا کروں) اور جب تک میرا بندہ مجھ سے مغفرت مانگتا رہے گا میں اس کی مغفرت کرتا رہوں گا۔

مغفرت ومعافی کا مفہوم

حق جل مجدہ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی بندۂ مسلم پر حق تعالیٰ اس کے گناہ کی پردہ پوشی کر چکا ہے، تو پھر قیامت کے دن یہ بات حق تعالیٰ کے شایان شان نہیں کہ دوبارہ اس شخص کو رسوا کرے؛ کیوں کہ حق جل مجدہ صاحب کرم اور صاحب قدرت ہیں یعنی سزا دینے پر قادر تو ہیں؛ مگر ایک دفعہ عفو وکرم کا معاملہ کرنے کے بعد پھر دوبارہ اس کی شان کریمی ورحیمی انتقام ورسوائی کے درپے نہیں ہوتی۔ جہاں کہیں ”عفو“ کا لفظ احادیث میں آیا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ کراماً کاتبین کے دفتر سے ہی ذنب وگناہ کو محو کردیا جائے گا، مٹادیا جائے گا اور قیامت کے دن اس پر مطالبہ ومناقشہ ہی نہ ہوگا، اس کے علاوہ جس بندے کے ساتھ عفو کا معاملہ کیا جائے گا اس کے دل سے بھی اس گناہ کی خجالت و

شرمندگی کے آثار بھلا دیے جائیں گے؛ تا کہ وہاں ندامت وخجالت نہ ہو اور کرم بالائے عفوو رحم! یہ ہوگا کہ ہر بدی و گناہ کی جگہ ایک ایک نیکی لکھ دی جائے گی۔ اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُکَ الْعَفُوَ إِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ لفظ ''عفوومعافی'' اور ''مغفرت'' میں فرق ہے:

'مغفرت' کا مطلب یہ ہے کہ گناہ پر پردہ ڈال دیا جائے اور 'عفوومعافی' کا مطلب ہے کہ گناہ کو محو کر دیا جائے، مٹا دیا جائے۔ یعنی 'مغفرت' میں گناہ کی جگہ نیکی نہیں ملے گی، بندہ عذاب وعقاب، گرفت و پکڑ سے بچ جائے گا اور 'عفو' میں 'سیئات' مبدل بہ حسنات ہوں گے۔ غالبًا اسی حکمت کے پیش نظر شبِ قدر کی مخصوص دعا میں 'عفو' کا لفظ آیا ہے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَاعْفُ عَنِّی، وأسئَلُکَ الْعَفُوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ الدُّنْیَا وَالآخِرَةَ إِنَّکَ أَنْتَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ.

باب : إِنِّیْ لَأَجِدُنی أَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِیْ یَرْفَعُ ......

باب: جب میرے سامنے ہاتھ پھیلا دے تو مجھے شرم آتی ہے کہ خالی واپس کروں

(٥٣٦) للحکیم عن أنس رضی اللہ عنہ:

''یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: إِنِّیْ لأجِدُنی اَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِیْ، یَرْفَعُ یَدَیْهِ إِلَیَّ ثُمَّ أَرُدُّهُمَا، قَالَتِ الْمَلَائِکَةُ: إِلٰهُنَا لَیْسَ لِذٰلِکَ بِأَهْلٍ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: لٰکِنِّیْ أَهْلُ التَّقْوٰی وَ أَهْلُ الْمَغْفِرَةِ أُشْهِدُکُمْ أَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُ.''

[ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ۲/۳۱۶۸)

اہلِ تقویٰ واہلِ مغفرۃ حق جل مجدہ کی ذات ہے

(۵۳۶) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حق جل مجدہ فرماتے ہیں، مجھے اس بندے سے شرم آتی ہے جو میری جانب ہاتھ پھیلائے دعا کے لیے اور میں اس کے دونوں ہاتھوں کو (خالی) واپس کر دوں، فرشتے عرض کرتے ہیں: معبود یہ بندہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اس کو عطا کیا جائے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ اہل نہیں ہے؛ مگر میں اہل

التقویٰ واہل المغفرۃ ہوں (یعنی ڈرنے کے لائق صرف اللہ پاک کی ذات ہے اور وہی بخشنے کے لائق بھی ہے) میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس بندہ کی مغفرت کردی۔

وہ نااہل ہے مگر میں بخشنے والا ہوں

حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے کی ایک شکل دعا ہے۔ بے شمار آیات واحادیث فضیلت دعا میں آئی ہیں اور علماء نے مستقل اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ بہر حال حدیث پاک میں آیا ہے کہ بندہ جب اللہ پاک کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتا ہے تو اللہ پاک کی شان سے بعید ہے کہ اس کو خالی ہاتھ واپس کردے اور اس قرب کو شرم وحیا سے واضح کیا گیا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ: ہمارے معبود، یہ تو اس کا مستحق نہ تھا کہ اس کو کچھ دیا جائے، تو اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: وہ مستحق نہ تھا؛ مگر میری شان کریمی ورحیمی کے خلاف ہے کہ سائل کو واپس کردیا جائے۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب بندہ دعا کرتا ہے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ جو مانگا مل گیا کبھی اس دعا کے بدلہ میں کوئی بلا وآفت آنے والی کو ٹال دیا جاتا ہے اور کبھی دعا کو قیامت کے دن کے لیے محفوظ رکھ لیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن جب دعاؤں کے ذخیرے سے اجر وثواب ملے گا، توانسان تمنا کرے گا کہ کاش میری ایک بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی، ایک حدیث میں آیا کہ 'لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ' تقدیر کو دعا بدل دیتی ہے، مگر دعا کے آداب میں ہے کہ حرام چیز نہ مانگی جائے، قطع رحمی کی دعاء نہ کی جائے اللہ پاک کی مشیت پر موقوف نہ کی جائے۔ بلکہ اپنا عجز وافتقار اور حاجت کو تضرع کے ساتھ پیش کردے۔

باب : إِنَّ رَجُلًا لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ نَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ ......

باب: ایک آدمی جس نے کوئی نیکی نہیں کی تھی آسمان کو دیکھا

(۵۳۷) ذكره الغزالیؒ فی الإحياء:

"قَالَ ﷺ: إِنَّ رَجُلًا لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ، نَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ : إِنَّ لِيُ

رَبًّا. يَا رَبِّ فَاغْفِرْ لِیْ . فَقَالَ اللّٰهُ عَزّوَجَلَّ :قَدْ غَفَرْتُ لَکَ."

[ضعیف جداً](کما فی الأحیاء ج ۱ ص ۳۱۲ کتاب الاذکار والدعوات فی فضیلة الاستغفار)

آسمان دیکھ کر کہا، میرا رب ضرور ہے، اس کی مغفرت ہوگئی

(۵۳۷) ترجمہ: احیاء العلوم میں غزالیؒ نے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی، ایک دفعہ آسمان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا: یقیناً میرا ایک رب ہے۔ یارب فاغفرلی۔ اے رب میری مغفرت کردے تو اللہ عزوجل نے فرمایا: میں نے تیری مغفرت کردی۔ (احیاء العلوم ۱/۳۱۲)

بَابٌ لِلدَّيْلَمِيِّ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَ هُوَ مِنْ مَظَانِّ الضَّعِيْفِ:

فِيْ تَوْبَةِ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ وَ سِعَةِ مَغْفِرَتِهٖ وَ رَحْمَتِهٖ

باب: حق تعالیٰ کا بندے پر متوجہ ہونا اور رحمت ومغفرت کی وسعت

(۵۳۸) للدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ:

"يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا ابْنَ آدَمَ! أَمَرْتُکَ فَتَوَانَيْتَ، وَ نَهَيْتُکَ فَتَمَادَيْتَ، وَ سَتَرْتُ عَلَيْکَ فَفَجَرْتَ وَ أَعْرَضْتُ عَنْکَ فَمَا بَالَيْتَ يَا مَنْ إِذَا مَرِضَ شَکَا وَ بَکٰى! وَ إِذَا عُوْفِيَ تَمَرَّدَ وَ عَصٰى ، يَا مَنْ إِذَا دَعَاهُ الْعَبِيْدُ عَدَا وَ لَبّٰى وَ إِذَا عُوْفِيَ تَمَرَّدَ أَعْرَضَ وَ نَأَى وَ إِنْ سَأَلْتَنِيْ أَعْطَيْتُکَ وَ إِنْ دَعَوْتَنِيْ أَجَبْتُکَ وَ إِنْ مَرِضْتَ شَفَيْتُکَ وَ إِنْ سَلِمْتَ رَزَقْتُکَ وَ إِنْ أَقْبَلْتَ قَبِلْتُکَ وَ إِنْ تُبْتَ غَفَرْتُ لَکَ وَ أَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ."

[ضعیف] (کما فی کنزالعمال، ۱۵/۴۳۶۱۶)

بندوں کے گناہوں پر اللہ پاک پردہ ڈالتے ہیں
پھر بھی بندے گناہ پر جرأت کرتے ہیں

(۵۳۸) ترجمہ: حق جل مجدہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! میں نے تم کو حکم دیا،

تو تو نے پس پشت ڈال دیا اور میں نے گناہوں سے روکا تو تم نے حدود کو توڑ کر معصیت کا ارتکاب کیا اور تیرے گناہ پر محض فضل وکرم سے پردہ ڈالا تو تم نے اور بھی بڑھ کر معصیت پر جرأت کی اور میں نے تجھ سے اعراض کیا (کہ تجھ پر حالات ڈال دیے کہ توجہ الی اللہ پیدا ہو، فکر آخرت آئے، توبہ وانابت کی شان تیرے اندر آئے) پھر بھی تم نے پروا نہ کی پس افسوس! اس شخص پر جو بیمار ہوا تو شکوے شروع کر دیا اور رونے لگا اور جب عافیت وصحت دے دی تو سرکشی پر اتر آیا اور معصیت شروع کر دی، افسوس! اس شخص پر کہ جب اس کو کوئی بندہ بلائے تو بھاگا ہوا جائے، اور لبیک، لبیک، حاضر ہوں، حاضر ہوں، کہتا ہوا پہنچ جائے۔ اور ربّ جلیل پکارے تو اعراض کرے، منہ موڑ لے، بے التفاتی کرے، رخ بدل لے، بھاگ جائے، انکار کرے۔ حالانکہ میری شان کریمی ہے کہ اگر تو سوال کرے تو عطا کروں اگر تو دعا کرے پکارے، تو دعا قبول کروں، پکار کا جواب دوں جب تو بیمار ہوا تو شفا دیا، جب تو نے رزق مانگا تجھے رزق دیا جب بھی تو میری طرف متوجہ ہوا میں نے فوراً تیری طرف توجہ کی جب تو نے توبہ کیا فوراً تیری توبہ قبول کر کے مغفرت کر دی اور میں ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحیم، بخشنے والا ہوں۔

حق جل مجدہ کی رحمت اور انسان کی غفلت کا عجیب المیہ

انسانی غفلت کا یہ عجیب عبرت ناک وحیرت ناک المیہ ہے کہ قدرت رحمت کا سایہ ڈالتی ہے، عفو وتسامح کا باب مغفرت کھولتی ہے، جود وکرم کا مظاہرہ کرتی ہے، اپنے بندوں کو آغوشِ رحمت میں لے کر عنایات وعطیات کا فیضان کر کے اپنے فضل وکرم کو اجاگر کرنا چاہتی ہے، افسوس کہ ربّ ذوالجلال اپنے بندوں کو بلائے اور بندہ راہِ فرار اختیار کرے، اوامر کی طرف بلانا، اطاعت کی راہ بتلانا، شریعت کی روشن نہج کو سکھلانا، سنت کی عملی شہادت پیش کر کے اتباع کی دعوت دینا، سبل السلام کی شاہِ راہ کو آیات بیّنات میں دلائل وبراہین کے ساتھ واضح کرنا، اصحاب الجنّۃ کی صفات وخصائل کو بیان کرنا، متقین ومخلصین کے اعمال حسنہ کو اجاگر کرنا، ابرار واخیار کے احوال واطوار حمیدہ کو سنانا، یہ سب کیا ہے؟ یہ

ہی تو وہ نداءِ ربّانی اور دعوتِ خیر کا اسلوب رحمانی ہے، جس کو فطرت سلیم دل کے کان سے سن کر اور بصیرت کی آنکھ سے دیکھ کر شعور و وجدان سے سرِ تسلیم خم کر کے حق تعالیٰ کی طرف چل پڑتی ہے اور پھر رحمت بھی اس کو دامن میں چھپا لیتی ہے یہ تو اول درجہ کے عباد الرحمٰن کی صفات ہیں، حدیث میں ان لوگوں کی بات کہی جا رہی ہے جو حق تعالیٰ کے امر کو توڑتے ہیں، منہیات کو بجالاتے ہیں، اطاعت کے بجائے بغاوت کرتے ہیں، شریعت کی جگہ طبیعت کے غلام ہیں، اتباعِ سنت کی جگہ خواہش نفس کے رسیلے ہیں، سبل السلام کے بجائے سبل الشیطان کی راہ چل رہے ہیں، متقین ومخلصین کی راہ سے گریز کر کے مترفین کے نہج پر زندگی بسر کر رہے ہیں، ابرار واخیار کی صحبت کے بجائے اشرار کی مجالس کے مکین ہیں، حق جل مجدہ ان سے مخاطب ہیں کہ جب بیمار پڑتے ہیں تو پھر گلے شکوے شروع کر دیتے ہیں، اور جب بیماری سے صحت ونجات مل جاتی ہے تو پھر وہی راہ بغاوت و معصیت، کیا حق تعالیٰ کا حق یہی ہے کہ بیماری میں شکوے شکایات اور جزع وفزع کیا جائے یا صبر وانابت، تضرع واطاعت کی جائے اور صحت و عافیت میں شکر وعبادت، اور اطاعت واستقامت کو لازم جانا جائے یا معصیت کی راہ چلا جائے، الغرض نہ تو بیماری میں اللہ کو خوش رکھتا ہے نہ ہی صحت وسلامتی میں حق جل مجدہ کو راضی رکھتا ہے، افسوس کہ جب کوئی مخلوق اس کو آواز دیتی ہے تو فوراً لبیک کہہ کر اچھلتا کودتا پہنچ جاتا ہے، اور جب حق تعالیٰ اطاعت وعبادت کی طرف بلاتے ہیں، تو نافرمانیاں کرتا ہے۔ عافیت وفراغت کو حق تعالیٰ کی سرکشی واعراض میں گزار دیتا ہے، منہ موڑ کر بیگانہ بنتا ہے، کیا ربّ کریم کے احسانات کے صلہ میں بندے کو یہ زیب دیتا ہے؟

جبکہ ارحم الراحمین کا معاملہ بندہ کے ساتھ نہایت ہی غیر معمولی کریمانہ ومشفقانہ ہے، کہ بندہ جب دست سوال پھیلاتا ہے تو دامن بھر دیتا ہے۔ جب حق تعالیٰ کو پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے، جب بیمار پڑتا ہے تو شفا وصحت دیتا ہے، اس کو ہر حال میں روزی پہنچاتا ہے، اور جب توبہ کرتا ہے تو اس کی خطاء کو معاف کر کے مغفرت کا

پروانہ عطا کرتا ہے، حق جل مجدہ فرماتے ہیں میں توّاب ہوں، بندہ کے اوپر توبہ کا افاضہ کرتا ہوں پھر بندہ توبہ کرتا ہے، رحیم ہوں کہ بخش دیتا ہوں، بندہ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کی قدر کرے، صحت کی قدر عبادت واطاعت سے کرے، راحت وعافیت کی قدر ذکر ومناجات سے کرے، جس کا کھائے اسی کا گائے، شکر وحمد کا خوگر رہے اپنے رب کا مطیع وفرماں بردار بن کر زندگی گزارے۔

شکر کی حقیقت شکر سے عجز کا اعتراف کرنا ہے

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو منعمِ حقیقی کی رضا میں صرف کیا جائے۔ بعض کے نزدیک شکر کی حقیقت شکر سے عجز کا ظاہر کرنا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بارگاہ ربّ العزّت میں عرض کرتے تھے باری تعالیٰ آپ نے مجھے سینکڑوں نعمتیں عطا فرمائیں۔ اور مجھے آپ نے ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا حکم فرمایا، مگر اے میرے مولیٰ! میرا کسی نعمت پر شکر ادا کرنا یہ بھی تو تیری ہی نعمت ہے۔ ارشاد ہوا، موسیٰ تم بڑے عالم ہو۔ تم سے زیادہ اس زمانے میں کسی کا علم نہیں، یاد رکھو، میرے بندہ کا شکر اتنا ہی کافی ہے کہ وہ یہ اعتقاد و یقین رکھے کہ جو نعمت بھی ملی ہوئی ہے۔ وہ سب کی سب محض فضل الٰہی سے ملی ہے۔ (تفسیر مظہری، گلدستہ۔ ج۱،ص۱۴۲)

ہر شکر مستقل ایک نعمت ہے، پھر کب ممکن ہے کے بندہ حق تعالیٰ کا شکر ادا کردے۔ بس محض اعتراف کرلے کہ ہم سے شکر بھی ادا نہ ہوسکے گا۔ بارگاہ ربّ العزّت میں یہی عجز و اعتراف شکر شمار ہوجائے گا۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِکَ الشَّاکِرِیْنَ وَ الصَّالِحِیْنَ. آمین!

تو اگر گناہ کا عادی ہے، تو میں مغفرت کا عادی ہوں

(۵۳۹) وللدیلمی والخطیب وابن عساکر عن جابر رضی اللہ عنہ:

مَرَّ رَجُلٌ مِمَّنْ کَانَ قَبْلُکُم بِجَمْجَمَۃٍ فَنَظَرَ اِلَیْھَا فَحَدَّثَ نَفْسَہُ بِشَیْءٍ

فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ أَنْتَ وَ أَنَا أَنَا. أَنْتَ الْعَوَّادُ بِالْمَغْفِرَةِ وَ أَنَا الْعَوَّادُ بِالذُّنُوْبِ فَاغْفِرْلِيْ، وَخَرَّ عَلٰى جَبْهَتِهِ سَاجِدًا فَنُوْدِيَ: اِرْفَعْ رَأْسَكَ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَوَّادُ بِالذُّنُوْبِ وَ أَنَا الْعَوَّادُ بِالْمَغْفِرَةِ، قَدْ غَفَرْتُ لَكَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ وَ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ. "

[ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ٤/١٠٢٧٦)

(۵۳۹) ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، پہلے زمانہ کے ایک آدمی کا گزر ایک انسانی کھوپڑی کے سامنے سے ہوا، تو اس کو دیکھا، پھر اس کے جی میں کچھ خیال آیا۔ بارگاہ ربّ العزّت میں عرض کیا: یا اللہ آپ تو آپ ہی ہیں اور میں، میں ہی ہوں (یعنی آپ کی شان مغفرت و رحمت تو سدا ودائمی ہے مغفرت کرکرکے بھی مغفرت کم نہیں ہوتی۔ اور میں میں ہی ہوں کہ توبہ کرتا ہوں اور ہر بار توبہ ٹوٹ جاتی ہے، پھر بھی توبہ کرنے آپ کے حضور آجاتا ہوں اور آپ توبہ قبول کرکے مایوس نہیں کرتے آپ کی شان میں کرم ہی کرم ہے کہ تو کریم ہے، رحم ہی رحم ہے کہ تو رحیم ہے۔ یا اللہ آپ بار بار مغفرت کرنے والے ہیں اور میں بار بار گناہ کا مرتکب ہوجاتا ہوں، بس میری مغفرت کردے اور سجدہ میں اپنی پیشانی ٹیک دی۔ حق تعالیٰ کی جانب سے اس کو آواز دی گئی اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ، اگر تو گناہ کا عادی ہے تو میں مغفرت کا عادی ہوں میں نے تیری مغفرت کردی۔ اس نے سر اٹھایا اور اللہ نے اس کی مغفرت کردی۔ (کنزالعمال ۴/۱۰۲۷۶)

شانِ کریمی کو رحم و کرم ہی زیب دیتی ہے

پہلے لوگوں میں ایک شخص انسانی کھوپڑی کے پاس سے گزرا تو اس کی نگاہ اس بے وقعت کھوپڑی پر پڑ گئی۔ آخر انسان تو انسان ہی ہے نہ کہ پتھر، اس کے دل میں نہ معلوم کیا کیا باتیں حدیث النفس بن کر آنے لگی ہوں گی کہ یہ جس کی کھوپڑی ہے کیسا تندرست و توانا جوان ہوگا، خوبصورت اور خوب رو ہوگا، زلفیں کروٹ لے رہی ہوں گی، سیاہ وخمدار بالوں کو سنوارتا ہوگا، لوگوں میں اپنی جوانی وتوانائی، قوت وصحت سے جانا جاتا ہوگا، اور آج دیکھو کہ اس کے جسم کا کوئی اتہ پتہ نہیں جن کا کلوں میں موج ومستی کے وقت انگلیاں پھیرتا

ہوگا آج نہ تو وہ کاکل ہیں نہ ہی وہ انگلیاں اور سر جس میں بے شمار جاہ وباہ کا خمار رہا ہوگا، کبر وغرور، نخوت وبڑائی کی شان رہی ہوگی آج سب کی سب خاک میں مل گئی اور بے حیثیت زمین پر بکھر گئی اس گزرنے والے شخص نے اپنے آنے والے دن کو یاد کر کے بارگاہ بے نیاز میں حاضری دی، اور بات کتنی سچی و پکی خوبصورتی اور سلیقگی سے کر رہا ہے کہ ربّ العزّت آپ تو آپ ہی ہیں، یعنی آپ کی شان رحمت ومغفرت، رحم وکرم، جود وسخا، عفو و درگزر، ستّاری وغفاری، ہر آن بلندی وبرتری کی ایک شان کے ساتھ ظہور پذیر ہے۔ آپ تو رب ہیں، بندہ کو بار بار ان گنت لاتعداد بار مغفرت کر کر کے اپنی صفت مغفرت کا ظہور کرتے ہیں، ظاہر سی بات ہے کہ کریم اپنی صفتِ کرم، رحیم اپنی صفتِ رحم، غفور اپنی صفتِ مغفرت، عفو اپنی صفتِ معافی سے کیوں کر جدا ہوسکتا ہے یہ صفات ذاتیہ حق جل مجدہ کی جناب سے وابستہ ہیں عارضی نہیں دائمی ہیں اور دوام پذیر ہیں، اس رحیم وکریم نے نبی ﷺ کو آیاتِ بینات میں واضح طور پر فرمایا کہ میرے بندوں کو باخبر کر دیں **انی انا الغفور رحیم** کہ میں غفور بھی ہوں یعنی گناہ ومعاصی کو معاف کر دوں گا، رحیم میں بھی ہوں کہ گناہ معاف کر کے رحم وکرم کی بارش کر دوں گا۔

اس شخص کو حکم ہوا سر اٹھالے اگر تو بار بار اپنی گندی عادت وخصلت کو نہیں چھوڑ سکتا ہے تو میں بھی اپنی صفات ذاتیہ دائمہ حمیدہ مغفرت ورحمت کو نہیں چھوڑ سکتا، برائی جو چھوڑنے کی چیز ہے جب تو باز نہیں آتا تو پھر میں الرحم الراحمین اپنی اچھی وپسندیدہ خوبیوں کو کیسے چھوڑ دوں، خوبیاں، بھلائیاں برائیوں کے مقابلہ میں اور زیادہ قوت وکثرت کے ساتھ پھیلائی جاتی ہیں گندگی کے ڈھیر پر اس کو چھپانے کے لیے زیادہ مقدار میں مٹی کی ضرورت پڑتی ہے جا میں نے تیری مغفرت کر دی۔ خوب! کیا گناہ ومعاصی رحمت حق کے مقابلہ میں شمار ہوسکتی ہیں؟ یاد رکھیں، خالق کی ہر صفت تصور وخیال سے بڑھ کر ہی نہیں، بلکہ خالق کی صفات مخلوق کے دائرہ وہم وگمان سے بلند وبالاتر ہیں۔

تم گناہ کر کے سو جاتے ہو اور میں حفاظت کرتا ہوں

(٥٤٠) للديلمي عن أبي هدبة عن أنس رضي الله عنه:

"يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ أَعْظَمُ مِنِّيْ جُوَادًا أَكْلَأُهُمْ فِيْ مَضَاجِعِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَمْ يَعْصُوْنِيْ وَ مِنْ كَرَمِيْ أَنْ أَقْبَلَ تَوْبَةَ التَّائِبِ حَتّٰى كَأَنَّهُ لَمْ يَزَلْ تَائِبًا. مَنْ ذَا الَّذِيْ يَقْرَعُ بَابِيْ فَلَمْ أَفْتَحْ لَهُ؟ مَنْ ذَا الَّذِيْ سَأَلَنِيْ فَلَمْ أُعْطِيَهِ؟ أَ بَخِيْلٌ أَنَا فَيُبَخِّلُنِيْ عَبْدِيْ." [ضعيف] (كما في كنز العمال، ١٠٢٩٦/٤)

(۵۴۰) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ فرماتے ہیں: مجھ سے بڑا سخی کون ہے؟ میں بندوں کی حفاظت ان کی خواب گاہوں میں کرتا ہوں، گویا کہ کبھی ان لوگوں نے میری معصیت ہی نہیں کی اور میرے کرم واحسان کو دیکھو کہ میں توبہ کرنے کی ہدایت دیتا ہوں، پھر میں توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہوں، پھر وہ مسلسل توبہ کرتا رہتا ہے، ایسا کون ہے؟ جس نے میرے باب رحمت کو دستک دی ہو اور میں نے دروازہ نہ کھولا ہو اور ایسا کون ہے جس نے دست سوال میرے سامنے پھیلایا ہو اور میں نے اس کے سوال کو پورا نہ کیا ہو؟ کیا میں بخیل ہوں؟ کہ میرا بندہ مجھ کو بخیل جانتا ہے (اور سوال کرنا مانگنا چھوڑ کر مایوس بن جاتا ہے اور مجھ سے بھلائی کی امید ترک کر دیتا ہے)۔

رحمتِ واسعہ کی شانِ عطا

حق جل مجدہ کی وسعت ورحمت اور جود وکرم کو سمجھنے کے لیے، مذکورہ حدیث، نقطہ آخر کا مقام رکھتی ہے۔ جس میں اللہ پاک نے ایک چیلنج کیا ہے کہ مجھ سے بڑا صاحبِ جود و کرم کون ہے کہ بندہ دن رات نہ معلوم کتنی معصیت و جرائم کا ارتکاب کرتا ہے اور حق تعالیٰ اس کو اس کی سرکشی ونافرمانی پر پکڑتے ہی نہیں، بلکہ جب وہ اپنی خواب گاہ میں سونے لگتا ہے تو قدرت حفاظت وحراست کرتی ہے، ورنہ تقاضاء جرم تو یہ تھا کہ زمین کو پھاڑ کر اس میں دھنسا دیا جاتا، مکان کی چھت کو گرا کر ہلاک کر دیا جاتا، حشرات الارض کو سوتے ہوئے میں مسلط کر کے شکل وصورت بگاڑ دی جاتی۔ مگر ربّ کریم ورحیم کی شان رحمت دیکھئے کہ اس کی

اس طرح حفاظت وحراست کرتے ہیں گویا کہ اس نے کبھی معصیت و گناہ کیا ہی نہیں اور کرم بالائے کرم یہ کہ توبہ وانابت کا جذبہ دل میں پیدا کر کے توبہ کراتی ہے اور پھر توبہ کو قبول کر کے تائبین کو جو ملتا ہے عطا کر دیتی ہے، گویا کہ ہمیشہ ہی توبہ کرنے والا تھا اور مکمل انابت واطاعت میں زندگی بسر کی تھی۔ پھر قربان جایئے ربّ العالمین وربی پر کہ بندہ کو کس قدر اپنی رحمت سے قریب کرنے کے لیے، اپنی ذات سے وابستہ کرنے کے لیے، اجنبیت و دوری کو ختم کرنے کے لیے، اپنی ذات سے قرب ومناسبت کے لیے، تعبیر و بیان کے انتہائی محبت و پیار کے کلمات کے ساتھ فرمایا۔کون ہے؟ جس نے میرے دروازہ کو دستک دی ہو،اور میں نے رحمت کا دروازہ نہ کھولا ہو۔ اور مدد ونصرت کی لیے بلایا ہو اور میں اس کی اعانت کی لیے نہ آیا ہوں، مجھ سے سرگوشی کی ہو اور میں نے نہ سنی ہو، مجھ سے فریاد کی ہو اور میں نے دادرسی نہ کی ہو، مجھ سے مانگا ہو اور میں نے اس کی جھولی نہ بھر دی ہو۔ اللّٰہ اکبر ،اللّٰہ الغنی، و لِلّٰہ الحمد۔

کیا میں بخیل ہوں؟ کیا میرے خزانۂ غیب میں کسی چیز کی کمی ہے؟ کیا میری ذات میں عظمت اور صفاتِ جود کرم کی کوئی انتہا وحد ہے۔کیا میں لیس کمثلہ شیء نہیں ہوں، پھر بندہ میرے جودکرم کو جان و پہچان کر سوال کرنا کیوں چھوڑ دیتا ہے؟ مانگنا کیوں موقوف کرتا ہے؟ میرے دروازہ پر دستک کیوں نہیں دیتا؟ مجھ سے اُمیدیں لگا کر کیوں نہیں مانگتا؟ مجھ سے خیر وبھلائی کی اُمید کیوں نہیں رکھتا؟ کیا میں غنی نہیں ہوں؟ کیا میں حمید نہیں ہوں؟ کیا میری ذات منبع وجود عالم نہیں؟ کیا میرا حکم ہر شئے کے وجود کے لیے کلمہ ''کن'' نہیں،قبل اس کے کہ کاف نون سے مل کر ''کن'' بنے، کیا میں اس چیز کو وجود نہیں بخشتا جس کا ارادہ کروں؟ پھر میرا بندہ مجھ سے کیوں اعراض کرتا ہے؟ مجھ سے کیوں بھاگتا ہے۔

اللّٰھُمَّ اِنّیْ أَسْئَلُکَ خَیْرَ الدُنْیَا وَالآخِرَۃِ مَعَ العَافِیَۃِ الدَّائِمَۃِ اِنَّکَ أَنْتَ اللّٰہُ لا إلٰہ إلَّا اَنْتَ رَبّیْ وَ رَبِّ کُلِّ شَیْءٍ فَاغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ إِنَّکَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ.

فرشتوتم بھی کچھ نہ لکھو

(٥٤١) و للديلمی عن علی رضی اللہ عنہ :

"يُوحى اللّٰهُ تَعالىٰ إلَى الْحفظَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ : لَا تَكْتُبُوْا عَلىٰ عَبْدِیْ عِنْدَ ضَجَرِهِ شَيْئًا. " [ضعيف] (كما فی كنز العمال، ۴/۱۰۳۲۰)

(۵۴۱) ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حق جل مجدہ نے محافظ اعمال فرشتے کو وحی بھیجی کہ میرے بندے کے خلاف پریشانی وتنگی کے وقت کے کچھ بھی اعمال نہ لکھا کر (یعنی بندہ جب تنگی و پریشانی میں ہوتو اس وقت کے گناہ نہ لکھا کرو کہ وہ خود ہی ہوش گوش کھو چکا ہے۔ گھٹن اور اچاٹ پن میں مبتلا ہے۔ اندر ہی اندر گھٹ رہا ہے۔ فرشتو! تم بھی کچھ نہ لکھو۔ واللہ اعلم)

آدم اور ابلیسِ لعین کا حق تعالیٰ سے سوال

(٥٤٢) للديلمی عن أبی سعيد رضی اللہ عنہ :

"لَمَّا أَسْكَنَ اللّٰهُ آدَمَ الْبَيْتَ قَالَ: إنَّکَ قَدْ أَعْطَيْتَ كُلَّ عَامِلٍ أَجْرَهُ فَأَعْطِنِیْ أَجْرِیْ، فَأَوْحى اللّٰهُ إِلَيْهِ إِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکَ إِذَا طُفْتَ بِهِ قَالَ: يَا رَبِّ زِدْنِیْ. قَالَ : قَدْ غَفَرْتُ لِمَنْ طَافَ بِهِ مِنْ وُلْدِکَ. قَالَ: يَا رَبِّ زِدْنِیْ. قَالَ: قَدْ غَفَرْتُ لِمَنِ اسْتَغْفَرُوْا لَهُ. قَالَ : فَقَامَ إِبْلِيْسُ عَلَى الْمَأْزِمِيْنِ فَقَالَ: يَا رَبِّ جَعَلْتَنِیْ فِیْ دَارِ الْفَنَاءِ وَجَعَلْتَ مَصِيْرِیْ إِلَى النَّارِ، وَ جَعَلْتَ مَعِیْ عَدُوِّیْ آدَمَ وَ قَدْ أَعْطَيْتَهُ فَأَعْطِنِیْ كَمَا أَعْطَيْتَهُ قَالَ: قَدْ جَعَلْتُکَ تَرَاهُ وَ لَا يَرَاکَ قَالَ: يَا رَبِّ زِدْنِیْ. قَالَ: قَدْ جَعَلْتُ قَلْبَهُ مَسْكَنًا لَکَ. قَالَ: يَا رَبِّ زِدْنِیْ. قَالَ: قَدْ جَعَلْتُکَ تَجْرِیْ مِنْهُ مَجْرَى الدَّمِ. قَالَ: فَقَامَ آدَمُ فَقَالَ: يَا رَبِّ قَدْ أَعْطَيْتَ إِبْلِيْسَ فَأَعْطِنِی. قَالَ: قَدْ جَعَلْتُکَ تُهِمُّ بِالْحَسَنَةِ وَ لَا تَعْمَلُهَا فَأَكْتُبُهَا لَکَ. قَالَ: يَا رَبِّ زِدْنِیْ. قَالَ: قَدْ جَعَلْتُکَ تُهِمُّ بِالسَّيِّئَةِ وَ لَا تَعْمَلُهَا فَلَا أَكْتُبُهَا

عَلَيْکَ وَ أَكْتُبُ لَکَ مَكَانَهَا حَسَنَةً. قَالَ: يَا رَبِّ زِدْنِيْ. قَالَ: وَاحِدَةٌ لِيْ وَ وَاحِدَةٌ بَيْنِيْ وَ بَيْنَکَ وَ أُخْرىٰ لَکَ فَضْلٌ مِنِّيْ عَلَيْکَ، فَأَمَّا الَّتِيْ لِيْ تَعْبُدُنِيْ وَ لَا تُشْرِکُ بِيْ شَيْئًا ، وَ أَمَّا الَّتِيْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَکَ فَمِنْکَ الدُّعَاءُ وَ مِنِّيْ الْإِجَابَةُ، وَ أَمَّا الَّتِيْ لَکَ فَإِنَّکَ تَعْمَلُ الْحَسَنَةُ فَأَكْتُبُهَا بِعَشْرَةِ أَمْثَالِهَا، وَ أَمَّا الَّتِيْ فَضْلٌ مِنِّيْ عَلَيْکَ فَتَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرُ لَکَ وَ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.“

[ضعیف] (کما فی کنزالعمال ج ۵/ ۱۲۰۱۱)

(۵۴۲) ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب حق جل مجدہ نے آدم علیہ السلام کو بیت اللہ میں ٹھہرایا، تو انھوں نے عرض کیا: اے اللہ آپ نے ہر عامل کو اس کا اجر وثواب عطا کیا سو مجھ کو بھی عطا کر۔ اللہ پاک نے وحی بھیجی: میں نے تمہاری مغفرت کردی جبکہ تم نے طواف کیا، انھوں نے عرض کیا: اور زیادہ عطا کر۔ ارشاد ہوا: آپ کی اولاد وذُرّیت میں سے جو بھی طواف کرے گا، اس کی بھی مغفرت کردی، انھوں نے عرض کیا: اور بھی زیادہ عطا کر۔ ارشاد ہوا: اور اس کی بھی مغفرت کردی جس کی طواف کرنے والے مغفرت مانگیں گے، پھر ابلیس لعین نے عرض کیا: اے میرے رب آپ نے مجھ کو دارالفناء دنیا میں رکھا اور میرا ابدی ٹھکانہ جہنم بنایا، اور میرے ساتھ میرے دشمن، آدمؑ کو کردیا، ربّ العالمین! آپ نے جس طرح ان کو عطا کیا مجھ کو بھی عطا کیجیے۔ حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا: اچھا جا! تو آدم کو دیکھے گا؛ مگر وہ تجھ کو نہیں دیکھے گا۔ لعین نے عرض کیا: اور عطا کر۔ ارشاد ہوا: آدمؑ اور ان کی ذریت کا دل تیرا مسکن وٹھکانہ ہوگا۔ لعین نے عرض کیا: اور بھی عطا کر۔ ارشاد ہوا: تو آدم اور ان کی اولاد کے خون کی رگوں میں دوڑے گا، (یعنی خون کی رگوں میں دوڑ کر جس طرح چاہنا گمراہ کرنا، وساوس پیدا کرنا، خیالات فاسدہ ڈالنا وغیرہ ذالک۔ پھر آدم علیہ السلام کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ربّ العزّت آپ نے ابلیس لعین کو عطا کیا تو مجھ کو بھی عطا کر۔ ارشاد ہوا: اے آدمؑ جب تو نیکی کا ارادہ کرے گا اور صرف سوچے گا اور کرے گا نہیں تو محض ارادہ پر میں ایک نیکی دوں گا، انھوں نے عرض کیا: اور

زیادہ دیجیے۔ ارشاد ہوا: جب گناہ و برائی کا ارادہ کرے گا تو جب تک ارتکاب نہیں کرے گا میں تیرے ذمہ کوئی گناہ نہیں لکھوں گا، اور احسان کا معاملہ کرتے ہوئے ایک نیکی ہی لکھ دوں گا (کہ گناہ کا ارادہ کر کے تو نے میرے خوف سے گناہ نہیں کیا اس پر ایک نیکی دوں گا)۔

انھوں نے عرض کیا: ربّ العالمین! اور زیادہ دیجیے، ارشاد ہوا: ایک میری ذات کے لیے اور ایک میرے تیرے درمیان، اور ایک محض تیرے لیے اور ایک بطور فضل کے اور بھی میری طرف سے تیرے لیے۔

محض میری ذات کے لیے تیرا عبادت کرنا جس میں تو کسی اور کو شریک نہ کر اور میرے اور تیرے درمیان وہ تیرا مجھ سے دعا کرنا اور میرا کام ہے قبول کرنا (یعنی تو مانگ میں دوں گا) اور جو محض تیرے لیے ہی ہے وہ تیری حسنات ونیکیاں ہیں جو تو کرتا ہے تو میں دس گنہ لکھتا ہوں اور میرا فضل وانعام تجھ پر یہ ہے کہ تو گناہ وسیئات کے بعد مغفرت مانگتا رہ میں مغفرت کرتا رہوں گا اور کبھی بھی گناہ کرنے کے بعد مایوس نہ ہونا کہ میں غفور رحیم ہوں۔ **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَ مَا اَخَّرْتُ**، آمین!

خیر وشر کا طالب اور دونوں کا تصادم

حق جل مجدہ نے آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا، لہٰذ خلیفۃ اللہ میں اس کی طلب و جستجو اور خیر کا میلان ہونا طبعی امر تھا۔ اور فضل ربی کے حصول کی راہیں، مرضیات ربانی کے طریقے قلوب کی انابت وخشیت کے اعمال وافکار کی شکلیں صورتیں کیا ہوں گی یہ سب باتیں خلیفۃ اللہ کے اندر خوب سے خوب تر ربّ ذوالجلال نے ودیعت فرمائی تھیں، جس کی وجہ سے طلب خیر اور مرضیات کی جستجو ہمہ وقت غالب ہی رہی۔ وقتی طور پر اگر کوئی عارض حائل ہوجائے تو یہ بھی خواص بشریت کے ظہور کی لیے ہوگا، تا کہ توبہ واستغفار کے میلان و رجحان کے ساتھ جو مقصد تخلیق تھا، خلیفۃ اللہ کو اپنی اصل کی طرف لے جائے۔

برخلاف شیطان لعین کے کلام کو پڑھیں، گفتگو کا انداز دیکھیں، ندامت وانابت کا

نام ونشان نہیں۔ بارگاہ ربّ العزّت میں بے باکانہ کلام کہ آپ نے دارفنا میں رکھا، میرا ٹھکانہ جہنم بنایا اور میرا دشمن آدمؑ کو بنایا، استغفراللہ، لعین نے اپنی کمی وکوتاہی کا کہیں اشارہ نہ کیا، بلکہ تمام الزام حق جل مجدہ کی ذات بے نیاز پر ڈال دیا، بارگاہ ربّ العزّت کا ادب بھی ملحوظ نہ رکھ سکا۔ اور کہنے لگا، آپ نے دارفنا میں رکھ دیا، میرا ٹھکانہ جہنم بنا دیا، آدمؑ کو دشمن بنا کر میرے ساتھ کر دیا، استغفراللہ۔ حالانکہ یہ تمام بدبختی کی راہیں لعین نے خود اختیار کی تھیں، نہ کہ ربّ العزّت نے اس کو بدبخت بنایا۔ آخر ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا، اس نے کیوں نہیں کیا؟ لعین بن کر دنیا میں آنا اس نے پسند کیوں کیا؟ آخر آدم بھی تو دنیا میں آئے مگر توبہ واستغفار، اطاعت وعبادت کی شان کے ساتھ آئے۔ غلطی ان سے بھی ہوئی تھی جس کی تلافی توبہ سے وہیں کر لی۔ ملعون نے غلطی بھی کی اور سینہ بھی تان کر کھڑا ہو گیا اور اپنی تمام باتوں کا رخ بدل کر ربّ العزّت کی طرف گستاخانہ کلام کر رہا ہے، کہ آپ نے یوں کیا یوں کیا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا تھا تو حکم کو نہ بجالا کر خود ہی لعنت کا طوق پہن لیا اور اپنے قصور کا انتساب ربّ ذوالجلال کی طرف کر رہا ہے، یہیں سے خلیفۃ اللہ کا کمال عبدیت اور لعین کا تمرد ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ ربّ العزّت ہمیں لعین سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ فَاللّٰهُ خَيۡرٌ حَافِظًا وَّ هُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ.

حضرت آدم علیہ السلام کا ادبِ ربانی

حق جل مجدہ نے قرآن مجید میں ابلیسِ لعین کو آدم وحوا کا دشمن اور عدو بتلایا ہے، جبکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اکلِ شجرہ کے بعد بارگاہ ربّ العزت میں اپنی مغفرت کی درخواست تو کی مگر ابلیس کی کوئی بات نہ کہی کہ نفحات ولمحاتِ قدسیہ کے وقت دیدۂ باطن کو تجلیاتِ الٰہیہ سے معمور کرنا ہی شانِ انبیاء ہے۔ قرآن مجید کی آیات میں آدم وابلیس کے واقعے کو پڑھیے۔

﴿وَ طَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلۡ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۝ قَالَا

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ، وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ o قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

زمین پر اُترنے کا حکم

مفسرین کے نزدیک یہ خطاب آدم وحوا علیہا السلام اور ابلیس لعین سب کو ہے کیونکہ اصل عداوت آدم اور ابلیس کی ہے اور اس عداوت کا دنگل ہماری زمین بنائی گئی جس کی خلافت آدمؑ کو سپرد ہوئی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

نافرمانی کا بدلہ

محمد بن قیس نے کہا اللہ نے ندا دی: آدم! تو نے کیوں کھایا؟ میں نے تو تجھے منع کر دیا تھا۔ آدم نے عرض کیا: مجھے حوا نے کھلا دیا۔ اللہ نے حواؑ سے فرمایا: تو نے کیوں کھلایا؟ حواء نے عرض کیا: مجھے سانپ نے مشورہ دیا تھا۔ سانپ سے سوال ہوا: تو نے کیوں مشورہ دیا؟ سانپ نے عرض کیا: مجھے ابلیس نے مشورہ دیا تھا۔ اللہ نے فرمایا: حوا! تو نے درخت کو خون آلود کیا تو بھی ہر ماہ خون آلود رہے گی اور اے سانپ! تیرے پاؤں میں کاٹے دیتا ہوں۔ تو منہ کے بل چلے گا اور تجھے جو بھی پائے گا تیرا سر پھاڑ دے گا اور اے ابلیس تو ملعون ومردود ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت آدم علیہ السلام کا عمل

جیسا کہ کہا گیا ہے "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ" یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔

ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است
خون شہیداں را از آب اولیٰ تر است

چنانچہ عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

گرچہ یک موبد گنہ کو جستہ بود
لیک آن مو در دو دیدہ رستہ بود

اگرچہ وہ گناہ جو آدم علیہ السلام سے سرزد ہوا وہ بال کے برابر تھا لیکن وہ بال آنکھوں میں ظاہر ہوا انسان کے جسم پر کم وبیش بال ہوتے ہیں مگر ان سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن آنکھوں کے اندر اگر کوئی بال آجائے تو وہ سخت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

بود آدم دیدہ نور قدیم
موئے در دید بود کوہ عظیم

اسی طرح سمجھو کہ آدمؑ کی ذاتِ بابرکات نورِقدیم کے آنکھ کی طرح تھی اور آنکھ جیسی نازک چیز میں ایک بال بھی بمنزلہ ایک بھاری پہاڑ کے موجب ثقل ہوتا ہے۔

گر دراں حالت بکردے مشورت
در پشیمانی نہ گفتے معذرت

ہاں، اگر اس حالت میں جبکہ شیطان ان کو اپنی تقدیر سراپا تزویر سے دھوکہ دے رہا تھا حق جل شانہ سے مشورہ کر لیتے کہ اے ربّ العزّت! اس بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے تو آدمؑ کو ندامت اور پشیمانی سے معذرت یعنی توبہ اور استغفار کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ حضرت آدم رسول متکلم تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ ان کو وحی ہوتی تھی۔ وہ اس بارے میں بھی بلا واسطہ حق تعالیٰ سے دریافت کر سکتے تھے۔

پس حضرت آدم علیہ السلام نے وہ چیز ترک کی جو اُن کی شان کے لیے اولیٰ اور انسب تھی کہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتے لیکن بھول گئے اور اللہ تعالیٰ سے دریافت نہ کیا۔ پس اس ترکِ اولیٰ کی وجہ سے عتاب آیا اور یہ ترکِ اولیٰ انہی کی شان کے لحاظ سے ہے ورنہ ہمارے لحاظ سے ترکِ اولیٰ بھی نہیں کیونکہ اللہ کے نام کی قسم سے حجت پوری ہو جاتی ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے ظلم کے معنی یہ ہیں کہ اے پروردگار! ہم نے شیطان کے دھوکہ میں آکر اپنا نقصان کیا کہ آپ کے حکم کی متابعت سے اور شیطان کی مخالفت سے ہم کو جو

درجات اور مراتب حاصل ہوئے ان میں کمی آ گئی اور سر دست جنت کا لباس ہمارے بدن سے اُتر گیا اور تیرے مقامِ قرب اور مقامِ اختصاص سے ہم کو دور جانا پڑ رہا ہے اور نعمائے جنت سے محروم ہو رہے ہیں۔ ہم پر رحم فرما۔

عارف رومی قدس سرہ السامی نے اپنی مثنوی میں بزبانِ ہدہد ایک قصہ بیان کیا جس میں یہ بتلایا۔

چوں قضا آید شود دانش بخواب
مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب

یعنی جب قضا آتی ہے تو عقل سو جاتی ہے اور اس کا ادراک بھی سو جاتا ہے اور قضا الٰہی سے چاند سیاہ پڑ جاتا ہے اور سورج کو گہن لگ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ عقل جو آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہے قضاءِ الٰہی سے وہ بے نور اور تاریک ہو جاتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا علم

ابو البشر کو علم الاسماء بگ است
صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ است

یعنی حضرت آدم علیہ السلام جو ابوالبشر ہیں اور مرتبۂ **علم آدم الاسماء** کے تاجدار ہیں اور لاکھوں علم ان کی رگ میں بھرے ہوئے ہیں۔ آگے **علم الاسماء** کی تفسیر فرماتے ہیں۔

اسم ہر چیزے چناں کاں چیز ہست
تا بپایاں جانِ او را داد دست

تمام چیزوں کے نام اور جس حالت پر وہ واقع ہیں سب کا نام ونشان ان کی آخری حالت تک ان کی روح کو عطا کر دیا گیا۔ خلاصہ تفسیر کا یہ ہوا کہ **عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ** سے صرف اشیاء کے نام بتا دینا مراد نہیں بلکہ اسماءِ عام ہے جو حقائق اور اوصاف اور خواص اور آثار سب کو شامل ہے۔ پس تعلیم اسماء کا مطلب یہ ہوا کہ تمام اشیاء کے نام اور ان کی ماہیتیں اور صفتیں اور خاصیتیں سب آدم کو بتلا دیں کیونکہ خلیفۃ اللہ فی الارض کے لیے یہ

ضروری ہے کہ وہ دنیا میں پیش آنے والے امور مثلاً کھانا اور پینا، بھوک اور پیاس اور سرور اور حزن اور شہوت اور غضب وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام امور کی ماہیئتوں اور خاصیتوں سے واقف ہو۔ اس لیے یہ تمام امور حضرت آدم علیہ السلام کو بتلا دیے گئے تاکہ زمین میں منصبِ خلافت کو انجام دے سکیں اور فرشتوں میں اللہ نے یہ استعداد نہیں رکھی کہ وہ ان امورِ حسیہ اور جسمانیہ کا کما حقہٗ ادراک کر سکیں۔ ملائکہ اس قسم کے امور سے منزہ ہیں، اس لیے منصبِ خلافت بجائے ملائکہ کے حضرت آدم علیہ السلام کو ملا۔

چشم آدم چوں بنور پاک دید
جان و سر نامہا گشتن پدید

حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھ نے جو نورِ ربانی سے منور تھی، نظر اُٹھائی اور موہوبِ ربانی نور سے اشیاء کا مشاہدہ کیا تو ان پر تمام اسماء کے حقائق اور اسرار منکشف ہو گئے۔ پس اصل فضیلت حضرت آدم علیہ السلام کی یہ تھی کہ وہ نورِ الٰہی اور علمِ ربانی کے مظہر اور آئینہ تھے۔

ملک انورِ حق بروئے بتافت
در سجود افتاد و در خدمت تشافت

اور جب فرشتوں نے ان میں انوارِ حق تجلیاتِ ربانی کو درخشاں دیکھا تو سجدہ میں گر گئے اور خدمت کے لیے دوڑے۔

چوں ملائک نور حق دیدند ازو
جملہ افتادند در سجدہ برو

شیطان کا تکبر

جب ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام میں نورِ حق کا جلوہ گر دیکھا تو سب سجدے میں گر گئے بخلاف ابلیس کے کہ اس کی نظر صرف مادہ طین تک محدود رہی اور نورِ حق سے نابینا بن گیا، اس لیے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ ذوالجلال سے بحث شروع کی ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾

حضرت آدمؑ کی فضیلت

ایں چنیں آدم کہ نامش می برم
گر ستایم تا قیامت قاصرم

ہدہد جس کی زبان پر یہ قصہ بیان کیا جارہا ہے وہ ہدہد یہ کہتا ہے کہ ایسے آدم جن کا نام میں لے رہا ہوں، اگر قیامت تک بھی ان کی تعریف وتوصیف کروں تو تب بھی قاصر رہوں۔

تقدیر کا غلبہ

ایں ہمہ دانست و چوں آمد قضا
دانش یک نہی شد بروے غطا

باوجودیکہ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ سارا علم حاصل تھا اور تمام چیزوں کے خواص اور آثار سے واقف تھے لیکن جب قضا نمودار ہوئی تو ایک نہی ﴿لا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ کا علم ان پر پوشیدہ ہوگیا اور غیبی طور پر اس پر ایک پردہ پڑ گیا جس سے وہ دشمن کے وسوسہ سے تردّد میں پڑ گئے جن کا اگلے شعر میں بیان ہے۔

کاے عجب نہی از پئے تحریم بود
یا بتاویلے بدو تو ہیم بود

حضرت آدم علیہ السلام حیران تھے اور تعجب اور تردد میں تھے کہ اللہ جانے یہ نہی تحریمِ مطلق کے لیے کہ ذاتی طور پر اس درخت کے قریب جانا مطلقاً حرام ہے یا یہ نہی متلبّس بتاویل ہے۔

در دلش تاویل چوں ترجیح یافت
طبع در حیرت سوئے گندم شتافت

حضرت آدم علیہ السلام اسی حیرت اور تردّد میں تھے کہ دل نے تاویل کو ترجیح دی اور طبیعت حیرت میں آکر گندم کی طرف مائل ہوگئی تو بارگاہِ الٰہی سے عتاب ہوا اور ہبوط کا حکم

آیا اس لیے کہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس کو کھائے گا وہ دنیا کی طرف ضرور اُترے گا۔ کھانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خطا کا احساس ہوا تو توبہ اور استغفار شروع کی۔ اب آگے اس کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

اس قصے کی مثال

باغباں را خار چوں در پائے رفت
دزد فرصت یافت کالا بُرد تفت

اس قصے کی ایسی مثال ہوگئی جیسے کوئی باغبان ہو اور اس کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو وہ بیچارہ تو کانٹا نکالنے میں لگا اور چور کو فرصت میں مال چرانے کا موقع مل گیا کہ جلدی سے سارا مال لے کر چلتا بنا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام باغبان علم و معرفت تھے، ان کے پائے قلب میں وسوسہ کا ایک کانٹا چبھا، اور اس کے نکالنے میں مشغول ہوئے۔ دزدِ لعین (ابلیس) موقع پا کر ان کی متاعِ راحت و سکینت کو چرا کر لے بھاگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ

چوں ز حیرت رست باز آمد براہ
دید بردہ دزد رخت از کارگاہ

جب حضرت آدم علیہ السلام اس حیرت سے نکلے اور راہِ حقیقت ان پر منکشف ہوئی تو دیکھا کہ چور کارخانہ سے مال و متاع چرا کر لے گیا۔ حضرت آدم سمجھ گئے کہ یہ سب شیطان کا فریب تھا تاکہ مجھ کو جنت سے محروم کرادے۔

رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمْنَا گفت و آہ
یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام بصد آہ و درد "ربنا ظلمنا" کہہ کر بارگاہِ الٰہی میں معذرت کرنے لگے، روتے جاتے تھے اور آہیں بھرتے جاتے تھے یعنی اے اللہ! ہماری

عقل پر ظلمت اور تاریکی چھا گئی اور ہم سے راستہ گم ہوگیا۔اس دوسرے مصرعے میں اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اس دعا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا﴾ میں ﴿ظَلَمْنَا﴾ ظلم سے مشتق نہیں بلکہ ظلمت سے مشتق ہے۔

قضاء کی مثال

ایں فضا ابرے بود خورشید پوش
شیر و اژدہا بود زو ہمچو موش

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے بطور نتیجہ فرماتے ہیں کہ اس قضا کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک بادل ہو وہ آفتاب کو چھپا لے۔قضاء ایسی سخت چیز ہے کہ اس کے سامنے شیر اور اژدہا چوہے کے مانند عاجز اور لاچار ہیں۔

(دیکھو مثنوی مولانا روم، ص:۱۰۳، دفتر اوّل وص:۱۰۴، دفتر اول) (معارف القرآن کاندھلویؒ)

شیطان کا فریب

گفت شیطاں کہ بما اغویتنی
کرد فعل خود نہان و بودنی

شیطان نے ﴿بِمَا اَغْوَيْتَنِىْ﴾ کہا اور اس کمینے نے اپنے کسب اور ارتکاب غوایت کو چھپا کر اغواء کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ خود بری الذمہ بن جائے۔

توبہ کی قبولیت

بعد توبہ گفتش اے آدم نہ من
آفریدم در تو ایں جرم و محن

توبہ قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے کہا اے آدم! کیا یہ تقصیر یعنی (اکلِ شجرہ) خود میں نے تیرے اندر پیدا نہیں کی یعنی میں ہی تو اس تقصیر کا خالق ہوں اور یہ سب کچھ میری ہی قضاء وقدر سے واقع ہوا ہے۔پھر تم نے معذرت کے وقت اس فعل کو

میری طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا۔ (معارف القرآن)

نے تقدیر و قضاء من بداں
چوں بوقت عذر کردی آن نہان

کیا یہ سب کچھ میری ہی قضاء وقدر سے نہ تھا جو تو نے عذر کے وقت اس کو پوشیدہ رکھا اور یہ نہیں کہا کہ میری تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا لہٰذا میں بے قصور ہوں۔

گفت ترسیدم ادب نگزاشتم
گفت من ہم پاس آنت داشتم

حضرت آدم نے عرض کیا کہ میں سوءِ ادب سے ڈر گیا اور دامنِ ادب ہاتھ سے نہ چھوڑا تو فرمایا کہ پھر میں نے ہی تیرے ادب کا لحاظ کیا اور تجھے اپنے عفو وکرم سے نوازا۔

گناہ اگرچہ اختیار ما حافظ
تو در طریق ادب کوش گو گناہ من است

ہر کہ آرد حرمت او حرمت برد
ہر کہ آرد قند لوزینہ خورد

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص ہماری بارگاہ میں ادب اور احترام کو ملحوظ رکھتا ہے وہ اس کے صلے میں حرمت اور کرامت لے جاتا ہے یعنی ہمارا مقبول اور مقرب بن جاتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ قند لاؤ اور لوزینہ (یعنی حلوہ بادام کھاؤ)۔

(مثنوی مولانا روم، دفتر اوّل، ص:۱۲۴ و کلید مثنوی، دفتر اول، حصہ اول، ص:۳۶۵)

اہلِ بدر کے لیے معافی کا پروانہ

اہلِ بدر کے متعلق جو ارشاد آیا ہے ”اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ بدر سے دیدہ و دانستہ اللہ کی معصیت ظہور میں نہیں آئے گی البتہ بمقتضائے بشریت، بطریقِ سہو ونسیان ان سے لغزشیں ہوں گی یعنی ان سے کبھی ایسے افعال سرزد ہوں گے جو ان کی شان اور مرتبے کے مناسب نہ ہوں گے۔ اس قسم کے جو

اُمور ان سے صدور اور ظہور میں آئیں گے وہ اللہ کے یہاں سب معاف ہیں۔

ہر دمش صدنامہ صد پیک از خدا
یار بے زد شصت لبیک از خدا

اور اس حالت میں اس انسان کامل کو صدہا نام و پیام اللہ کی طرف سے پہنچتے ہیں اور اس کے ایک مرتبہ یارب کہنے سے ساٹھ مرتبہ (یعنی بکثرت) اللہ کی طرف سے لبیک کا جواب آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو بندہ ایک نیکی لے کر آتا ہے تو اس کو کم از کم دس گنا اجر ملتا ہے اور جو شخص اللہ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو اللہ اس سے ایک گز قریب ہو جاتا ہے اور جو شخص اللہ کی طرف چل کر آتا ہے اللہ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ (رواہ مسلم)

ہر دمے او را یکے معراج خاص
بر سر فرقش نہد صد تاج خاص
زلتِ خاصان و سہو و غفلتے
بہتر از صد سالہ مایان طاعتے

جیسا کہ صدیق اکبرؓ سے منقول ہے "یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ سَھْوَ مُحَمَّدٍ" ﷺ کاش میں نبی کریم ﷺ کا سہو و نسیان بن جاتا کہ حضور پرنور ﷺ کا سہو و نسیان ہماری طاعت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

قیاس حجت ہے

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہؓ اور تابعینؒ کا مذہب یہی ہے کہ قیاس حجتِ شرعیہ ہے اور عقلاً اور شرعاً اس کا اتباع ضروری ہے۔ صرف چند اہلِ ظاہر قیاس کے منکر ہیں مگر وہ صحیح نہیں۔ صحیح وہی ہے کہ جو صحابہؓ و تابعینؒ کا مسلک ہے اور اسی کو امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اختیار فرمایا اور کتاب الاعتصام میں حجیت قیاس کے لیے متعدد ابواب اور تراجم منعقد فرمائے۔ اور اگر مسئلہ کا حکم کتاب اور سنت اور اجماعِ اُمت سے معلوم نہ ہو سکے تو

قیاس واجب ہے اور اسی پر تمام اُمت کا اِجماع ہے اور خلفاءِ راشدین اور صحابہؓ و تابعینؒ سے یہی ثابت ہے کہ جب ان کو کسی امر میں اشتباہ پیش آتا اور کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت سے اس کا حکم نہ معلوم ہوتا تو امثال اور اشباہ پر اس کو قیاس کرتے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی)

شیطان کا غلط قیاس

اوّل آنکس کیں قیاسہا نمود
پیش انوار خدا ابلیس بود

سب سے پہلا شخص جس نے انوارِ الٰہیہ (یعنی احکامِ منصوصہ) کے مقابلے میں اپنے بیہودہ قیاسات چلانے شروع کیے وہ ابلیس تھا۔

گفت نار از خاک بیشک بہتر است
من ز نار و او را خاک اکدر است

کہنے لگا کہ اس میں کیا شک ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے۔ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ خاکِ تاریک سے پیدا ہوا ہے۔

پس قیاس فرع بر اصلش کنیم
او ز ظلمت ما ز نور روشنیم

پس مناسب ہے کہ ہم فرع کو اصل پر قیاس کریں سو اُن کی اصل مادۂ ظلماتی ہے اور میری اصل مادۂ نورانی ہے اور درخشانی ہے یعنی آگ سے ابلیس نے یہ قیاس کیا اور غلط کیا۔ اوّل تو اس پر کیا دلیل ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے۔ دونوں ہی عنصر اللہ کی مخلوق ہیں، عنصریت میں دونوں برابر ہیں۔ اور اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو مٹی آگ سے بہتر ہے اس لیے کہ مٹی میں متانت اور وقار ہے اور حلم اور حیا اور صبر کا مادّہ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت آدم تواضع اور تضرع کی طرف مائل ہوئے اور عفو اور مغفرت اور اجتباء سے سرفراز ہوئے۔

زادۂ خاکی منور شد چو ماہ
زادہ آتش توئی اے رو سیاہ

اسی طرح سمجھ لو کہ ایک خاک زادہ یعنی آدم علیہ السلام چاند کی طرح انوارِ الٰہی سے منور اور روشن ہو گیا اور اے شیطان تو آتش زادہ ہے، اے رو سیاہ! تو تاریک رہا۔ مادہ ناری کی ظلمت اور دخان نے تجھ کو تاریکی میں ڈال دیا۔

ایں قیاسات و تحری روز ابر
یا بشب مرد قبلہ را کردست جبر

اس قسم کے قیاسات اور اٹکل کی باتیں اس وقت چلتی ہیں کہ جب ابر چھایا ہوا ہو یا رات کا وقت ہو کہ قبلہ نظر نہ آتا ہو۔ اس وقت اس قسم کے قیاسات اور تخمینے قبلہ کا جبر اشتباہ اور بدل بن سکتے ہیں۔

لیک با خورشید و کعبہ پیش رو
ایں قیاس و ایں تحری را مجو

لیکن ایسی حالت میں کہ جب آفتاب طلوع کیے ہوئے ہو اور خانہ کعبہ سامنے ہو تو اس وقت تحری اور قیاس سے نماز ہرگز جائز نہیں۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

کعبہ نادیدہ مکن زور و متاب
از قیاس اللہ اعلم بالصواب

(گلدستہ تفاسیر، ج:۲،ص:۴۸۳ تا ۴۸۷)

الحمد للہ آج بتاریخ یکم رجب المرجب ۱۴۳۲ھ مطابق ۳/جون ۲۰۱۱ء کو جلدِ ثانی کے جزء ثالث کی کتاب التوبہ والانابت کی حدیث نمبر ۵۴۲ کی عوامی شرح بفضل حق مکمل ہوئی۔ احادیث قدسیہ کی شرح کا جو حق تھا وہ تو اس بے بضاعت سے ممکن ہی نہیں بس یہ کام محض اللہ جل مجدہ کے لطف و فضل خاص سے وجود میں آیا۔

فَالِلّٰهُ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَ آخِرًا

(ثمین اشرف)

کتابِ ہٰذا علمائے اُمت کی نظر میں

اہلِ طریقت وسلوک کے لیے بیش بہا ذخیرہ۔ **شمس الہدیٰ**، خلیفہ حضرت حاجی منظور احمد نقشبندیؒ، مصرولیا

پوری کتاب دلکش بھی ہے اور شگفتہ بھی۔ **حضرت محمد مصطفےٰ مفتاحیؒ**، دارالعلوم سبیل اسلام، حیدرآباد

'تجلیاتِ قدسیہ' عام مسلمانوں کے لیے مفید۔ **سعید احمد پالن پوری**، استاذ حدیث، دارالعلوم دیوبند

خیر کثیر اور نفع عظیم کی توقع۔ **عبدالمنان**، ناظم، مدرسۂ امدادیہ اشرفیہ، سیتامڑھی، بہار

کتاب بڑے والہانہ انداز میں تحریر فرمائی ہے۔ **مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی**، مفتی دارالعلوم دیوبند

لوگوں کو عمل کی طرف اُبھارنے کا کام کرے گی۔ **مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی**، امارتِ شرعیہ اڑیسہ وجھارکھنڈ

کلامِ نبویؐ کی اشاعت کی توفیق عطیۂ الٰہی ہے۔ **مولانا محمد رحمت اللہ**، دارالعلوم رحیمیہ، کشمیر

ائمہ وخطباء کے لیے انمول تحفہ۔ **محمد عارف باللہ القاسمی**، جامعہ عائشہ نسوان، حیدرآباد

Tajalliyyaat -e- Qudsiyyah

Volume Three

Translation & Commentary by

Mufti Muhammad Sameen Ashraf Qasmi

Publisher
Hafiz Muhammad Razeen Ashraf Nadvi, 09370187569

Madni Graphics, 9595031666